Ü 53110   P - 12 - 120

Title - AZAMUL KALAAM FI ARTAQA UL ISLAM (Part-1,2).

Creator - Chiragh Ali.

Publisher - Rifa Dam Steam Press (Lahore).

Date - 1911.

Pages - 88+84.

Subject -

حصّہ دوم

اعظم الکلام

فی

ارتقاء الاسلام

یعنی اردو ترجمہ

پروپوزڈ پولیٹیکل لیگل اینڈ سوشل ریفارمز انڈر مسلم رول

مصنّفہ

نواب اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی مرحوم فنانشل و ریونیو سکرٹری دولت آصفیہ

مصنّف الجہاد، ٹرو پرافٹ، حیدر آباد انڈر سر سالار جنگ اور اسلام کی دنیوی برکتیں وغیرہ وغیرہ

جس میں

علّامہ مصنف نے بزبان انگریزی، سنہ ۱۸۸۲ء میں، ایک یورپین عالم ریورنڈ ملکم میکال کے اس اعتراض کی تردید میں کہ "مذہب اسلام مانع ترقی ہے" قرآن، احادیث، فقہ اور تاریخ سے نہایت عالمانہ طریق پر یہہ ثابت کیا ہے کہ اسلام روحانی، اخلاقی اور دماغی ترقی کا حامی، تغیرات زمانہ کے ساتھ نئے تمدن و سیاست کا ساتھ دینے والا اور زمانہ ضروریات کے مطابق ہر قسم کے قوانین کی بنیاد بننے کی حیثیت و صلاحیت رکھنے والا مذہب ہے اور اس کی فطرت جمود و خمود کے منافی ہے اسی ضمن میں اسلام کے متعلق دوسرے یورپین مصنّفین مثلاً سر ولیم میور اور باسورتھ اسمتھ وغیرہ کی غلط بیانیوں کی اصلاح بھی مشرقی اور مغربی حوالوں سے کیگئی ہے اور صدہا اسلامی مسائل متعلق معاشرت و سیاست پر عالمانہ و مجتہدانہ بحث کی گئی ہے

جس کو سنہ ۱۹۱۰ء میں

مولانا عبد الحق صاحب بی۔ اے (علیگ) نے ایک عالمانہ مقدمہ کے ساتھ سلیس اردو میں ترجمہ کیا

اور سنہ ۱۹۱۱ء میں

مولوی عبد اللہ خاں نے حیدر آباد دکن کتب خانۂ آصفیہ سے شایع کیا اور رفاہ عام اسٹیم پریس لاہور میں مولوی عبد الحق صاحب کے اہتمام سے چھپا

بار اوّل (۲۰۰۰) جلد

حصہ دوم

اعظم الکلام فی ارتقاء الاسلام

فہرست مضامین

مقدمہ

اعظم الکلام فی ارتقاء الاسلام

(از مترجم)

حصہ اوّل

مشتملہ حالات مصنف

نواب اعظم یار جنگ بہادر مولوی چراغ علی مرحوم ان لوگوں میں سے تھے جو اپنے بل بوتے پر آپ کھڑے ہوئے اور اپنی محنت سے دنیا میں جاہ و ثروت و لیاقت و فضیلت حاصل کی۔ اپنے سہارے آپ کھڑے ہونا خدا کی بڑی نعمت اور بڑے پن کی علامت ہے۔ جو دوسروں کا سہارا تکتا رہتا ہے وہ خود کبھی نہیں بڑھتا۔ اور جو بڑھتا ہے تو جتنا پاتا ہے اُس سے زیادہ کھوتا ہے۔ مولوی چراغ علی مرحوم نے ابتدا میں ایک معمولی منشی کی طرح دفتر میں ملازمت کی اور محض اپنی لیاقت اور محنت سے اعلےٰ رُتبے پر پہنچ گئے۔ اُن کی تعلیم بہت معمولی درجے کی ہوئی تھی۔ لیکن لگاتار مطالعہ اور محنت کی بدولت اُنھوں نے وہ فضیلت حاصل کی جو بڑے بڑے ڈگری یافتوں اور صاحبان دستار فضیلت کو میسّر نہیں ہوئی۔ ان کی زندگی ایک سبق ہے اُن لوگوں کے لئے جو دنیا میں بڑھنا اور کچھ کرنا چاہتے ہیں اور اُن کے کارنامے نوجوانان ملک کے لئے دلیل راہ کا کام دینگے۔ ان کے آباو

خونریز اور خونخوار جنگ ہوئی جس سے ہندوستان اور انگلستان میں تہلکہ مچ گیا اور ایک دفعہ انگریزی حکومت جڑ بنیاد سے ہل گئی۔ آخر انگریزوں کی فتح ہوئی اور مہاراجہ رنجیت سنگھ نے جو ہندوستان کے نقشے میں انگریزی کمپنی کی عملداری کا سُرخ رنگ دیکھ کر یہ پیشینگوئی کی تھی کہ نقشہ کا سارا رنگ سُرخ ہوتا نظر آتا ہے وہ اس کے مرنے کے بعد پوری ہو کے رہی اور اب پنجاب پر انگریزوں کا پورا تسلط ہو گیا۔ اس جدید صوبے کے انتظام کے لئے ہندوستان سے جہاں اور تجربہ کار اور لائق عہدہ داران منتخب کئے گئے وہاں مولوی محمد بخش کا بھی انتخاب ہوا +

سنہ ۱۸۴۹ء میں مولوی محمد بخش محکمۂ بندوبست میں داخل ہوئے اور رفتہ رفتہ عہدہ مہتمی بندوبست پر سرافراز ہوئے۔ اور کچھ عرصہ تک صوبۂ پنجاب کے اضلاع ملتان۔ ڈیرہ غازیخاں بنوں وغیرہ میں مامور رہے۔ سرحدی اضلاع کے بندوبست سے فارغ ہونے کے بعد ضلع سیالکوٹ میں متعین کئے گئے۔ اس کے بعد ضلع شاہپور میں اسی اہم کام پر مامور رہے یہاں اس امر کا اظہار ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مہتمی بندوبست جیسا وقیع اور اعلےٰ عہدہ جب کہ آجکل بھی دیسی لوگوں کو شاذونادر ہی ملتا ہے تو اس زمانے میں جبکہ نہ ہندیوں کے حقوق تسلیم کئے گئے تھے اور نہ اُن حقوق پر زور دینے والے ابھی میدان میں آئے تھے کیسا کچھ وقیع اور معزّز نہ سمجھا جاتا ہوگا +

افسوس ہے کہ ہمیں اس سے زیادہ مولوی محمد بخش کے حالات اور اُس وقت کے واقعات معلوم نہ ہو سکے۔ لیکن صرف ایک یہی واقعہ مولوی صاحب کی قابلیت اور لیاقت کی کافی شہادت ہے کہ حکومت وقت نے انہیں ایک ایسے عہدے پر جو کسی طرح ڈپٹی کمشنر یا کلکٹر کے عہدے سے کم نہیں سرفراز فرمایا۔

سُنا گیا ہے کہ مولوی محمد بخش کو اپنی اولاد کی تعلیم کے متعلق بڑے بڑے خیال تھے۔ لیکن اجل نے مہلت نہ دی اور عین عالم جوانی میں (جبکہ اُن کی عمر غالباً پینتیس ۳۵ سال

سے زائد نہ تھی) سن ستاون کی مشہور فوجی شورش سے ایک سال قبل یعنے ۱۸۵۶ء میں انتقال فرمایا اور سارے منصوبے دل کے دل ہی میں رہ گئے - مرحوم نے چار بیٹے چھوڑے جن میں سب سے بڑے مولوی چراغ علی تھے اور اُس وقت اُن کی عمر بارہ سال سے زیادہ نہ تھی - مولوی محمد بخش مرحوم کا مقبرہ اب تک میرٹھ میں موجود ہے +

مولوی محمد بخش کے انتقال کے بعد ان کے سب اہل وعیال یعنے اُن کی والدہ بیوی اور چاروں بچے (چراغ علی - ولایت علی - عنایت علی اور منصب علی) میرٹھ واپس آگئے +

مولوی چراغ علی نے اپنی دادی اور والدہ کے زیر سایہ میرٹھ میں تعلیم پائی - لیکن یہ تعلیم بالکل معمولی تھی - اور سوائے معمولی اُردو - فارسی اور انگریزی کے نہ کسی اَور علم کی تحصیل کی اور نہ کوئی امتحان پاس کرنے پائے - اسی زمانہ میں کمشنری گورکھپور میں ضلع بستی نیا نیا قائم ہوا تھا وہاں کے خزانے کی منشی گری پر جس کی تنخواہ بیس۲۰ روپیہ تھی مرحوم کا تقرر ہوا - مطالعہ کتب اور لکھنے پڑھنے کا شوق انہیں ابتدا سے تھا - سرکاری کام کے بعد باقی تمام وقت وہ لکھنے پڑھنے میں صرف کرتے تھے - چنانچہ پادری عماد الدین کی کتاب تاریخ محمدی کے جواب میں آپ کا رسالہ تعلیقات اسی زمانہ کا لکھا ہوا ہے - علاوہ اس کے منشور محمدی - مخبر صادق لکھنؤ وغیرہ میں بھی ان کے اکثر مضامین شائع ہوئے - اسی زمانے میں مولوی محمد زکریا صاحب سہارنپور سے بستی میں محکمہ انجینری میں مقرر ہو کر آئے اور چونکہ مولوی صاحب کے تعلقات ان سے اور اُن کے خاندان سے قدیم تھے لہذا دونو صاحب ایک ہی جگہ رہنے سہنے لگے - کچھ دنوں بعد مولوی محمد زکریا صاحب بستی کی خدمت سے مستعفی ہو کر لکھنؤ چلے گئے اور وہاں اُن کا ایک اچھی خدمت پر تقرر ہو گیا وہاں سے انہوں نے مولوی چراغ علی کو اطلاع دی کہ آپکے والد کے محسن مسٹر گور اوسلی یہاں جوڈیشل کمشنر ہیں - اگر آپ یہاں آئیں اور ان سے

ملیں تو اغلب ہے کہ کوئی معقول خدمت مل جائے۔ چنانچہ اس اطلاع پر غالباً ۱۸۷۲ء یا ۱۸۷۳ء میں مولوی چراغ علی لکھنؤ گئے اور مسٹر گور اسلی سے ملے۔ اتفاق سے اس وقت جوڈیشل کمشنری میں عارضی طور پر ڈپٹی منصرمی کی جگہ خالی تھی لہٰذا اس وقت اُن کا تقرر اسی خدمت پر بمشاہرہ ۱۵۰ہو گیا۔ کچھ دنوں بطور قائم مقام رہے بعد میں مستقل ہو گئے تھوڑے عرصہ کے بعد سیتاپور میں تبادلہ ہو گیا۔

مولوی چراغ علی کا میلان طبع شروع سے مذہب کی طرف تھا انہوں نے ہمیشہ یا تو عیسائی معترضین کے جواب لکھے یا مذہب اسلام کی حقّانیت ظاہر کی۔ چونکہ اس عالم کا یہ قانون ہے کہ قوی تر شئے اپنے سے کم قوی کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے اس لئے مولوی چراغ علی بھی خود بخود امام وقت کی طرف جُھکے۔ اور وحدت ذوق سر سید رح سے اُن کے تعارف کا باعث ہوئی۔ اگرچہ اب تک ملاقات کی نوبت نہیں آئی تھی لیکن معلوم ہوتا ہے کہ خط و کتابت شروع ہو گئی تھی۔ اور تہذیب الاخلاق میں بھی اُن کے بعض مضامین شائع ہوئے تھے۔ چنانچہ جب سر سید رح لکھنؤ تشریف لائے تو مولوی صاحب مرحوم اُن سے ملنے کے لئے سیتاپور سے لکھنؤ گئے۔ کچھ عرصہ بعد جب ریاست حیدر آباد سے کچھ کام ترجمہ وغیرہ کا سر سید رح کے پاس آیا تو اُنہوں نے مولوی چراغ علی کو اُس کام کے سرانجام دینے کے لئے منتخب کیا۔ اس بناء پر ۱۸۷۶ء میں مولوی چراغ علی رخصت لیکر علی گڑھ گئے اور کئی مہینے سر سید رح کے پاس رہ کر اس کام کو بکمال خوبی انجام دیا۔ جس کا معاوضہ بھی ریاست سے اُن کو ملا۔ اس کے ایک سال بعد (۱۸۷۷ء) میں نواب سر سالار جنگ اعظم نے بتوسط مولوی مہدی علی (نواب محسن الملک) مرحوم سر سید رح سے ایک لائق شخص طلب کیا۔ سر سید رح نے مولوی چراغ علی کو منتخب کیا اور وہ حیدر آباد چلے آئے۔ جہاں وہ عہدۂ اسسٹنٹ ریونیو سکرٹری (مددگار معتمد مالگزاری) پر بمشاہرہ چار سَو روپیہ مامور ہوئے۔ معتمد مالگزاری اس وقت نواب محسن الملک مولوی مہدی علی مرحوم

تھے۔اس وقت سے مولوی چراغ علی کی زندگی کا نیا دَور شروع ہوا۔

کسی ملک یا کسی قوم میں طبعی طور سے اعلےٰ قابلیت کا ہونا بالکل ممکن ہے لیکن اگر وہ تعصب یا کسی اَور وجہ سے اپنے آپ کو بیرونی اثر سے الگ اور محفوظ رکھنا چاہے گی اور صرف اپنے اندرونی وسائل اور ذرائع سے بڑھنے کی کوشش کرے گی تو اُس کی ترقی شاہراہ تمدن پر بہت سست ہوگی۔ دنیا میں کسی قوم کی ایسی مثال نہیں ملتی کہ اس نے بیرونی وسائل سے فائدہ اُٹھائے بغیر دنیا میں اعلےٰ ترقی کی ہو۔ ابتدا ابتدا میں مسلمانوں کی فتوحات اپنی ذاتی قوت سے دنیا میں آناً فاناً میں پھیل گئی لیکن ان فتوحات کو قائم رکھنے یا وسیع کرنے کے لئے یہی کافی نہ تھا۔ پھر جب اُنہوں نے عجم میں قدم رکھا اور امن و جنگ۔ تجارت وسفارت کے ذریعہ سے انہیں روزانہ دوسری اقوام سے سابقہ پڑا تو اُس وقت سے اُن کی ترقی کی بنیاد مستحکم ہونے لگی۔ آخرانہی لوگوں نے یونان کی علم و حکمت کو زندہ کیا اور تمدن میں ایسی ترقی کی کہ جس سے ایک عالم میں اُجالا ہوگیا۔یہی حال یونان و روما اور یورپ و دیگر اقوام کی ترقی کا ہے۔تازہ مثال جاپان کی ہے۔وہی جاپان جو اپنے آپ کو غیر ملک والوں کی ہوا تک نہیں لگنے دیتا تھا اور غیر صورت کو دیکھ کر چونک اُٹھتا تھا آج اُنہیں سے اُن کے گُر سیکھ کر اُن کا اُستاد بنا چاہتا ہے۔اہل جاپان کی ترقی کا ایک راز یہ بھی ہے کہ جو کام وہ خود نہیں کرسکتے تھے وہ اُنہوں نے غیر ملک والوں سے ملازم رکھ کر لیا اور پھر خود سیکھ کر اُن کی معلمی سے مستغنی ہوگئے۔چنانچہ ابتدا میں انہوں نے ریلوے۔ٹیلیگراف۔ لائٹ ہوس اور بحری فوج کا انتظام انگریزوں کے سپرد کیا۔قانونی اصلاح اور فوجی تربیت اہل فرانس کے ہاتھوں ہوئی تعلیمی معاملات۔ڈاکخانہ کے انتظام اور زراعت میں اہل امریکہ سے سبق لیا۔طبی تعلیم۔ تجارتی قواعد۔ لوکل گورنمنٹ کا دستور اور فوجی افسروں کی تعلیم جرمن والوں کے حوالہ کی اور سنگ تراشی (مصوری) میں اٹلی والوں کے سامنے زانوئے شاگردی تہ کیا۔غرض ابتدا میں ان سب سے کام لیا اور پھر خود سیکھ کر

ان میں ایسا کمال پیدا کیا کہ آج دنیا کی اعلےٰ دول میں ان کا شمار ہے۔ یہ زمانہ جرب کا زمانہ ہے اور جاپان نے جو تمدن کی مختلف اور بے شمار شاخوں میں اس قدر جلد اور قابل تعریف ترقی کی ہے اسے اگر اُنیسویں صدی کا اعجاز کہا جائے تو کچھ بیجا نہیں ہے۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ سر سالار جنگ اول کی تدبیر اور چارہ سازی اور جاپان کی بیداری کا بالکل ایک زمانہ تھا۔ جاپان نے اپنے ملک کو ہُشیار کرنے اور اپنے تمدن کی اصلاح و ترقی کے لئے جو تدبیر اختیار کی تھی بعینہ وہی تدبیر اُس دوربین اور عالی دماغ وزیر نے اس ملک میں اختیار کی اور باہر سے قابل۔ تجربہ کار اور شایستہ لوگوں کو بلا کر کام لیا۔ ان لوگوں نے ملک کے انتظامات کو درست کیا۔ پُرانی خرابیوں کی اصلاح کی، نئے نئے دفاتر قائم کئے اور اُن کو صحیح اصول پر چلایا۔ ملک کے ذرائع آمدنی پر غور کیا۔ اور آمدنی کو بڑھایا۔ تعلیم کو رونق دی، تہذیب وشایستگی پھیلائی، اور ملک اور گورنمنٹ کو خاصا مہذّب اور شایستہ بنا دیا۔ لیکن کیا وجہ ہے کہ جاپان اس عرصہ میں کہیں سے کہیں پہنچ گیا اور یہ ملک وہیں کا وہیں ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بیرونی امداد بڑی کار آمد اور مفید چیز ہے بشرطیکہ دلوں میں شوق اور جوش اور ہمت ہو۔ لیکن اگر کوئی یہ چاہے کہ ہم کچھ نہ کریں اور ہمارے لئے سب کچھ ہوتا چلا جائے تو یہ محض خیال بلکہ جنون ہے۔ اہل جاپان میں حبّ وطنی کوٹ کوٹ کے بھری تھی اور ہر جاپانی اس شد و مد اور جوش سے کام کرتا تھا کہ گویا ساری سلطنت کا بار اسی کے سر پر پڑنے والا ہے، اور ہر شخص کی دلی آرزو یہ تھی اور اسی خیال سے محنت کرتا تھا کہ وہ سارے عالم میں جاپان کی دھاک بٹھا دے اور طرفۃ العین میں اُسے عروس الممالک بنا دے۔ برخلاف اس کے یہاں یہ باتیں ابھی خواب و خیال سے بھی کوسوں دور ہیں۔ دفاتر اور ہر قسم کے سر رشتے جو ایک مہذب ملک میں ہونے چاہئیں یہاں بھی موجود ہیں۔ کونسلیں ہیں، کمیٹیاں ہیں، قابل سے قابل ڈگری یافتہ افسر بھی ہیں۔ کمیٹیاں ہوتی ہیں، تجویزیں پیش

ہوتی ہیں، رزولیوشن پاس ہوتے ہیں، نئی نئی اسکیمیں جاری ہوتی ہیں، روپیہ وصول ہوتا ہے، ذرائع آمدنی بھی سوچے جاتے ہیں، رپورٹیں بھی لکھی جاتی ہیں، یہ سب کچھ ہوتا ہے لیکن حیات کا نام نہیں۔

سر سالار جنگ نے اس تدبیر کے ساتھ بڑی دانشمندی یہ کی تھی کہ ابتدا میں انہوں نے قابل لوگوں کو سر سید رح سے طلب کیا۔ یہ وہ عالی دماغ شخص سرزمین ہندوستان میں ایسے پیدا ہوئے ہیں کہ اُنیسویں صدی کے مسلمان اُن پر جس قدر فخر کریں وہ بجا ہے۔ اور ایسے وقت میں ہوئے جبکہ موقع بہت نازک ہو چلا تھا۔ سر سید رح کے انتخاب اور سر سالار جنگ مرحوم کی قدردانی اور کارفرمائی نے سونے میں سہاگے کا کام کیا۔ اس طرح جو لوگ انتخاب کئے گئے انہوں نے اپنے فرائض کمال وفاداری اور قابلیت سے ادا کئے۔ اور وہ ہمیشہ عزّت و حرمت کے ساتھ یاد کئے جائیں گے۔ اُنہیں میں سے ایک مولوی چراغ علی مرحوم بھی تھے *

ابتدا میں مولوی چراغ علی کا تقرر مددگاری معتمدی مالگزاری پر بمشاہرہ چار سو روپیہ ماہانہ ہوا۔ مگر کچھ عرصے کے بعد سات سو روپیہ ہو گئے۔ بعد ازاں عہد وزارت نواب عماد السلطنة مرحوم میں جب نواب محسن الملک مرحوم معتمد پولٹیکل و فینانس مقرر ہوے تو مولوی چراغ علی کا تقرر معتمدی مالگزاری پر بمشاہرہ پندرہ سو روپیہ ہوا۔ عہد وزارت سر آسماں جاہ بہادر مرحوم میں جب کہ بمصالح وقت مولوی مشتاق حسین (نواب وقار الملک) معتمد مالگزاری مقرر ہوئے، تو مولوی چراغ علی صوبہ داری ورنگل پر مامور ہوئے اور پھر صوبہ داری گلبرگہ پر تبادلہ ہو گیا۔ دو سال بعد نواب محسن الملک مرحوم کے چلے جانے پر معتمد مال و فینانس مقرر ہوئے *

غالباً مولوی چراغ علی سے بڑھ کر کسی شخص نے سرکاری کام کو اس طرح بے لاگ، بے تعلق اور بے لوث رہ کر انجام نہ دیا ہوگا۔ وہ رعایت اور جانب داری جانتے ہی نہ

تھے۔ معاملات میں وہ یہ بالکل بھول جاتے تھے کہ اُن کا تعلق کسی انسان سے ہے۔ صرف واقعات اُن کے پیش نظر رہتے تھے اور انہیں پر سے وہ بلا رُو و رعایت فیصلہ کرتے تھے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اہلِ حیدرآباد جو ان باتوں کے عادی نہیں اُن سے کبھی خوش نہیں رہے۔ وہ روزانہ سوائے اہم امور کے بہت کم کام کرتے تھے۔ جب کام بہت سا جمع ہو جاتا تھا تو دو تین روز جم کر کام کرتے تھے اور سب کو ایک ہی دفعہ ختم کر دیتے تھے۔ وہ کبھی طول طویل فیصلہ نہیں کرتے تھے۔ بڑی بڑی ضخیم مِسلوں اور مدتوں کے پیچیدہ معاملات کو چند سطروں میں سلجھا دیتے تھے اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا معاملے کی جان نکال کر رکھ دی ہے۔ اُن کی تحریر جامع و مانع اور حشو و زوائد سے پاک ہوتی تھی اور یہی حال اُن کا تمام تصانیف کا ہے۔ لفظ اشد ضروری سے انہیں سخت چڑ تھی، اور اس قسم کے جو مراسلات آتے وہ انہیں اُلٹا کے پھینک دیتے تھے۔ اُن کا خیال تھا کہ لوگ سمجھتے سمجھاتے خاک نہیں، خواہ مخواہ مراسلات پر اشد ضروری لکھ دیتے ہیں۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ مولوی صاحب مرحوم نے لکڑی کا ایک صندوق بنا رکھا تھا، جو اشد ضروری لفافہ آتا وہ اس میں بے پڑھے ڈال دیتے تھے۔ ایک بار مدار المہام بہادر کے ہاں کمیٹی تھی، اُس میں اُن کے بعض ہمعصر و ہم رُتبہ معزز عہدہ داروں نے مدار المہام بہادر کے سامنے مولوی صاحب سے شکایت کی کہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ تالیف و تصنیف میں مصروف رہتے ہیں یا سوتے رہتے ہیں کہ ہمارے ضروری اور اشد ضروری مراسلات کا بھی جواب نہیں دیتے۔ مولوی صاحب نے کہا ذرا تامّل فرمائیے، میں اس کا جواب دیتا ہوں۔ آدمی سے کہا وہ صندوق لاؤ۔ صندوق آیا اور انہوں نے مدار المہام بہادر سے مخاطب ہو کر کہا کہ سرکار دیکھئے ان صاحبوں کے تمام اشد ضروری لفافے اس میں موجود ہیں۔ میں نے ان میں سے ایک لفافہ بھی نہیں کھولا، سب کے سب بند پڑے ہیں۔ اب میں ان میں سے کوئی سا ایک اُٹھا لیتا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے ان میں سے

ایک لفافہ اُٹھالیا، اُسے کھولا تو اُس میں یہ لکھا تھا کہ فلاں تختہ بھیج دیا جائے۔ مراسلہ پڑھ کر سُنانے کے بعد مدار المہام سے عرض کی کہ اس کا اب آپ ہی انصاف فرمائیے کہ یہ کونسا اشد ضروری کام تھا۔ یہ لوگ اشد ضروری کے معنے نہیں سمجھتے اور خواہ مخواہ لفافوں پر اشد ضروری لکھ دیتے ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ میں جواب نہیں دیتا۔ پھر فرمایا کہ شاید سال بھر میں دو تین ہی دفعہ اشد ضروری پیش آتے ہوں گے۔ ان حضرات نے ہر ایک بات کو اشد ضروری خیال کر لیا ہے ؎

مولوی طالب الحق صاحب مددگار صدر محاسب جو سرکار عالی کے ایک نہایت متدین، قابل اور تجربہ کار عہدہ دار ہیں اور سر سالار جنگ مرحوم کے زمانے سے اب تک مختلف عہدوں پر رہے ہیں اور خود بھی مولوی چراغ علی مرحوم کے تحت میں کام کر چکے ہیں، فرماتے ہیں کہ اگرچہ مجھے سرکار عالی میں ایسے ایسے عہدہ داروں کے ساتھ کام کرنے کا سابقہ ہوا ہے جو اپنے اپنے کمال اور خصوصیات کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ تھے، لیکن مرحوم میں بعض ایسی خصوصیات تھیں کہ پھر کسی میں نظر نہ آئیں۔ وہ نہایت مستقل مزاج تھے، بڑی غور و خوض کے بعد رائے قائم کرتے، اور رائے قائم کرنے کے بعد پھر اس سے کبھی نہ ٹلتے تھے، گویا وہ رائے پتھر کی لکیر ہوتی تھی۔ مولوی صاحب موصوف نے راقم سے ایک خاص معاملے کے متعلق ذکر کر کے فرمایا (اور اُس کی مسل کا بھی حوالہ دیا) کہ مرحوم کی زمانۂ مددگاری میں سر سالار جنگ مرحوم نے مولوی صاحب مرحوم کی رائے سے اس میں اختلاف کیا اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ ان کا رجحان معتمد (نواب محسن الملک مرحوم) کی رائے کی طرف ہے۔ اور مولوی صاحب مرحوم کی رائے پر چند سوالات کئے۔ مرحوم نے نہایت مدلّل جواب دیا۔ اس پر کچھ سر سالار جنگ مرحوم نے اعتراض اور سوال کئے، ادھر سے پھر اس کا جواب ادا کیا گیا۔ کوئی چار پانچ مرتبے ایسے ہی سوال و جواب ہوئے، اور آخر نواب مدار المہام بہادر مرحوم قائل ہو گئے

اور یہ تحریر فرمایا کہ میں دیکھتا تھا کہ آپ اپنی رائے کے متعلق کیا دلائل رکھتے ہیں اور بیشک آپ کی رائے صحیح اور درست ہے۔ اگرچہ بہت کم باتیں کرتے تھے مگر معاملات میں خوب گفتگو کرتے تھے۔ لیکن اس میں بھی کوئی لفظ زائد اور فضول نہیں کہتے تھے اور اُن کا جملہ اکثر دو تین یا ایک دو لفظ سے زیادہ کا نہیں ہوتا تھا۔ صرف کام کے ایک دو لفظ کہہ دیتے تھے جس سے مافی الضمیر ادا ہو جائے۔ جب کسی مسودے میں کچھ بنا دیتے تو گویا ساری تحریر میں جان ڈال دیتے تھے۔ نہایت تیز فہم اور صائب الرائے تھے ؛

جناب مولوی سید علی حسن خاں بہادر سابق معتمد فینانس و حال وزیر جاورہ جو مولوی چراغ علی مرحوم کے بہترین جانشین ہوئے اور بوجہ اپنی اعلےٰ قابلیت تدیّن، تجربہ کاری، عالی ظرفی اور راستی و راست بازی کے ہماری قوم کے بے مثل افراد میں سے ہیں راقم سے فرماتے تھے کہ ایک بار نواب سر وقار الامرا بہادر مرحوم فرمانے لگے کہ مولوی چراغ علی بھی عجیب و غریب آدمی تھے۔ اور اس کے بعد اُنہوں نے ایک پارسی جنٹلمین کا واقعہ بیان کیا جسے وظیفہ رعایتی یا رقم دینے کے متعلق نواب صاحب مرحوم نے حکم دیا تھا۔ مولوی چراغ علی مرحوم نے معاملہ کو ڈال رکھا تھا۔ اُس نے آکر نواب صاحب سے شکایت کی کہ معتمد صاحب کچھ تصفیہ نہیں کرتے اور معاملہ کو ڈال رکھا ہے۔ نواب صاحب نے پھر حکم لکھا۔ مولوی صاحب مرحوم پھر چُپ سادھ گئے۔ اس نے کچھ عرصہ کے بعد پھر شکایت کی۔ نواب صاحب نے پھر لکھا، مگر مولوی صاحب مرحوم ٹس سے مس نہ ہوئے۔ بیچارہ سائل کچھ دنوں تک اپنے معاملہ میں تگ و دو کرتا رہا۔ لیکن جب دیکھا کہ یہاں دال گلتی نظر نہیں آتی تو پریشان ہو کر پھر نواب صاحب مرحوم کی خدمت میں حاضر ہوا اور رو یا دھویا نواب صاحب مرحوم جو مروّت کے پُتلے تھے فرمانے لگے کہ اچھا جب مولوی چراغ علی

یہاں آئیں تو ہمیں یاد دلا دینا۔ غرض وہ تاک میں رہا جس روز مولوی صاحب بارگاہ وزارت میں حاضر ہوئے تو اس نے یاد دہانی کرائی۔ نواب صاحب نے مولوی صاحب سے دریافت کیا کہ میں نے فلاں معاملہ میں آپ کو تین بار حکم دیا، مگر آپ نے اب تک اُس میں کچھ نہ کیا۔ مولوی صاحب نے اُس کا کچھ جواب نہ دیا اور مسل صندوق میں سے نکال کر سامنے رکھ دی۔ نواب صاحب نے کسی قدر جھنجھلا کے کہا کہ میں مسل کو کیا کروں آپ کو کئی بار لکھا گیا ہے اور آپ نے اب تک ہمارے حکم کی تعمیل نہیں کی۔ مولوی صاحب نے اُس کے جواب میں فرمایا کہ "آپ اس لئے وزیر نہیں بنائے گئے کہ سرکار کا خزانہ لُٹا دیں۔ آپ کا کام خزانہ کی حفاظت ہے"۔ یہ جواب سن کر نواب صاحب مرحوم بالکل ساکت رہے، اور پھر کبھی آپ نے مولوی صاحب سے اس معاملہ کے متعلق تحریک نہیں کی۔ یہ واقعہ خود نواب سر وقار الامرا بہادر مرحوم کی زبانی ہے۔ اور حق یہ ہے کہ سوائے مولوی چراغ علی کے کوئی دوسرا شخص یہ جواب نہیں دے سکتا تھا۔ اس سے اُن کی اخلاقی جُرات اور راست بازی کا پورا اندازہ ہو سکتا ہے۔

مولوی سید علی حسن صاحب یہ بھی فرماتے تھے کہ اضلاع پر سے جو تختے (گوشوارے) آتے تھے اور اُن پر جو مولوی صاحب مرحوم تنقیح کرتے تھے اس سے اُن کی دقت نظر اور اعلےٰ درجہ کی ذہانت معلوم ہوتی تھی۔ جو عہدہ دار کہ بڑے بڑے دورے کرتے ہر معاملہ کی چھان بین کرتے اور انتظامی معاملات میں باخبر رہتے تھے، اُن سے تعلقدار لوگ اتنا نہیں ڈرتے تھے، جتنا مولوی چراغ علی مرحوم کی گھر بیٹھے تختوں کی تنقیح سے مطالعہ میں بے حد شغف تھا۔ گویا یہی اُن کا اوڑھنا بچھونا تھا یہاں تک کہ کھانا کھاتے وقت بھی کتاب سامنے رہتی تھی، اور وقتاً فوقتاً نشان کرتے جاتے تھے۔ اور انتہا ہے کہ بیت الخلا میں بھی کتابیں رہتی تھیں، اور وہاں بھی پڑھنے سے نہیں

چونکہ تھے۔ رات کو تین چار گھنٹے سے زیادہ نہیں سوتے تھے۔ آرام کرسی پر پڑھتے پڑھتے سو گئے، اس کے بعد پلنگ پر جا لیٹے اور پڑھنے لگے اتنے میں سو گئے۔ کچھ دیر کے بعد میز پر جا کر لکھنے لگے۔ مسٹر محبوب علی (سپرنٹنڈنٹ مدرسہ حرفت و صنعت اورنگ آباد فرزند مرحوم) اپنی والدہ کی زبانی یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ فرماتی تھیں کہ میری ایک ڈیوٹی یہ بھی تھی کہ رات کو اُن کے سینے پر سے کتاب اُٹھا کے رکھوں، ورنہ کتاب کے جلد پٹھے سب ٹوٹ کے رہ جاتے۔ تین چار گھنٹے سونے میں اور ایک آدھ گھنٹہ ہوا خوری میں تو البتہ جاتا تھا ورنہ باقی تمام وقت کام میں اور خاص کر مطالعۂ کتب اور تالیف و تصنیف میں صرف ہوتا۔ کتابوں کا بہت شوق تھا اور بہت سی عمدہ عمدہ کتابیں جمع کی تھیں۔ اُن کا کُتب خانہ قابل دید تھا، اور اُس میں بہت کم ایسی کتابیں تھیں جو اُن کی نظر سے نہ گزری ہوں، یا جن پر اُن کے نشان یا نوٹ نہ ہوں۔ مطالعہ میں اُنہیں ایسی محویت رہتی تھی کہ کچھ ہو جائے اُنہیں خبر تک نہ ہوتی تھی۔ مولوی سید تصدق حسین صاحب مہتمم کتب خانہ آصفیہ کو جو بہت با وضع اور ہمدرد بزرگ ہیں، علاوہ قدیم تعلقات کے ایک مدت تک شب و روز مرحوم کی صحبت میں رہنے کا اتفاق ہوا ہے، مرحوم کے ملازم کلّو کی زبانی فرماتے تھے کہ بلدہ میں مرحوم کا جو بنگلہ ہے اُس میں ڈرائنگ روم کے سامنے ایک شہ نشین ہے۔ اُس کے نیچے تہ خانہ بنا ہوا ہے جس میں کاٹھ کباڑ اور ڈھیرے خیمے پڑے رہتے تھے۔ ایک روز مولوی صاحب مرحوم اس شہ نشین پر بیٹھے کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے کہ اتفاق سے تہ خانہ میں آگ لگ گئی اور دھواں نکلنا شروع ہوا۔ ملازموں نے بہتیرا شور و غل مچایا کہ آگ لگی۔ مگر حضرت کو کچھ خبر نہیں۔ غرض آگ لگی اور بجھ بھی گئی، مگر آپ جس طرح کتاب پڑھ رہے تھے پڑھتے رہے اور یہ بھی تو خبر نہ ہوئی کہ کیا تھا اور کیا ہوا۔ مولوی انوار الحق صاحب نے اپنی چشم دید واقعہ جو بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ مولوی صاحب مرحوم

کھانا کھا رہے تھے اور اس کے نیچے تہ خانہ میں آگ لگ گئی اور وہ اسی طرح بے تکلف بے ہراس کھانا کھاتے رہے۔ یا تو یہ دونو واقعے ایک ہیں یا کلّو کے بیان کرنے میں غلطی ہو گئی ہے۔ مگر دونوں کی نوعیت ایک ہے۔ اور اس سے اُن کی استقلال طبع کا بخوبی پتہ چلتا ہے۔ ایک دوسرا واقعہ اسی قسم کا ایک صاحب نے اپنی چشم دید بیان کیا ہے۔ کہ ایک مقام پر ٹانگہ میں سوار دورہ کر رہے تھے۔ رستے میں ٹانگہ ٹوٹ گیا۔ آپ اُسی میں پڑے پڑے کتاب کا مطالعہ کرتے رہے۔ لوگ گئے اور کسی دوسری جگہ سے ٹانگہ کا انتظام کیا اور لے کر آئے تو آپ اُس میں سوار ہو کر آگے بڑھے ؛

تحقیق و تفتیش کی چیٹک تھی۔ وہ جس مضمون کا خیال کرتے اُس کی تہ تک پہنچتے اور اُس کے ما لہ و ما علیہ کے سُراغ میں پتے پتے اور ڈالی ڈالی پھرتے، اور پتّال تک کی خبر لاتے۔ اپنی کتاب کے واسطے سامان جمع کرنے کے لئے کتابوں کے دفتر چھان ڈالتے، اور لوگوں کو بھیج کر مصر و شام و دیگر مقامات سے نایاب کتابیں تلاش کرا کر بہم پہنچاتے، چنانچہ اسی غرض سے مولوی عبد اللہ صاحب ٹونکی کو بغرض تلاش کتب مصر کو روانہ کیا تھا مولوی عبد اللہ صاحب مرحوم نے جو خط مرحوم کو مصر سے لکھا تھا وہ ہم نے خود دیکھا ہے، اور بعض اوقات ایسے ایسے مقامات سے خوشہ چینی کرتے جہاں دوسروں کا خیال بھی نہ پہنچتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جس مضمون پر اُنہوں نے قلم اُٹھایا دوسروں کے لئے بہت کم گنجایش چھوڑی ہے اُن کی تصانیف پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مطالعہ کس قدر وسیع تھا، اور مواد فراہم کرنے کے لئے اُنہوں نے کس قدر محنت اور مشقّت اُٹھائی ہے۔

مولوی مرزا مہدی خاں صاحب کوکب سابق اسسٹنٹ سکرٹری پولٹیکل فنانس و ناظم مردم شماری (اسوشئٹ رائل اسکول آف مائنز، فیلو آف دی جیولا

جیکل سوسائٹی وغیرہ وغیرہ) راقم سے فرماتے تھے کہ جب برٹش گورنمنٹ کی طرف سے ریاست میں مسٹر کرالی کے کنٹرولر جنرل مقرر ہونے کی خبر آئی تو چونکہ مولوی صاحب مرحوم فنانشل سکرٹری تھے، انہیں فکر ہوئی۔ آخر انہوں نے فنانس پر انگریزی میں جس قدر مستند اور اعلیٰ درجہ کی کتابیں تھیں سب منگوا لیں، اور اُن کا خوب مطالعہ کیا اور دو مہینہ میں اس قدر عبور حاصل کیا کہ جب مسٹر کرالی سے ملاقات ہوئی، اور فنانشل معاملات پر گفتگو آئی تو وہ مولوی صاحب کے وسیع معلومات کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔

اسی طرح جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ ہندی موسیقی پر یورپین لوگوں کو اعتراض ہے۔ تو اُنہوں نے اسے سیکھنا شروع کیا۔ اور پیانو پر گتیں نکالنی شروع کیں۔ اُن کا ارادہ تھا کہ ہندی موسیقی کو سائنٹفک طور پر مدوّن کریں۔ چنانچہ لکھنا بھی شروع کیا تھا اور اس کا ناتمام سا مسودہ اب بھی موجود ہے۔ لیکن اس کام کے لئے بڑی فرصت درکار تھی لہذا اُسے انجام نہ دے سکے۔ علم ہیئت میں بھی اُنہیں خوب دخل تھا۔

متعدد علوم اور کئی زبانوں کے عالم تھے۔ چنانچہ سرسید رح اُن کی وفات کے حال میں لکھتے ہیں "متعدد علوم میں نہایت دستگاہ رکھتے تھے؛ عربی زبان و عربی علوم کے عالم تھے؛ فارسی نہایت عمدہ جانتے تھے اور بولتے تھے؛ عربی و کالڈی زبان میں اچھی دستگاہ رکھتے تھے، لیٹن اور گریک بقدر کارروائی جانتے تھے، اعلےٰ درجہ کے مصنف تھے، انگریزی زبان میں بھی اُنہوں نے تصنیفیں کی ہیں،، زیادہ تر اُن کی تصانیف انگریزی زبان میں ہیں جن کا مفصل ذکر اُن کی مذہبی تصانیف میں آگے چل کر بیان کیا جائیگا۔ لیکن یہاں اس قدر بیان کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ اُن کی ابتدائی تعلیم خاص کر انگریزی زبان میں بہت کم ہوئی تھی لیکن اُنہوں نے صرف اپنے مطالعہ کے زور سے انگریزی زبان میں بہت اچھی مہارت

اور دستگاہ حاصل کرلی تھی۔ یہ صرف ہم اُن کی مطبوعہ کتب کو ہی دیکھ کر نہیں کہتے بلکہ ہم نے اُن کے ہاتھ کے لکھے ہوئے مسودے بھی دیکھے ہیں۔ اُن کی انگریزی کتابوں پر ہندوستان اور انگلستان کے اخبارات نے جو زبردست ریویو کئے ہیں اُن میں اُنکی انگریزی تحریر کی بھی تعریف ہے۔ ہم بطور نمونہ یہاں ایک دو ریویوؤں سے صرف اُن کی انگریزی دانی کے متعلق چند فقرے نقل کرتے ہیں :-

اَتھینیم نے جو انگلستان کا ایک مشہور پرچہ ہے اور جس کی ادبی تنقید کی دھوم ہے ان کی کتاب زیر دیباچہ پر ایک بڑا ریویو لکھا ہے اور لکھتا ہے کہ "مولوی صاحب کی انگریزی قابل قدر ہے"۔ (بابت ۵ جنوری ۱۸۸۴ء)۔

بمبئی گزٹ جو بمبئی پریسیڈنسی کا بہت قابل قدر اخبار ہے لکھتا ہے کہ "یہ کتاب نہایت عمدہ انگریزی میں لکھی گئی ہے (بمبئی گزٹ بابت ۲۱ جولائی ۱۸۸۳ء)۔

جنرل آف دی انجمن پنجاب نے دو نمبروں میں اس کتاب پر بہت بڑا ریویو لکھا ہے اور اُس میں لکھتا ہے کہ "مصنف کو انگریزی زبان پر بہت بڑی قدرت حاصل ہے اور وہ شرع و مذہب اسلام کا بڑا عالم ہے"۔

مولوی انوار الحق صاحب فرماتے ہیں کہ انہوں نے اپنی آنکھ سے سید محمود مرحوم کا خط مولوی چراغ علی کے نام دیکھا جس میں سید محمود مرحوم نے مولوی صاحب کے وسیع معلومات اور ان کی انگریزی دانی اور انگریزی تحریر کی بڑی تعریف کی تھی۔

علاوہ مذہبی تصانیف کے جن کا ذکر مفصل طور پر الگ کیا جائے گا یہاں اُنکی بعض اُن تالیفات کا ذکر کیا جاتا ہے جو انہوں نے سرکاری تعلق اور حیثیت سے لکھیں یہ سب انگریزی زبان میں ہیں۔

(۱)۔ بجٹ (موازنہ) سب سے اول مولوی چراغ علی مرحوم نے تیار کیا۔ اگرچہ موازنہ اب کچھ کا کچھ ہوگیا ہے اور خاصہ ایک دفتر ہے۔ لیکن بعض اہل الرائے کا یہ

قول ہے کہ جو اختصار اور صفائی اُس موزانہ میں پائی جاتی ہے وہ موجودہ موزانہ میں نہیں۔ اگرچہ اس میں شک نہیں کہ آج کل موازنہ کی ترتیب میں بہت کچھ ترقی ہوئی ہے لیکن بفحوائے الفضل للمتقدم فضیلت کی دستار مولوی صاحب مرحوم ہی کے سر رہے گی۔

(۲) اڈمنسٹریشن رپورٹ (رپورٹ نظم ونسق) بابت ۱۸۸۴و۸۵ء لکھی جو چھ سو سینتیس ۶۳۷ بڑے بڑے صفحوں پر ہے۔ اس قسم کی پہلی رپورٹ ہے۔ اور بعد ازاں جتنی رپورٹیں لکھی گئیں وہ سب اسی کی پیروی میں لکھی گئیں۔

(۳) حیدرآباد (دکن) انڈر سر سالار جنگ۔ یہ کتاب چار ضخیم جلدوں میں ہے اور ریاست کی انتظامی حیثیت سے نہایت قابل قدر اور بے مثل کتاب ہے۔ مولوی صاحب مرحوم نے اس کے لکھنے میں بڑی محنت اور جان کاہی سے کام لیا ہے۔ اگرچہ زیادہ تر بحث اس میں اُن تمام انتظامات اور اصلاحات سے ہے جو سر سالار جنگ اعظم کے عہد میں عمل میں آئیں۔ لیکن جس انتظام اور صیغے پر اُنہوں نے قلم اُٹھایا ہے، اُسے ابتدا سے لیا ہے اور اُس کی اصل، تغیّرات، وجہ تسمیہ اور تاریخی حیثیت وغیرہ کو محققانہ طور سے بیان کیا ہے اور اُس کے متعلق تمام مواد اور اعداد کو گوشواروں کی صورت میں مہیّا کر دیا ہے۔ علاوہ اس تاریخی اور انتظامی حیثیت کے ساتھ ساتھ ممالک محروسہ سرکار عالی کا مقابلہ آس پاس کے صوبہ جات سے بھی کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کتاب کو پڑھے بغیر کوئی شخص حیدرآباد کی گزشتہ اور موجودہ حالت انتظامی سے پورا واقف نہیں ہو سکتا۔ خصوصاً جن لوگوں کے ہاتھ میں انتظام کی باگ ہے، انہیں اس کتاب کا مطالعہ کرنا بہت ضروری بلکہ لازمی و لابدّ ہے۔ اس کتاب کو مولوی صاحب مرحوم نے نواب سر سالار جنگ کے نام سے معنون کیا ہے۔ اگرچہ کتاب نواب صاحب مرحوم کے زمانہ میں آپ کی اجازت سے لکھنی اور چھپنی شروع

ہوگئی تھی، لیکن افسوس ہے کہ وہ اس کے اختتام سے قبل راہی ملک بقا ہوگئے بعد میں فاضل مؤلّف نے اپنی احسانمندی کے اظہار میں نواب مرحوم کے نام سے اُسے منسوب کیا۔ انگریزی اخبارات نے اس پر بہت عمدہ عمدہ ریویو کئے ہیں اور فاضل مؤلّف کی محنت و تحقیق کی داد دی ہے۔ چنانچہ بمبئی گزٹ اپنے نمبر مورخہ ۴ اکتوبر ۱۸۸۴ء میں اس کتاب پر ریویو کرتے ہوئے لکھتا ہے :۔

"مولوی چراغ علی نے اپنی کتاب کے تاریخی اور اعدادی حصہ میں بڑی محنت اور احتیاط "صرف کی ہے۔ لیکن سب سے دلچسپ وہ حصہ ہے جس میں موجودہ نظم و نسق کی کیفیت درج ہے اس "میں منجسس ناظرین اُن مختلف محکموں اور سررشتوں کے طرز عمل اور حقیقت کو دیکھیں گے جو سر سالار "جنگ کی بدولت ایسے وقت میں ظہور میں آئے جبکہ بے عنوانی اور بے ترتیبی پھیلی ہوئی تھی اور "اُنہوں نے نظم و ترتیب کی صورت قائم کی"۔

اسی طرح اُس وقت کے رزیڈنٹ مسٹر کارڈری نے اپنے خط مورخہ ۷۔ اکتوبر ۱۸۸۴ء میں جو مولوی صاحب مرحوم کے نام ہے اس کتاب کی بہت تعریف لکھی ہے۔

اسی کا ایک ضمیمہ صرف خاص انڈر سر سالار جنگ ہے۔ جن میں اُن اصلاحات و ترقیات کا ذکر ہے جو سر سالار جنگ کی تدبیر و دانشمندی سے علاقہ صرف خاص میں عمل میں آئیں۔

(۴) جاگیرات و جاگیرداران۔ افسوس یہ کتاب ناتمام رہ گئی۔ مولوی صاحب کا ارادہ تھا کہ اس میں تمام جاگیرداران ممالک محروسہ سرکار عالی کی اصل اور تاریخ، اُن کا رقبہ اور آمدنی، پیداوار، حرفت و صنعت، اور دیگر تمام دلچسپ اور مفصّل حالات درج کریں۔ لیکن اس کے لئے اُنہیں مواد بہم پہنچانے میں بہت دقّت پیش آئی یہاں کے جاگیردار صاحبان مولوی صاحب کے اس کام کو غالباً شبُہ کی نظر سے دیکھتے تھے، اور مُراسلوں کے جواب میں حوصلہ شکن تساہل سے کام لیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مرحوم کی زندگی میں یہ کتاب ختم نہ ہونے پائی۔ اور اُن کے بعد جو لوگ عُہدۂ

فنانشل سکرٹری بیرا ُن کے جانشین ہوئے۔ اُن میں سے نہ کسی کو اس سے دلچسپی تھی اور نہ اتنی فرصت کہ اس کام کو انجام تک پہنچاتا۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ اگر یہ کتاب لکھی جاتی تو نہ صرف دلچسپ ہوتی بلکہ بہت سی عمدہ معلومات کا خزانہ ہوتا جو گورنمنٹ اور ملک دونو کے لئے مفید ہوتا۔

غرض مولوی چراغ علی مرحوم نہ صرف بحیثیت ایک مصنف کے بلکہ بحیثیت ایک عام انسان کے بھی ایک عجیب وغریب شخص تھے، اور یہی وجہ ہے کہ ان کی نسبت رائے قائم کرنے میں اکثر لوگوں کو مغالطہ ہوا ہے۔ عموماً ہر شخص دوسرے سے اپنی طبیعت اور مزاج کے مطابق توقع رکھتا ہے، اور چونکہ وہ تقریباً ہر شخص سے جدا اور نرالی طبیعت رکھتے تھے اس لئے بہت کم لوگ ایسے تھے جو اُن کی صحیح طور پر قدر کر سکتے تھے۔ مثلاً مولوی صاحب مرحوم ایک تو طبعاً خاموش طبع تھے دوسرے اُنہیں اپنے وقت کی قدر بہت تھی۔ وہ ایسی بیش بہا شئے کو فضول باتوں میں ضائع کرنا نہیں چاہتے تھے۔ چنانچہ اسی وجہ سے وہ عام طور پر لوگوں سے ملنے سے بہت گھبراتے تھے اور جو لوگ ملنے آتے تھے ان سے صرف کام کی بات کے سوائے دوسری بات نہیں کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ بہت جلد ملاقات ختم ہو جائے۔ اور جو کوئی خواہ مخواہ دیر لگاتا تھا اور نہیں ٹلتا تھا تو وہ بہت جز بز ہوتے تھے، کبھی اخبار اٹھالاتے، کبھی کتاب پڑھنے لگتے۔ عام طور پر بہت کم سخن تھے، بہت اختصار کے ساتھ اپنا مطلب ادا کرتے تھے، اور سوائے بعض ہم مذاق احباب کے کسی سے زیادہ باتیں نہیں کرتے تھے لیکن چھوٹے بچوّں سے بے تکلّف باتیں کرتے تھے اور اُن سے مزے مزے کے سوالات کرتے، اور اُن کے سوالوں کے جواب نہایت شرح وبسط اور خوبی کے ساتھ دیتے۔ مثلاً اگر کسی بچےّ نے کسی پودے کی نسبت پوچھا تو آپ پورا حال اس پودے کا اور پودوں کی نشوونما اور آب وہوا اور زمین

کے اثر کا بیان کر دیتے اور اُن چھوٹی چھوٹی مگر مشکل باتوں کو نہایت صفائی کے ساتھ سمجھاتے تھے۔ لیکن جب لڑکا سیانا ہو جاتا اور اس میں ادب و تمیز پیدا ہو جاتی تو پھر اس سے باتیں کرنا چھوڑ دیتے تھے۔ اور حقیقت بھی یہ ہے کہ چھوٹے بچوں میں جو بھولا پن، خیال کے ظاہر کرنے میں بے تکلفی اور سادگی، گفتگو میں بے ساختہ پن اور سب سے بڑھ کر جو مساوات ہوتی ہیں وہ بڑے ہو کر نہیں رہتی۔ بڑے ہو کر خیال کے ظاہر کرنے میں کچھ تو تصنع اور کچھ ادب اور لحاظ مانع ہوتا ہے، پھر وہ مساوات کا خیال بھی نہیں رہتا، خوردی و بزرگی کے خیالات پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ باتیں کرتے ہوئے چھوٹے بچے زیادہ پیارے ہوتے ہیں۔ اور اگر کوئی بتانے والا ہو تو اُس وقت انہیں بہت کچھ سکھا سکتا ہے۔ مولوی صاحب مرحوم اپنے دوستوں اور عزیز و اقربا سے بھی بہت سلوک کرتے تھے لیکن کبھی کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیتے تھے۔ روپیہ پیسہ کی بالکل محبت نہیں تھی بہت سیر چشم اور عالی ظرف واقع ہوئے تھے، نوکروں پر کبھی سختی نہیں کرتے تھے، نہ کبھی کسی معاملہ میں اُن سے باز پرس کرتے، اور نہ کبھی کوئی سخت کلمہ کہتے۔ بعض اوقات ایسا ہوا کہ کسی نوکر نے اُن کی کوئی عزیز یا بیش قیمت چیز توڑ ڈالی، مگر خفا ہونا تو درکنار انہوں نے پوچھا تک نہیں کہ کیونکر ٹوٹی اور کس نے توڑی۔ مولوی صاحب مرحوم کے بھتیجے مولوی محمد علی صاحب جو نیک سیرتی اور سادگی میں اپنے والد مرحوم اور چچاؤں کی سچی یادگار ہیں، راقم سے فرماتے تھے کہ رات کا کوئی وقت ایسا نہیں تھا کہ جب ہم نے انہیں کام کرتے ہوئے نہ دیکھا ہو۔ تھوڑی دیر سوئے، پھر اُٹھ کر لکھنے یا پڑھنے بیٹھ گئے، اور پھر سو گئے، اور اس کے بعد کیا دیکھتے ہیں کہ کسی دوسرے کمرے میں بیٹھے لکھ رہے ہیں یا پڑھ رہے ہیں۔ چونکہ ذیابیطس کی شکایت تھی، پانی زیادہ پیتے تھے، اور یوں بھی رات کے وقت وہ اکثر کام کرتے رہتے تھے لیکن

کبھی کسی نوکر کو نہ بُلاتے اور خود ہی سب کام کر لیتے تھے۔

غرض مولوی صاحب مرحوم ایک کم سخن، خاموش طبع، فلاسفر مزاج، کوہ وقار، عالی خیال شخص تھے کبھی اپنا وقت بیکار ضائع جانے نہیں دیتے تھے۔ ہر وقت مطالعہ یا غور و فکر یا لکھنے میں مصروف رہتے تھے۔ اور ایسے وقت میں کسی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے۔ یہی نہیں کہ بات چیت کم کرتے ہوں بلکہ فضول اور زائد باتوں سے انہیں طبعی نفرت تھی۔ یہ حال غیروں ہی سے نہ تھا بلکہ بیوی بچوں سے بھی یہی کیفیت تھی۔ سب کی سُن لیتے تھے مگر اپنی کچھ نہیں کہتے تھے، کبھی کسی سے مناظرہ اور بحث نہیں کرتے تھے، کوئی کچھ کہا کرے، انہیں جو کچھ کرنا ہوتا تھا کر گزرتے تھے۔

سب کی سُن لیتے ہیں لیکن اپنی کچھ کہتے نہیں
ہے کوئی بھیدی اور ان کا رازداں سب سے الگ } حالی

وقار اور متانت اُن پر ختم تھی، استقلال میں پہاڑ تھے، آزاد خیال ایسے تھے کہ سچ بات کہنے یا لکھنے میں کہیں نہ چوکتے تھے، مطالعہ اور تحقیق میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے، اسلام کے سچّے حامی تھے، اور اُن کی عمر اور محنت کا زیادہ حصّہ اسی میں گزرا۔ اُن سے پہلے صرف دو شخصوں نے انگریزی زبان میں یوروپین مصنّفین کے اعتراضات کی تردید اور اسلام کی حمایت میں کتابیں لکھی تھیں، ایک تو سر سیّد جن کی کتاب خطبات احمدیہ کا ترجمہ انگریزی میں ہوا اور دوسرے رائٹ آنریبل مولوی سید امیر علی بالقابہ۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جس تحقیق و تدقیق کے ساتھ مولوی چراغ علی مرحوم نے اس مبحث پر کتابیں لکھی ہیں اُس کی اس وقت تک نظیر نہیں ہے۔ یہاں تک کہ خود اُن کے حریف ریورنڈ کینن میکال نے اُن کے علم و فضل اور تحقیق کو تسلیم کیا ہے۔ لیکن باوجود اس کے نہایت بے تعصب

تھے اور کسی مذہب و ملّت سے انہیں خصومت یا پرخاش نہ تھی، یہاں تک کہ وہ اسلامی فرقوں میں سے بھی کسی سے تعلق نہیں رکھتے تھے۔ چنانچہ گزشتہ مردم شماری سے قبل جب مردم شماری ہوئی تو انہوں نے مذہب (فرقہ) کے خانہ میں اپنی بیوی کے نام کے سامنے تو لفظ شیعہ لکھ دیا، لیکن اپنے اور اپنے بیٹوں کے نام کے مقابل صفر صفر لکھ دئے۔ اس سے اُن کی کمال بے تعصبی ظاہر ہوتی ہے۔ وہ اُس اسلام کو جس کی تعلیم قرآن نے کی ہے حقیقی مذہب خیال کرتے تھے، اور باقی تمام تفریقوں کو فضول اور لچر سمجھتے تھے۔

اس موقع پر یہ واقعہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ جس وقت ہم مولوی صاحب مرحوم کے حالات کی جستجو میں تھے تو ہمیں مولوی صاحب کے کاغذات میں سے چند خطوط مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مرحوم کے بھی ملے جو انہوں نے مولوی صاحب کو لکھے تھے اور اپنی مشہور اور پُرزور کتاب براہین احمدیہ کی تالیف میں مدد طلب کی تھی۔ چنانچہ مرزا صاحب اپنے ایک خط میں کہتے ہیں کہ "آپ کا افتخار نامہ محبت آمود ۔ ۔ ۔ ۔ عز ورود لایا۔ اگرچہ پہلے سے مجھ کو بہ نیت الزام خصم اجتماع براہین قطعیہ اثبات نبوت و حقیّت قرآن شریف میں ایک عرصہ سے سرگرمی تھی مگر جناب کا ارشاد موجب گرم جوشی و باعث اشتعال شعلہ حمیت اسلام علے صاحبہ السلام ہوا اور موجب ازیاد تقویت و توسیع حوصلہ خیال کیا گیا کہ جب آپ سا اولوالعزم صاحب فضیلت دینی و دنیوی تہ دل سے حامی ہو، اور تایید دین حق میں دل گرمی کا اظہار فرماوے تو بلا شائبۂ ریب اس کو تایید غیبی خیال کرنا چاہیئے جزاکم اللہ نعم الجزاء ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ماسوائے اس کے اگر اب تک کچھ دلائل یا مضامین آپ نے نتائج طبع عالی سے جمع فرمائے ہوں تو وہ بھی مرحمت ہوں"۔ ایک دوسرے خط میں تحریر فرماتے ہیں "آپ کے مضمون اثبات نبوت کی اب تک

میں نے انتظار کی، پر اب تک نہ کوئی عنایت نامہ نہ مضمون پہنچا، اس لئے آج مکرر تکلیف دیتا ہوں کہ براہ عنایت بزرگانہ بہت جلد مضمون اثبات حقانیت فرقان مجید طیار کر کے میرے پاس بھیج دیں، اور میں نے بھی ایک کتاب جو دس حصے پر مشتمل ہے تصنیف کی ہے اور نام اس کا براہین احمدیہ علے حقانیۃ کتاب اللہ القرآن والنبوۃ المحمدیہ رکھا ہے، اور صلاح یہ ہے کہ آپ کے فوائد جرائد بھی اُس میں درج کروں اور اپنے محقّر کلام سے اُن کو زیب وزینت بخشوں۔ سو اس امر میں آپ توقف نہ فرماویں اور جہاں تک جلد ہو سکے مجھ کو مضمون مبارک اپنے سے ممنون فرماویں"۔ اس کے بعد پنجاب میں آریوں کے شور وشغب اور عداوتِ اسلام کا کسی قدر تفصیل سے ذکر کیا ہے اور آخر میں لکھا ہے کہ "دوسری گذارش یہ ہے کہ اگرچہ میں نے ایک جگہ سے وید کا انگریزی ترجمہ بھی طلب کیا ہے، اور اُمید کہ عنقریب آجائے گا اور پنڈت دیانند کی وید بھاش کی کئی جلدیں بھی میرے پاس ہیں، اور ان کا ستیا ارتھ پرکاش بھی موجود ہے، لیکن تاہم آپ کو بھی تکلیف دیتا ہوں کہ آپ کو جو اپنی ذاتی تحقیقات سے اعتراض ہنود پر معلوم ہوئے ہوں یا جو وید پر اعتراض ہوتے ہوں، اُن اعتراضوں کو ضرور ہمراہ دوسرے مضمون اپنے کے بھیج دیں۔ لیکن یہ خیال رہے کہ کتب مسلّمہ آریہ سماج کی صرف وید اور منو اسمرت ہے، اور دوسری کتابوں کو مستند نہیں سمجھتے بلکہ پرانوں وغیرہ کو محض جھوٹی کتابیں سمجھتے ہیں۔ میں اس جستجو میں بھی ہوں کہ علاوہ اثبات نبوت حضرت پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے ہنود کے وید اور اُن کے دین پر بھی سخت سخت اعتراض کئے جائیں کیونکہ اکثر جاہل ایسے بھی ہیں کہ جب تک اپنی کتاب کا ناچیز اور باطل اور خلاف حق ہونا ان کے ذہن نشین نہ ہو تب تک گو کیسی ہی خوبیاں اور دلائل حقانیت قرآن مجید کے اُن پر ثابت کئے جائیں۔ اپنے دین کی طرفداری

سے باز نہیں آتے، اور یہی دل میں کہتے ہیں کہ ہم اسی میں گزارہ کریں گے۔ سو میرا ارادہ ہے کہ اس تحقیقات اور آپ کے مضمون کو بطور حاشیہ کے کتاب کے اندر درج کر دوں گا۔" ایک اور خط مورخہ ۱۹ فروری ۱۸۷۹ء میں تحریر فرماتے ہیں "فرقان مجید کے الہامی اور کلام الٰہی ہونے کے ثبوت میں آپ کا مدد کرنا باعث ممنونی ہے نہ موجب ناگواری۔ میں نے بھی اسی بارے میں ایک چھوٹا سا رسالہ تالیف کرنا شروع کیا ہے۔ اور خدا کے فضل سے یقین کرتا ہوں کہ عنقریب چھپ کر شائع ہو جائے گا۔ آپ کی اگر مرضی ہو تو وجوہات صداقت قرآن جو آپ کے دل پر القا ہوں میرے پاس بھیج دیں، تا اُسے رسالہ میں حسب موقع اندراج پا جائے یا سفیر ہند میں ..... لیکن جو براہین (جیسے معجزات وغیرہ) زمانہ گزشتہ سے تعلق رکھتے ہوں اُن کا تحریر کرنا ضروری نہیں، کہ منقولات مخالف پر حجّت قویّہ نہیں آسکتیں۔ جو نفس الامر میں خوبی اور عمدگی کتاب اللہ میں پائی جائے یا جو عند العقل اُس کی ضرورت ہو وہ دکھلانی چاہیئے۔ بہر صورت میں اُس دن بہت خوش ہوں گا کہ جب میری نظر آپ کے مضمون پر پڑے گی۔ آپ بمقتضا اس کے کہ الکریم اذا وعد وفا مضمون تحریر فرماویں۔ لیکن یہ کوشش کریں کہ کیف ما اتفق مجھ کو اس سے اطلاع ہو جائے۔ اور آخر میں دُعا کرتا ہوں کہ خدا ہم کو اور آپ کو جلد تر توفیق بخشے کہ منکر کتاب الٰہی کو دنداں شکن جواب سے ملزم اور نادم کریں۔ و لاحول و لا قوۃ الا باللہ۔" اس کے بعد ایک دوسرے خط مورخہ ۱۰ مئی ۱۸۷۹ء میں تحریر فرماتے ہیں "کتاب (براہین احمدیہ) ڈیڑھ سو جزو ہے جس کی لاگت تخمیناً نوسَو چالیس روپیہ ہے، اور آپ کی تحریر محققانہ ملحق ہو کر اَور بھی زیادہ ضخامت ہو جائے گی۔"

ان تحریروں سے ایک بات تو یہ ثابت ہوتی ہے کہ مولوی صاحب مرحوم نے

مرزا صاحب مرحوم کو براہین احمدیہ کی تالیف میں بعض مضامین سے مدد دی ہے۔ دوسرے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب مرحوم کو حمایت و حفاظت اسلام کا کس قدر خیال تھا۔ یعنے خود تو وہ یہ کام کرتے ہی تھے مگر دوسروں کو بھی اس میں مدد دینے سے دریغ نہ کرتے تھے۔ چنانچہ جب مولوی احمد حسن صاحب امروہی نے اپنی کتاب تاویل القرآن شائع کی تو مولوی صاحب مرحوم نے بطور امداد کے سو روپیہ مصنف کی خدمت میں بھیجے۔ اسی طرح جو لوگ حمایت اسلام میں کتابیں شائع کرتے تھے ان کی کسی نہ کسی طرح امداد کرتے تھے اور اکثر متعدد جلدیں ان کی کتابوں کی خرید فرماتے تھے، چنانچہ مولوی محمد علی صاحب کی کتاب پیغام محمدی کی کئی سو جلدیں خرید کر دکن میں تقسیم کر دیں۔

وہ میانہ قد اور بھاری جسم کے آدمی تھے، چہرے سے اُن کے رعب داب اور متانت ٹپکتی تھی، چہرہ بھاری بھرکم، سر بڑا، اور آنکھیں بڑی بڑی تھیں اور دیکھنے سے رعب اور اثر پڑتا تھا۔ اُن کے اکثر ہم عصر اور ہم رُتبہ لوگ اُن کا بہت احترام اور بہت ادب کرتے تھے اور اس طرح ملتے تھے، جیسے چھوٹے بڑوں سے ملتے ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ علاوہ شکل و صورت کے لوگوں پر اُن کے علم و فضل اور قابلیت کا بھی رعب پڑتا تھا۔

حیدر آباد میں جہاں ہمیشہ کوئی نہ کوئی فتنہ بپا رہتا ہے، اور ایک بکھیڑے سے نجات نہیں ملتی کہ دوسرا جھگڑا اکھڑا ہو جاتا ہے، وہ اس طرح سے رہے، جیسے طوفان موج خیز میں لائٹ ہوس۔ حالانکہ وہ ہمیشہ بڑے بڑے عہدوں پر رہے لیکن کبھی کسی جھگڑے، کسی سازش، کسی پولٹیکل سوشل تحریک میں اُن کا نام نہیں آیا۔ وہ ہمیشہ دھڑے بندیوں سے الگ رہے، نہ اپنا کوئی جتھا بنایا اور نہ کسی کے جتھے میں شریک ہوئے۔ وہ اپنے تمام سرکاری نیز خانگی امور میں ہر قسم کے تعصبات

سے بڑی تھے، وہ ان سب جھگڑوں کو فضول اور ہیچ سمجھتے تھے، اُن کی توجہ اور
اُن کا دل کہیں اَور تھا۔

پاک ہیں آلایشوں میں بندشوں میں بے لگاؤ
رہتے ہیں دنیا میں سب کے درمیاں سب سے الگ
حالی

جو لوگ یہاں کامیابی اور عزّت کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں، اُنھیں مولوی چراغ علی مرحوم کی مثال پیش نظر رکھنی چاہیئے، اور یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ زمین شور میں قلبہ رانی کا نتیجہ سوائے ندامت کے کچھ نہیں۔ انہیں مولوی چراغ علی مرحوم کی طرح اُس زرخیز زمین میں تخم ریزی کی کوشش کرنی چاہیئے جس کے نتائج اب تک بارآور ہیں، اور جس کی وجہ سے اُن کا نام ہمیشہ عزّت و حرمت کے ساتھ یاد کیا جائے گا۔

بارے دنیا میں رہو، غمزدہ یا شاد رہو
ایسا کچھ کرکے چلو یاں کہ بہت یاد رہو
میر

وفات

اگر صد سال مانی ور یکے روز   ببایدرفت زیں کاخ دل افروز

مرحوم کو ذیابیطس کی شکایت تو پہلے ہی سے تھی، اب اسی کے اثر سے ایک گلٹی وہنی کنپٹی اور گردن کے درمیان دائرہ کے نیچے نمودار ہوئی، ڈاکٹر ہیر اُن کے فیملی ڈاکٹر تھے۔ اور ڈاکٹر لاری مشہور سرجن و سابق ناظم محکمۂ طبابت سرکار عالی کی یہ رائے ہوئی کہ عمل جراحی کیا جائے۔ اس وقت تک مرحوم بالکل تندرست اور صحیح معلوم ہوتے تھے اور سرکاری کام میں برابر مصروف تھے۔ چنانچہ حسب مشورہ باہمی ڈاکٹر لاری نے نشتر دیا۔ اس کے بعد صحت میں یکبارگی فرق آگیا اور ضعف

طاری ہو گیا۔ بعد ازاں دو تین بار پھر نشتر کیا گیا اور ہر بار حالت ردی ہوتی گئی اور زہر آلود خون پھیلتا گیا۔ حالانکہ یہ زخم بہت ہی نازک ہو گیا تھا اور پکّے پھوڑے سے زیادہ اس میں تکلیف ہوتی تھی، لیکن جب ڈاکٹر زخم صاف کرنا اور اُسے اندر باہر سے صاف کر کے دھوتا تھا، تو مولوی صاحب خاموش اسی طرح بیٹھے رہتے تھے، کیا مجال جو زبان سے اُف نکل جائے، یا تیور سے کسی قسم کی درد یا تکلیف کا اظہار ہو، چونکہ حالت ناقابل اطمینان تھی لہذا مولوی صاحب اور اُن کے اعزہ و احباب کی یہ رائے قرار پائی کہ بمبئی جا کر علاج کیا جائے۔ چنانچہ روز سہ شنبہ بتاریخ ۱۱ جون ۱۸۹۵ء مرحوم مع اہل وعیال کے بمبئی تشریف لے گئے۔ وہاں بڑے بڑے حاذق ڈاکٹروں نے علاج کیا۔ مگر تیر کمان سے نکل چکا تھا، حالت بہت ردی ہو چکی تھی، زہر آلود خون جسم میں پھیل گیا تھا۔ حکیموں اور ڈاکٹروں کی حذاقت اور چارہ سازی دھری رہ گئی، اور حکمت و تدبیر کچھ کارگر نہ ہوئی۔ وہ وقت جو ٹلنے والا نہیں ہے اور جس سے کوئی جاندار بچ نہیں سکتا آخر آ پہنچا۔ پندرھویں جون روز شنبہ صبح کے آٹھ بجے سے تنفس شروع ہو گیا اور گیارہ بجتے بجتے دار فنا کا مسافر زندگی کی پچاس منزلیں طے کر کے راہی ملک بقا ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ، وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَام

مرحوم بمبئی کے قبرستان میں دفن ہوئے

انسان نہیں رہتا، لیکن اُس کے اعمال رہ جاتے ہیں، جو کسی کے مٹائے نہیں مٹ سکتے۔ یہی اس کی پونجی، یہی اُس کی آل اولاد اور یہی اُس کی کمائی ہے۔ اولاد مرحوم کی یہی ہے یعنے پانچ بیٹے اور دو بیٹیاں، اور بفضل خدا سب کے سب صحیح سلامت اور بقید حیات ہیں۔ اور اولاد کس کے نہیں ہوتی اور کون جاندار ہے جو اس پر قادر نہیں، بلکہ جتنے ادنے اور ذلیل جانور ہیں اُتنی ہی اُنکے

زیادہ اولاد ہوتی ہے۔ چنانچہ بعض کیڑے ایسے ہیں کہ اُن کے چند گھنٹوں میں ہزاروں لاکھوں بچے پیدا ہوتے اور مر جاتے ہیں۔ لیکن انسان کا نام اسکے کام سے ہے۔ آج جو ہم مرحوم کو یاد کر رہے ہیں تو کیا اُن کی اولاد اور مکانات اور جاہ و ثروت کی وجہ سے؟ ہرگز نہیں۔ یہ سب آنی جانی چیزیں ہیں۔ بلکہ اُن کے کیریکٹر اور کام کی وجہ سے۔ اور ہم کیا یاد کر رہے ہیں، بلکہ اُن کا کیریکٹر اور اُن کا کام خود ہمیں اُن کی یاد دلا رہا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ آج ہم اُنکی کتابیں شوق سے پڑھتے، اُن کا ترجمہ کرتے اور اُنہیں یاد کرتے ہیں اور اُن کے نیک نام اور کام کی یاد دوسروں کو دلاتے ہیں۔ بس یہی ایک چیز ہے جو مرحوم کو زندہ رکھے گی اور یہی ایک چیز ہے جو دُنیا میں اللہ کے نیک بندوں کو زندہ رکھتی ہے۔

مرحوم کی وفات پر تمام اردو انگریزی اخبارات میں اظہار افسوس و ملال کیا گیا تھا۔ لیکن یہاں ہم بخوف طوالت صرف دو تحریروں کی نقل کرتے ہیں! ایک نواب سر وقار الامرا بہادر مرحوم (مدار المہام) وقت کا اظہار افسوس جو انہوں نے سرکار کی طرف سے کیا۔ اور جو جریدہ اعلامیہ سرکار عالی میں طبع اور شائع ہوا۔ دوسرا سر سید رح کا نامۂ الم جو اس دردناک خبر کے سُنتے ہی اُنہوں نے تہذیب الاخلاق میں لکھا تھا۔ حقیقت میں یہ دونو تحریریں سچّی اور دل سے لکھی گئی ہیں۔

"مولوی چراغ علی کی وفات سے ریاست کا ایسا بے لاگ، بے لوث، مستقل مزاج، تجربکار، "عہدہ دار جاتا رہا کہ پھر اس کا بدل نہ ملا۔ اُدھر قوم میں سے ایک حامئے ملّت اور فاضل "محقق گم ہو گیا۔ جن مضامین پر مولوی چراغ علی مرحوم نے قلم اُٹھایا ہے اُس پر اور بھی بہت "سے لکھنے والے پیدا ہو گئے ہیں اور زمانہ آیندہ اس سے بھی بہتر لوگ پیدا کرے گا لیکن "ایسے دُھن کے پکّے، دُنیا و مافیہا سے بے خبر اور اپنے کام میں ہمہ تن محو، مشکل سے پیدا ہوں گے۔

(از جریدہ اعلامیہ احکام سرکار نظام الملک آصف جاہ، جلد بست و ششم نمبر چہل و یکم مطبوعۂ

ہفدہم امرداد ماہ الٰہی ۱۳۰۴ء فصلی مطابق سی ام ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ ہجری)

"نواب مدار المہام سرکار عالی نے نہایت درجہ افسوس کے ساتھ سُنا کہ مولوی چراغ علی صاحب اعظم یار جنگ بہادر معتمد مال و فینانس سرکار عالی نے بتاریخ ہشتم امرداد ۱۳۰۴ء فصلی بہ روز شنبہ بمقام بمبئی جہاں وہ علیل ہو کر بغرض علاج و تبدیل آب و ہوا گئے تھے، انتقال کیا۔ مرحوم ایک نہایت لائق کارگزار، واقف کار، ذی علم، مستقل مزاج، اور سنجیدہ عہدہ دار تھے۔ نواب مدار المہام سرکار عالی مکرر اظہار افسوس کرتے ہیں کہ طبقۂ عہدہ داران میں سے مولوی چراغ علی صاحب مرحوم کے ایسے منتخب اور برگزیدہ شخص کے انتقال سے سرکار کو درحقیقت بہت نقصان پہنچا۔" (صفحہ ۳۹۵ نشان ۱۶۴)۔

(از تہذیب الاخلاق علی گڈھ) سلسلہ سوم جلد دوم۔ مطبوعہ یکم محرم الحرام ۱۳۱۳ھ ہجری)۔

"افسوس! ہزار افسوس! صد ہزار افسوس! کہ پندرھویں جون ۱۸۹۵ء کو نواب اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی نے بمقام بمبئی چار ہفتہ کی بیماری میں انتقال کیا۔ اُن کا خط خود اُن کے ہاتھ کا لکھا ہوا مورخہ نہم جون مقام حیدر آباد سے ہمارے پاس آیا تھا، جس میں انہوں نے لکھا تھا کہ تین ہفتہ سے بیمار ہوں، ڈاڑھ کے نیچے ایک گلٹی نکلی ہے، ڈاکٹروں نے اس اندیشہ سے کہ مغز میں ورم نہ ہو جائے کلورفارم کا عمل کر کے کاٹا اور بعد میں پھر دوبارہ کلورفارم کا عمل کیا۔ بہت ہی کمزور ہو گیا ہوں، کھاتا پیتا نہیں، چلنا پھرنا موقوف، مگر اب زخم بھرتا چلا آتا ہے، اور ارادہ ہے کہ تبدیل آب و ہوا کے لئے بمبئی جاؤں۔ اس کے بعد بارھویں جون کا بمبئی سے اُنہیں کا بھیجا ہوا تار ہمارے پاس آیا کہ میں بمبئی آ گیا ہوں۔ افسوس کہ پندرھویں تاریخ کو جب کہ ہم بعض کاغذات اُن کے نام روانہ کر رہے تھے اور خیر و عافیت چاہ رہے تھے، اُسی وقت اُنہوں نے بمبئی میں انتقال کیا۔

"مولوی چراغ علی مرحوم ایک بے مثل اور مرنج و مرنجان شخص تھے، ہمارے کالج کے ٹرسٹی اور بہت بڑے معاون تھے، حیدر آباد میں سالار جنگ اعظم نے اُن کو بُلایا تھا، اس زمانے سے اس وقت تک متعدد انقلابات حیدر آباد میں ہوئے اور پارٹیاں بھی قائم ہوئیں مگر اُن کو بجز اپنے کام کے کسی سے کچھ کام نہ تھا۔ اُن کو بجز اپنے کام یا علمی مشغلے کے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ حیدر آباد میں یا دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔

"متعدد علوم میں نہایت اعلیٰ درجہ کی دستگاہ تھی۔ عربی علوم کے عالم تھے۔ فارسی نہایت عمدہ جانتے تھے اور بولتے تھے، عبری و کالڈی میں نہایت اچھی دستگاہ رکھتے تھے۔ لیٹن اور گریک بقدر کارروائی جانتے تھے۔ اعلیٰ درجہ کے مصنف تھے۔ انگریزی زبان میں بھی انہوں نے کتابیں تصنیف کی ہیں۔ مذہب اسلام کے ایک فلاسفر حامی تھے۔ ہمارے بڑے دوست تھے۔ ایسی خوبیوں کے شخص کا انتقال کرنا ایسے زمانہ میں، کہ اُن کی عمر کچھ زیادہ نہ تھی، نہایت افسوس اور رنج کے لائق ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ افسوس ہے کہ وہ مضمون اور لاحل سوال کا جواب جو اُنہوں نے تہذیب الاخلاق میں لکھنا چاہا تھا، ناتمام رہ گیا، اور اب اُمید نہیں کہ کوئی شخص اس لاحل سوال کو حل کرے گا۔"

مرحوم کے انتقال پر بہت سی تاریخیں لوگوں نے کہیں۔ اُن میں سے چند

یہاں لکھی جاتی ہیں۔
سید محمود مرحوم (خلف سرسید رح) نے بھی جو فارسی صنائع میں تاریخ کی صنعت کو بہت پسند کرتے تھے یہ تاریخ نکالی۔

حیف چراغ علی از دنیا نہاں شُد

۱۸۹۵ء

مولانا حالی مدظلہ العالی نے اسے نظم میں اس طرح موزوں فرمایا ہے۔

زخمے از مرگ چراغ علی آمد بر دل | کہ از و خاطرِ افگار بصد غم شدہ جفت
از خرد سال وفاتش چو بجستم ' محمود ' | "شد نہاں حیف چراغ علی از دنیا" گفت

مولانا حالی نے خود بھی ایک قطعہ مرحوم کی وفات پر لکھا ہے، جس میں گویا مرحوم کے کام اور کیریکٹر کی کامل تصویر کھینچ دی ہے۔ وہ یہ ہے۔

آہ آہ! از رحلت بے گاہِ اعظم یار جنگ | کز میانِ زُمرہ ہمراہاں عنان پیچید و رفت
حیف دنیا را بہ پنجاہ سالگی کردہ وداع | بزم ما را بزم ماتم باز گردانید و رفت
مستفیداں پُر نہ کردہ دامن معنی ہنوز | مشتے از گنجینۂ لعل و گہر پاشید و رفت
از سحاب فیض گلکش نا شدہ سیراب خلق | ساعتے برق یمانی از افق تابید و رفت
عقدہا نکشودہ ماند و نکتہ ہا نو شنشتہ ماند | بہر جوئے شیر کوہ بے ستوں کندید و رفت
کرد بے آزارِ خلق اعمالِ سلطانی ادا | نے ز کس رنجید و نے کس را برنجانید و رفت
یاوران قوم را تا زیست یاور بود و یار | ہر چہ بتوانست در تائید شاں کوشید و رفت
از دل پُر درد او گاہے صدائے برنخاست | مے نے چوں بحر کاہل در نہاں جوشید و رفت
طبع آزادش بہ ملت کہ بینی صُلح داشت | در دل خویش و دلِ بیگانہ در گنجید و رفت
گر زبید صد سال کس انجام او مرگست و بس | چوں شرر بر وضع دوراں ہتواں خندید و رفت

مولوی محمد اعظم صاحب چریاکوٹی نے بھی جو ایک عالم شخص ہیں اور ایک زمانے

تک حیدر آباد میں ملازم تھے اور اب وظیفہ یاب حسن خدمت ہیں، ایک اچھا قطعہ تاریخی لکھا ہے، جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے :-

آں گرامی معتمد کز حسن رائش بیدرنگ — یافت آرے در دکن مال و خزانہ آب و رنگ
محکم اخلاصِ ولی با ملت اسلام داشت — در معیشت بود رفتارش بر آدابِ فرنگ
علم را جوہر شناسے قدردانِ اہلِ علم — طالبِ حکمت نگہدارندۂ آئین ہنگ
با علوِ فکرتش مرغِ ہما بر کندہ بال — عقل کل در مرغزار جود تش آہوئے لنگ
با سبک روحی متینی بود چون کوہِ گراں — کلکِ او در دشتِ معنی برق رفتارے سرنگ
بہر معنیہا دلش دریائے گوہر خیز بود — وقت گویائی دہانش بود شکر بار تنگ
شد نمایاں ناگہاں از گوشۂ رخسارِ او — دانۂ ریش قضا چینے کم از قدرِ مشنگ
بارہا از بہر اصلاحش بر و نشتر زدند — تا شد از نشتر زنیہا کار بر بیمار تنگ
رفتہ رفتہ شد بس ابتر حال او در چند روز — بود گویا صورتِ تصویر بر پشتِ پلنگ
عاقبت بے وقت مرگ از گلشنِ گیتی ربود — آنچنانش کز کمیں ساحل نشیناں را نہنگ
الغرض چوں رخت ہستی بست از دنیائے دوں — ہاتفی گفت از جلالی، وائے اعظم یار جنگ

۱۲   ۱۳ھ

سید محمد واحد علی صاحب کاکوروی نے بھی مرحوم کی دو تاریخیں، ایک سنہ عیسوی میں دوسری ہجری نبوی میں کہی تھیں - جو یہ ہیں :-

۱- ہاتفی گفت از سر افسوس — گوہر شب چراغ بود نماند
۹۵   ۶۱۸

۲- ہائے اعظم یار جنگ -
۱۲   ۱۳ھ

مقدمہ

اعظم الکلام فی ارتقاء الاسلام

(از مترجم)

حصّہ دوم

مشتمل بر تصانیف مذہبی

غدر ۱۸۵۷ء سے مسلمانان ہند کی حالت میں ایک انقلاب عظیم پیدا ہوا - اگرچہ اقبال کبھی کا مُنہ موڑ چکا تھا، لیکن پھر بھی برائے نام باریک سا پردہ آنکھوں کے سامنے حائل تھا۔ اس پردہ کے اُٹھتے ہی ادبار کی بھیانک اور مہیب تصویر نظروں کے آگے پھر گئی۔ رسّی کے جلنے پر بھی بل ویسے ہی رہتے ہیں، نشہ اُتر جانے پر بھی خمار کا اثر باقی رہتا ہے، سب کچھ چھن جانے پر بھی غفلت وہی رہی۔ فرداً فرداً سب اپنی قسمت کے شاکی اور اپنے حال پر نالاں تھے، لیکن بدبخت قوم کے حال زار پر کسی کو نظر نہ تھی اور جو کسی کے دل میں درد اُٹھا بھی تو اتنی ہمّت اور سکت کہاں جو اس پُر آشوب اور تاریک زمانے میں جب کہ ہر طرف یار و اغیار مُنہ کھولے بیٹھے تھے، اور زمین و آسمان دُشمن ہو رہے تھے اپنے اور اپنے بھائیوں کے لئے ہاتھ پاؤں مارے۔ قومیت کا خیال سالہاسال سے مٹ چکا تھا، اخوت اور محبّت کے اثر دلوں سے محو ہو چکے تھے، البتہ

مذہب سے محبّت ضرور تھی، مگر وہ بھی نادان دوست کی محبّت سے زیادہ نہ تھی۔ حکومت جا چکی تھی، اقبال مُنہ موڑ چکا تھا، دولت سے بہرہ نہ تھا، علم پاس نہ تھا، اغیار تو اغیار خود یار و مددگار جان کے لیوا تھے، آفات کا نزول تھا، ادبار کی چڑھائی تھی۔ ایسے اڑے وقت پر، ایسے نازک زمانے میں، ایسے ہنگامۂ رُستخیز میں جب کہ نفسی نفسی کا عالم اور عزّت و غیرت کا ماتم بپا تھا، اپنے بھائیوں کے کام آنا عین جواں مردی اور اصل انسانیت ہے۔

چیست انسانی؟ تپیدن از تپِ ہمسایگاں
وز سمومِ نجد در باغِ عدن بریاں شدن

مسلمانوں کی حالت اس وقت اس بے سر ساماں اور لُٹے قافلہ کی سی تھی جو ایک لق و دق صحرا میں جا نکلا ہے، جہاں راستہ کا نشان گُم ہے، زاد راہ مفقود ہے، ہر طرف سے طوفان بپا ہے۔ مگر اس پر بھی ایک دوسرے سے لڑتے مرتے ہیں اور نفسانیت پر تلے ہُوئے ہیں، لیکن ان میں سب سے زیادہ غافل اور لایعقل اُن کے رہبر و رہنما ہیں۔ اس بُرے وقت میں اُنہیں میں سے ایک بندۂ خدا اُٹھتا ہے، جو انہیں راستہ دکھانے اور کھوئی دولت کا نشان بتانے پر آمادہ ہوتا ہے اہلِ قافلہ اُس پر ہنستے اور اُسے بیوقوف بناتے ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر ان کے راہ گُم کردہ اور گُمراہ کن رہنما اس کے دُشمن ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ آپس کے لڑائی جھگڑے چھوڑ اس کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ اس پر طرح طرح کی بدگمانیاں کی جاتی ہیں۔ اس کی محبّت کو عداوت، اس کی ہمدردی کو بدخواہی، اس کی دلسوزی کو خودغرضی پر محمول کیا جاتا ہے، وہ جُوں جُوں اُن کی دل دہی کرتا ہے، وہ اس سے اور بدکتے ہیں، وہ جوں جوں اُن کی فلاح و بہبودی کی کوشش کرتا ہے وہ اور اس سے بدظن ہوتے ہیں۔ ایک عرصہ تک اس کی صدا صحرا بصحرا اور اُسکی بے ریا

کوشش سعی لا حاصل رہی۔ لیکن آخر اُس کی صداقت نے فتح پائی۔ اُس کے خلوص نے سب کو قائل کر دیا۔ اُس کی بے ریائی نے خود غرضیوں کے طلسم کو توڑ دیا اور زمانے نے خود کھوٹے کھرے کو پہچان لیا۔ جھوٹ کو زک ہوئی اور میدان سچ کے ہاتھ رہا۔ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ۔

وہ کوئی انوکھا شخص نہ تھا۔ وہ ہمیں میں سے تھا۔ ہماری ہی سوسائٹی میں اس نے پرورش پائی تھی۔ وہ کوئی عالم و فاضل نہ تھا، مالدار اور دولت مند نہ تھا، صاحبِ جاہ وذی اثر نہ تھا، وہ ہر لحاظ سے ایک معمولی آدمی تھا۔ لیکن ہاں اُسے ایک دل ملا تھا جس میں درد تھا اور واقعات سے متاثر ہونے کی صلاحیت تھی۔ لیکن کیا کسی اور کے دل میں درد نہ تھا؟ ہوگا۔ اور ممکن ہے کہ اس سے زیادہ ہو۔ لیکن اگر نرا درد ہی درد ہوا تو پھر انسان اس کے جذبہ اور زور میں اپنے تئیں نہیں سنبھال سکتا وہ آپے سے باہر ہو جاتا اور کپڑے پھاڑ کر دنیا سے نکل جاتا ہے یا ایسا محو اسرار ہو جاتا ہے کہ اس کی نوبت ”خبرش باز نیامد“ تک پہنچ جاتی ہے، مگر اس درد کے ساتھ اُسے دماغ بھی ویسا ہی عطا ہوا تھا۔ درد اس میں حرکت اور اشتعال پیدا کرتا تھا اور عقل اس کی تحریک پر اسے سیدھے راستہ سے بھٹکنے نہیں دیتی تھی۔ یہی ایک سچے مذہب اور خصوصاً اسلام کی تعلیم کا ماحصل ہے کہ انسان نہ تو جذبات ہی سے ایسا مغلوب ہو جائے کہ دُنیا کے کام کا نہ رہے اور نہ درد سے خالی عقل ہی کا بندہ ہو جائے کہ ایک بگولے کی طرح دُنیا میں مارا مارا پھرے۔ اس لئے ایسے نازک وقت میں قوم کو سنبھالنا ایک ایسے ہی شخص کا کام تھا جس کے سینے میں درد بھرا دل ہوا اور اسکے ساتھ ہی روشن دماغ رکھتا ہو۔ ریفارمر اور مجتہد ہونے کا حق ایسے ہی شخص کو حاصل ہے +

آج یہ اسی کا طفیل ہے کہ ہم مسلمانوں میں ایک حرکت سی دیکھتے ہیں۔ اسی نے ہمیں قومیت اور ہمدردی کا سبق پڑھایا، اسی نے ہمیں علم سیکھنے کا شوق دلایا، اسی نے

ہمیں اپنے مذہب کی حقیقت سے واقف کیا اور دین و دنیا کو ساتھ لے چلنے کی تعلیم دی۔

باوجود ان تمام بیش بہا اور بے نظیر خدمات اور احسانات کے جو سرسیدؒ نے اپنی قوم پر کئے اس نے اپنی مثال سے دنیا میں پھر ایک بار یہ ثابت کر دیا کہ علم و فضل دستار فضیلت میں نہیں، حکمت و دانش یونیورسٹی کی ڈگریوں میں نہیں، لیاقت و قابلیت امتحان سے حاصل نہیں ہوتی۔ اور اگر بالفرض یہ سب کچھ ہوا بھی تو کیا؟ کیا کتابوں کے تودے اور عمامۂ فضیلت کے وزن سے انسان انسان بنتا ہے؟ نہیں۔ بلکہ

کچھ اُدھر کا بھی اشارہ چاہیئے

بعض "حاملان اسفار" ابتک اسی خام خیالی میں پڑے ہوئے ہیں کہ ایسے شخص کو جس نے کبھی باقاعدہ نصاب نظامیہ پڑھ کر فضیلت کی دستار حاصل نہیں کی کیا حق حاصل تھا کہ وہ تفسیر لکھے، یا جس نے کبھی علوم کی تحصیل کی نہیں اُس کو علوم کی اشاعت اور اس کے متعلق رائے دینے کا کیا منصب تھا۔ لیکن اُن کو کولھو کے چکر سے باہر نکل کر اور آنکھوں پر سے اندھیری اُٹھا کر ذرا دنیا کو دیکھنا چاہیئے۔

لیکن بڑی مشکل یہ تھی کہ قوم میں ایک خرابی نہ تھی کہ جس کی اصلاح کی جائے کوئی ایک بیماری نہ تھی جس کا علاج ہو۔ اس کی کوئی کل بھی سیدھی نہ تھی۔ اور سر سے پاؤں تک روگوں بھری تھی۔ یہ اسی کا دل و دماغ تھا کہ ہمّت نہ ہارا اور ہر خرابی کے مقابلہ کرنے کے لئے آمادہ ہو گیا۔ وہ اس دھن میں ایسا لگا کہ اپنے آپ کو بھول گیا۔ یہ جہاد کا وقت تھا۔ اور اس نے جہاد کیا۔ اور جہاد بھی کیسا؟ جہاد اکبر۔ یہاں اس کے بے مثال احسانات گنوانا ایک قصّہ طویل ہو جائے گا۔ مختصر یہ کہ اگرچہ اس نے ہر قسم کی اصلاحات پر کمر باندھی، لیکن اس کی دوربین نظر نے یہ بھی دیکھ لیا کہ جہاں مسلمان عزّت و حکومت، علم و دولت کھو چکے ہیں، وہاں وہ اپنے سچے مذہب کو فراموش کر چکے

ہیں۔اور یہی تمام خرابیوں کی جڑ اور سارے فساد کی اصل ہے۔ چنانچہ اس نے جان توڑ کر اس خرابی کا مقابلہ کیا۔ اور اپنی ساری ہمّت وقوّت اس میں صرف کر دی۔

دنیا کبھی ایک حالت پر نہیں رہتی، اس کی نیرنگیاں کبھی کم نہیں ہوتیں، اور ہمیشہ کسی نہ کسی نئے دور کا زور و شور رہتا ہے۔ اس زمانے میں بھی یورپ میں علم و حکمت کا وہ سیلاب آیا کہ اس نے پچھلے دوروں پر پانی پھیر دیا۔ اس میں شک نہیں کہ جب کسی خاص زمانے میں کسی خاص طرف میلان ہوتا ہے تو اس میں مبالغہ بھی بیحد ہو جاتا ہے۔ لیکن حقیقت بھی بہت کچھ ہوتی ہے۔ اور اس لئے انسان کی گزشتہ کوششوں کے مقابلہ میں اس خاص لحاظ سے بہت بڑی ترقی ہو جاتی ہے۔ اور اس کے اثر سے بڑے بڑے تغیّر اور انقلاب ہوتے ہیں۔ فلسفہ اور مذہب کا بَیر قدیم سے چلا آرہا ہے۔ اب اس دَور میں سائنس نے نیا چولا بدلا اور سارے عالم میں کھلبلی مچا دی تو اوّل اوّل اہل مذاہب کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اور اس کی عالم گیر اور حیرت انگیز ترقّی دیکھ کر ششدر سے رہ گئے۔ مگر پھر وہ سنبھلے اور سنبھلکر اپنے بچاؤ کی فکر کرنے لگے مگر یہ ترقی یافتہ اقوام کی حالت تھی۔ لیکن وائے بر اں قوم جس پر جہالت اور تعصّب چھایا ہوا ہو، جس کے مجتہد اور مصلح اپنے مقتدیوں سے زیادہ ناواقف اور جاہل ہوں! ہمارے علما کی حالت اُس وقت اصحاب کہف کی سی تھی، وہ اپنے ساتھ ساری دنیا کو وہیں سمجھ رہے تھے جہاں وہ تھے زمانہ کا تغیر اور اس دَور کی خصوصیت اُن کی سمجھ ہی میں نہیں آتی تھی اور آئے تو کیونکر، جو یہ سمجھے کہ رات کو سویا اور صبح ہوتے اُٹھ کھڑا ہوا اُسے کوئی کیونکر سمجھا سکتا ہے کہ اس اثنا میں کئی صدیوں کا پھیر پڑ گیا ہے اور زمانہ میں ایک نیا دَور شروع ہو گیا ہے۔

یہاں آلات حرب سر سے بدل گئے ہیں اور ہم ہیں کہ اپنی بوسیدہ تلوار

ڈھال اور تیر و ترکش سنبھالے مقابلے کے لئے چلے جا رہے ہیں۔ اور چونکہ غنیم کی قوت کا اندازہ نہیں ہے اس لئے اُسے بے حقیقت سمجھتے ہیں اور اپنی قوت پر نازاں ہیں۔

سرسیدؒ نے دیکھا کہ اور تو ہم سب کچھ کھو چکے ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ عزیز مذہب بھی ہاتھ سے جاتا رہے۔ اور ہم کہیں کے نہ رہیں۔ وہ مذہب کی قوت اور اثر سے خوب واقف تھا اور جانتا تھا کہ ہم مذہب ہی کے بل پر دُنیا میں اُٹھے تھے اور اب بھی اگر سنبھلے تو اسی کے سہارے سے سنبھلیں گے۔ اور اس لئے اپنی تمام اصلاحوں کی بنیاد مذہب پر رکھی۔ اور ساتھ ہی ان تمام توہمات باطلہ کے مٹانے کی کوشش کی جو مسلمانوں کی غلطی سے مذہب کا جزو بن گئے تھے اور ان تمام الزامات کو نہایت تحقیق اور شدومد کے ساتھ رفع کیا جو اُس نئے زمانے میں اسلام پر ہر طرف سے وارد ہو رہے تھے۔ اس نے ان الزامات کا جواب ملانوں کی طرح کج بحثی سے نہیں دیا بلکہ اُس نے اس کے لئے ایک نئے علم کلام کی بنیاد ڈالی۔ کیونکہ پُرانے ہتھیار بیکار ہو چکے تھے۔ اور اس دم دعوے کے ساتھ اسلام کی حقانیت ثابت کی جس کی نظیر اسلام کی تاریخ میں نہیں ملتی۔

اس کام میں بعض اور بندگان خدا نے بھی جو اسلام سے محبت رکھتے تھے سرسیدؒ کا ہاتھ بٹایا۔ اور جس عظیم الشان کام کو سرسیدؒ نے انجام دیا تھا۔ اسی کی پیروی میں بھی ان لوگوں نے اپنی اپنی بساط کے موافق اسلام کی خدمت کی۔ ان سب میں زیادہ محقق، وسیع النظر اور زبردست مصنف، مولوی چراغ علی (نواب اعظم یار جنگ بہادر) مرحوم تھے۔ ان کی تقریباً تمام تصانیف اسلام کی حمایت میں ہیں ان کتابوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کا مطالعہ کس قدر وسیع اس کی نظر کیسی غائر اور اس کی تحقیق کس پایہ کی تھی۔ وہ لفاظی اور عبارت آرائی کچھ نہیں

جانتے اور نہ اُن کو فصاحت و بلاغت سے کچھ سروکار ہے، جیسا کہ اکثر مذہبی تصانیف کے مصنفین کا قاعدہ ہے۔ مگر ان کی کتابیں معلوماتِ علمی سے لبریز ہیں۔ واقعات کی تنقید و تنقیح، صحیح نتائج کے استخراج میں انہیں کمال حاصل ہے۔ وہ کبھی اپنی بحث سے الگ نہیں ہوتے، کبھی کوئی غیر متعلق بات نہیں کہتے اور نہ کبھی الزامی جواب دیتے ہیں۔ بلکہ امرِ زیرِ بحث کو ہمیشہ مدِّنظر رکھتے اور اس کے مالہ و ماعلیہ پر ایک وسیع نظر ڈالتے ہیں۔ تمام واقعاتِ متعلقہ کو جمع کر کے اُن کی تنقید کرتے اور حتےّ الامکان قرآن مجید سے استدلال کرتے اور نہایت صحیح اور عجیب نتائج استنباط کرتے ہیں اور اسی ضمن میں وہ بڑے بڑے مستند لوگوں کی رایوں کو پیش کرتے ہیں یا ان کی غلطیوں پر نظر ڈالتے جاتے ہیں۔ غرض یہ کہ جس بات کو وہ لیتے ہیں اُس پر اس خوبی اور جامعیت سے بحث کرتے ہیں کہ پھر اس میں کسی اَور اضافے کی گنجایش نہیں رہتی۔ البتہ ایک کسر اُن کی مذہبی تصانیف میں ضرور نظر آتی ہے اور وہ یہ کہ اُن کی تحریر میں گرمی نہیں، اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ سرد مہر منطقی ایک ایسے مبحث پر جس سے اُسے دلچسپی ہے بحث کر رہا ہے۔ اور واقعات اور دلائل سامنے پیش کر کے بال کی کھال نکال رہا ہے۔ حالانکہ مذہب کو منطق و استدلال سے تعلّق نہیں جتنا کہ انسان کے جذباتِ لطیفہ یا وجدانِ قلب سے ہے اور اس لئے مذہب پر بحث کرنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان رسمی قیود سے باہر نکل کر نظر ڈالے اور اس میں وہ جوش اور حرارت ہو جو ایک سرد مہر منطقی یا ایک کائیاں دنیادار میں نہیں ہو سکتی۔ لیکن معلوم یہ ہوتا ہے کہ مولوی صاحب مرحوم کو نہ تو مذہب کے اُس حصے سے بحث تھی اور نہ وہ غالباً اس بحث کے اہل تھے۔ بلکہ اُن کا مقصد مذہب کے صرف اُس حصے سے تھا جس کا تعلق امورِ دُنیا سے ہے اور وہ یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ مذہبِ اسلام کسی طرح انسان کی دُنیاوی ترقی کا حارج نہیں بلکہ اس کا ممدّ و

معاون ہے اور جو لوگ اس کے مخالف ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ اور کچھ شک نہیں کہ اس میں مولوی صاحب مرحوم کو پوری کامیابی ہوئی ہے۔

ان کی مذہبی تصانیف کی تفصیل یہ ہے:۔

۱۔ تعلیقات۔ یہ رسالہ پادری عماد الدین آنجہانی کی کتاب تاریخ محمدی کے جواب میں ہے۔ مرحوم نے اس رسالہ میں اس امر کو ثابت کرکے دکھایا ہے کہ پادری صاحب کے ماخذ سب کے سب غلط اور پوچ ہیں۔ اور ایسی کمزور بنیاد پر اعتراضات کی عمارت کرنا خلاف دانشمندی ہے۔ اسی ضمن میں احادیث کی تنقید اور صحت و غیر صحت پر بحث کی ہے۔ اور بعض منصف مزاج یورپین فاضلوں کی رایوں کا اقتباس بھی درج کیا ہے۔ نیز مسیح و اناجیل اربعہ پر تفصیلی ردّ و قدح کی ہے۔ اور یہ ثابت کیا ہے کہ مسیح کی سوانح عمری نہایت غیر معتبر ہے۔ اور چاروں انجیلیں تاریخی اعتبار سے گری ہوئی ہیں۔ (مطبوعہ لکھنؤ ۱۸۷۲ء)۔

۲۔ تحقیق الجہاد۔ یہ کتاب انگریزی زبان میں ہے اور بڑے معرکہ کی کتاب ہے۔ عیسائیوں کی طرف سے اسلام پر یہ بہت بڑا اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ مذہب جہاد کے ذریعہ یعنے بزور شمشیر دُنیا میں پھیلایا گیا ہے۔ مرحوم نے نہایت خوبی اور بسط کے ساتھ جہاد کی حقیقت اور ماہیت پر بحث کی ہے۔ اور یہ ثابت کیا ہے کہ آنحضرت صلعم کے زمانہ میں جو جو لڑائیاں ہوئیں، وہ تمام حالت مجبوری میں اور اپنے بچاؤ کے لئے تھیں۔ ان سے ہرگز اسلام کا بہ جبر پھیلانا یا کفار کا قتل کرنا مقصود نہ تھا۔ اس ضخیم کتاب میں یہ بحث اس شرح و بسط اور تحقیق و تدقیق کے ساتھ کی گئی ہے کہ آج تک کسی نے اس مسئلہ پر خوبی کے ساتھ بحث نہیں کی تھی۔ تمام بڑے بڑے یوروپین مصنفین مثلاً سر ولیم میور، ڈاکٹر اسپرنگر، ماکس ڈاڈ۔ ہیوز۔ سیل، ڈاکٹر سیموئیل گرین، باسورتھ اسمتھ وغیرہ نے جو اس بحث پر تحریریں لکھی ہیں، اُن کے اقوال نقل کرکے اُن پر تنقید کی

ہے اور ان کی غلطیاں دکھائی ہیں۔ مرحوم کی یہ کتاب درحقیقت نہایت قابل قدر ہے۔ اور کہا جاسکتا ہے کہ یہ کتاب دنیا میں اپنی نوعیت اور طرز کی ایک ہی کتاب ہے۔

۳۔ ریفارمز انڈر مسلم رول۔ اس کتاب کے متعلق ہم آخر میں مفصل بحث کریں گے۔

۴۔ محمد دی ٹرو پرافٹ۔ (محمد صلعم پیغمبر برحق ہیں)۔ یہ کتاب بھی انگریزی زبان میں ہے اور مرحوم کی تصانیف میں بڑے پایہ کی کتاب ہے۔ اس کتاب میں آنحضرتؐ کے لائف اور کیریکٹر کے متعلق تمام شکوک اور اعتراضات کو عالمانہ اور محققانہ تحقیق سے رفع کیا ہے۔ اور بڑے زور شور سے اس امر کو ثابت کیا ہے کہ محمد صلعم پیغمبر برحق ہیں۔

افسوس ہے کہ یہ کتاب اب تک کامل نہیں ملی، کچھ کچھ مطبوعہ حصے کہیں کہیں سے دستیاب ہوئے ہیں۔ نہ یہ معلوم ہوا کہ یہ کتاب طبع کہاں ہوئی تھی۔ خود مرحوم کے ہاتھ کے لکھے ہوئے مسودے بھی موجود ہیں۔ مگر وہ بھی کسی قدر ناقص ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ایک بار یہ کتاب کسی وجہ سے چھپتے چھپتے رہ گئی تھی اور مصنف نے دوبارہ بعد ترمیم و اضافہ کے چھپوائی، چنانچہ ہمارے پاس ہر دو مطبع کے پروف موجود ہیں۔ اگر کسی صاحب کے پاس یہ کتاب کامل موجود ہو تو اس قابل ہے کہ چھپوا دی جائے ورنہ کم سے کم اس کا ترجمہ ضرور طبع کرا دیا جائے۔ آج کل کے زمانہ میں اور خاص کر تعلیم یافتہ نوجوان مسلمانوں کے لئے ایسی کتابوں کی بہت سخت ضرورت ہے۔

۵۔ اسلام کی دُنیوی برکتیں۔ اس رسالے میں مرحوم نے یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام دنیا میں کن کن برکات کے نزول کا باعث ہوا ہے۔ اور اہل عالم کو اس سے کیا کیا نعمتیں حاصل ہوئی ہیں۔ یہ کتاب پنجاب میں کئی بار طبع ہو چکی ہے۔ بہت دلچسپ اور مفید کتاب ہے۔

۶۔ قدیم قوموں کی مختصر تاریخ۔ ایام الناس ایک اُردو کا چھوٹا سا رسالہ ہے قرآن مجید پر ایک یہ اعتراض بھی کیا جاتا ہے کہ اس میں بعض ایسی قوموں کا ذکر

ہے جن کا دنیا میں کبھی وجود ہی نہ تھا، اور یہ صرف بے بنیاد قصّے اور فسانے ہیں۔ مرحوم نے عجیب و غریب تحقیق و تدقیق اور کاوش سے ان اقوام کا تاریخی ثبوت بہم پہنچایا ہے، اور قدیم یونانی اور عبرانی کتابوں سے مدد لی ہے، اور ثبوت میں ان قدیم مؤرخوں کی تاریخوں کو پیش کیا ہے جن میں ثمود و عاد کا ذکر ہے اور وہ سب نزول قرآن پاک سے کئی صدیوں پیشتر کی تصنیف ہیں۔ یہ رسالہ صرف ایک دفعہ طبع ہوا ہے اب نہیں ملتا۔

مرحوم نے کئی رسالے مثلاً بی بی ہاجرہ، ماریہ قبطیہ، تعلیق نیاز نامہ وغیرہ نا تمام چھوڑے لیکن ان سب سے زیادہ قابل قدر اور بے مثل کتاب "العلوم الجدیدۃ والاسلام" ہے جسے وہ اپنی آخری عمر میں لکھ رہے تھے۔ اور جس کا ابتدائی حصہ تہذیب الاخلاق سلسلۂ جدید کی جلد دوم کے ابتدائی پرچوں میں چھپ چکا تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ اُن کی بے وقت موت نے اس بے نظیر کتاب کو پورا نہ ہونے دیا۔ یہ کتاب درحقیقت مصنّف نے سرسید مرحوم کے ایک سوال کے جواب میں لکھنی شروع کی تھی۔ اس کی پوری حقیقت ظاہر کرنے کے لئے ہم یہاں سرسید مرحوم کا وہ خط نقل کرتے ہیں جس میں اُنہوں نے اس تصنیف کے موضوع پر بحث کی ہے :-

"نواب اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی صاحب کو جو مضمون لکھنا ہے وہ نہایت ہی مشکل "اور نہایت دل چسپ اور نہایت مفید و بکار آمد ہے۔ ابھی تک اُنہوں نے صرف تمہید "ہی تمہید لکھی ہے۔ فلسفہ کے طرفداروں اور مخالفوں کا حال لکھا ہے۔ ان کے نام اور "اُن کا زمانہ بتایا ہے۔ پھر علمائے اسلام میں جو بڑے بڑے فلسفی گزرے ہیں ایک ایک کو "گنایا ہے۔ اس کے بعد اب وہ اصل مضمون کی تحریر پر متوجہ ہوں گے۔ جس کو ہمارے ناظرین "اخبار پڑھ کر اُمید ہے کہ تعجّب کریں گے۔ نواب اعظم یار جنگ درحقیقت ایک لاحل سوال "حل کرنے پر مستعد ہوئے ہیں۔ معلوم نہیں کہ ہمارے ناظرین پرچہ کو اس کا کہ وہ کیا سوال "ہے خیال ہے، یا نہیں اس لئے ہم سوال کو بطور یاددہانی کے اس مقام پر چھاپتے ہیں "تاکہ ان کو معلوم ہو کہ کیسا مشکل لاحل سوال ہے۔ اور اس کا جواب جو ہو وہ کیسا قابل "توجہ اور ہماری قوم کے لئے فائدہ مند ہوگا۔ مدت سے یہ سوال کیا گیا ہے اور آج تک

"کسی نے اس کا جواب نہیں دیا۔ خدا کرے کہ نواب صاحب ممدوح پورا اور قابل تشفی جواب دیں۔
سوال مذکور یہ ہے :۔
"اکثر لوگوں کی رائے میں یہ مسلم ہے کہ یوروپین علوم و فنون کی تعلیم عقائد اسلام سے برگشتگی
"پیدا کرتی ہے۔ اور ان کی رائے میں اس کا علاج اُن علوم کے ساتھ دینی علوم کی اعلیٰ درجہ
"کی تعلیم دینا ہے۔ اگر یہ رائے صحیح ہے تو یوروپین علوم و فنون کے اُن مسائل اور اُن کے
"دلائل کو جو اس برگشتگی کا باعث ہیں بیان کرنا چاہیئے۔ اور اُن کتب دینیہ اور اُن مقامات
"کا نشان دینا ضرور ہے جن کے تعلیم میں داخل کرنے سے اس برگشتگی کی روک ہو سکے مع
"اس بیان کے کہ کس وجہ سے وہ کتابیں اور مقامات روک ہو سکیں گی۔ اگر یہ رائے
"صحیح نہیں تو جہاں تک مفصل اور دلیل سے اس کی عدم صحت کا بیان ممکن ہو بیان کیا جاوے"
(تہذیب الاخلاق جلد دوم نمبر ۲ مطبوعہ یکم ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ)

اس کے بعد سر سید مرحوم نے اس کتاب کے متعلق تحریر فرمایا ہے کہ :۔
"جس سوال کا جواب نواب اعظم یار جنگ بہادر کو لکھنا ہے۔ اس جواب کے قبل اُنہوں نے
"بہت سی تمہیدات قائم کی ہیں۔ ہم سے لوگ دریافت کرتے ہیں کہ اصل سوال کا جواب کب
"آئے گا۔ واضح ہو کہ نواب صاحب ممدوح کا ایک خط ہمارے پاس آیا ہے۔ اس میں انہوں نے
"لکھا ہے کہ ان کے جواب کے مضامین کی ترتیب کیونکر ہے۔ ہم اس خط کو جہاں تک ترتیب
"مضامین سے متعلق ہے ذیل میں چھاپتے ہیں :۔

انتخاب خط

"وہ لکھتے ہیں کہ "چھٹی صدی تک کے حکمائے اسلام کی فہرست بھیج دی گئی ہے (جو چھپ بھی
"گئی ہے) اس کے بعد تھوڑا سا ذکر اس انقلاب عظیم کا ہے جو ایشیائی اسلامی دنیا میں چنگیز خاں
"کی طرف سے ہوا اور اس کی وجہ سے تصنیف و تعلیم علوم حکمیہ بند ہو گئی۔ اس کے بعد حال
"کے زمانہ تک کے اہل حکمت و منطق کی فہرست مختصر سی ہے۔ اس کے بعد تصنیفات یعنے کتب
"مصنفہ علوم حکمیہ و معقولات کا بیان ہے۔ اس کے بعد اسلام میں مختلف فرقے پیدا ہونے کا
"ذکر ہے۔ اور معتزلہ اور دیگر متکلمین کے اسماء مذکور ہوئے ہیں۔ اس کے بعد کتب علم کلام و عقائد
"کی تفصیل ہے۔ ان سب کے بعد اب اصل بحث آتی ہے کہ علم کلام و عقائد کے رو سے کون کون سا
"مسئلہ حکما و فلاسفہ کے خلاف ہے اور انہیں مسائل کے متعلق علوم جدیدہ میں ان کی تائید ہوتی
"ہے یا مخالفت۔ اور بتایا گیا ہے کہ علوم جدیدہ ان مسائل اختلافیہ میں علم کلام کی تائید میں ہیں
"اور علم کلام کے ذکر کے قبل یہ میں لکھنا بھول گیا ہوں کہ علوم دینیہ کیا کیا ہیں۔ اور وہ کہاں تک
"فلاسفہ و حکمت کے اعتراضات کی تردید کر سکتے ہیں۔ فقہ و تفسیر و حدیث حکما کے مقابلہ میں کچھ

کارآمد نہیں ہیں۔ اور اس غرض سے علم کلام ایجاد کیا گیا تھا مگر اب وہ بھی مفید و کارآمد نہیں
"رہا۔ اخیر پر اس سوال کا جواب ہے جو اس مضمون کی ابتدا میں تھا۔ اس کے بعد میں کچھ
"اس کا ذکر ہوگا کہ اب تک اس قسم کی کتابیں جن میں تطبیق بین الحکمۃ والاسلام ہوتی ہے
"کیا کیا تصنیف ہوئیں اور آیندہ کس قسم کی کتابیں تصنیف ہونی چاہئیں۔ غرض کہ یہ ایک
"مختصر سی کیفیت اور فہرست مضامین رسالہ ہے جو آپ کی اطلاع کے لئے عرض کی گئی۔ والسلام"
(تہذیب الاخلاق جلد دوم نمبر ۳ مطبوعہ یکم ذی الحج ۱۳۱۲ھ)

افسوس ہے کہ اسی زمانہ میں مولوی چراغ علی مرحوم کا انتقال ہو گیا۔ جب سید کو نواب صاحب مرحوم کے انتقال کی خبر پہنچی تو انہوں نے تہذیب الاخلاق میں جو آرٹیکل اس حادثہ جاں گزا پر لکھا ہے اس میں اس مضمون کے متعلق یہ تحریر فرمایا ہے۔

"افسوس ہے کہ وہ مضمون اور لاحل سوال کا جواب جو انہوں نے تہذیب الاخلاق میں لکھنا
"چاہا تھا ناتمام رہ گیا۔ اور اب اُمید نہیں ہے کہ کوئی شخص اس لاحل سوال کو حل کرے گا"
(تہذیب الاخلاق جلد دوم نمبر ۴ مطبوعہ یکم محرم ۱۳۱۳ھ)۔

اس ناتمام رسالہ کے متعلق ہم نے کسی قدر تفصیل سے اس لئے بحث کی ہے کہ ناظرین کو اس مضمون کی اہمیت معلوم ہو جائے اور نیز یہ بھی ظاہر ہو جائے کہ مرحوم اس پایہ کے شخص تھے کہ اُن کے بعد ہندوستان کے مسلمانوں میں کسی کی یہ ہمت نہ ہوئی کہ اس سوال کے جواب پر قلم اُٹھائے۔ اس کتاب کے ناتمام رہنے میں مرحوم کا کچھ قصور نہ تھا۔ یہ اللہ کی مرضی تھی کہ اُنہیں ایسے وقت میں اُٹھا لیا۔ جبکہ انہیں ابھی بڑے بڑے کام کرنے تھے۔ اور افسوس کہ جن لوگوں کی نظریں اس اہم سوال کے جواب پر لگی ہوئی تھیں۔ انہیں مایوس ہونا پڑا۔

علاوہ مذکورہ بالا تصانیف کے مرحوم کے متعدد رسالے مثلاً غلامی، قسمتری، تعدد ازدواج، ناسخ و منسوخ، رد شہادت قرآنی بر کتب ربانی مصنفہ سر ولیم میور وغیرہ دستیاب ہوئے ہیں، جو بڑی محنت اور تحقیق سے لکھے گئے ہیں۔ چونکہ اس مقدمے کے لکھنے کے بعد ملے، لہٰذا انشاء اللہ پھر کسی وقت اس پر بحث کی جائے گی۔

اب ہم کتاب زیر دیباچہ یعنی "اعظم الکلام فی ارتقاء الاسلام" مجوزہ اصلاحات

سیاسی و تمدنی و فقہی زیر حکومت اسلام" پر کسی قدر تفصیلی نظر ڈالتے ہیں۔

اس کتاب کا باعث تصنیف یہ واقعہ ہوا کہ انگلستان کے ایک پادری کپتین ملکم میکال نے کن ٹم پورے ری ریویو بابت ماہ اگست ۱۸۸۱ء میں ایک مضمون اس عنوان سے لکھا تھا کہ "کیا زیر حکومت اسلام اصلاحات کا ہونا ممکن ہے"۔ اس مضمون میں پادری صاحب نے اس بات پر زور دیا ہے کہ اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو زمانۂ حال کے بالکل نامناسب ہے اسلامی سلطنت میں کسی اصلاح کی توقع رکھنی فضول ہے کیونکہ اسلامی سلطنت درحقیقت الٰہی سلطنت ہے۔ جس کے تمام قواعد خواہ مذہبی ہوں یا تمدنی دیوانی یا فوجداری سب خدا کے مقرر کئے ہوئے ہیں اور اس لئے اس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل ممکن نہیں۔ لہٰذا جب تک مسلمان مذہب اسلام کو ترک نہ کردیں گے اس وقت تک وہ ترقی نہیں کرسکتے۔ پادری صاحب نے اس مضمون میں (نیز اپنے دیگر مضامین میں بھی) سخت تعصب' بے تمیزی، زبان درازی اور ناانصافی سے کام لیا ہے۔ ایسے روشن زمانے میں جب کہ یورپ میں سرد مہر سائنس نے تعصب کے جنون کو بہت کچھ دھیما کردیا ہے ایک ایسے عالم شخص کے قلم سے ایسے مضامین کا نکلنا ایک تعجب خیز امر ہے۔ خاص کر دولت عثمانیہ کے خلاف پادری صاحب نے بہت کچھ زہر اُگلا ہے۔ اور وہ ہرگز یہ نہیں چاہتے کہ اس کا وجود یورپ میں باقی رہے۔ اس بارے میں وہ مسٹر گلیڈسٹون آنجہانی اور مسٹر اسٹیڈ اڈیٹر ریویو آف ریویوز کے ہم خیال ہیں۔ ریورنڈ موصوف کے اسی مضمون کے جواب میں مولوی چراغ علی مرحوم نے یہ کتاب لکھی۔ اور درحقیقت نہایت پُرزور مدلل اور جامع کتاب لکھی ہے۔ جس میں ان تمام بڑے بڑے اعتراضات کا جواب آگیا ہے جو عموماً اور اکثر اسلام پر ہوتے آئے ہیں اور اب بھی ہوتے ہیں۔ اب تک کسی شخص نے ان اعتراضات کا جواب اس طرز سے اور اس جامعیت کے ساتھ نہیں دیا تھا

اس کتاب کو مصنف مرحوم نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے حصہ میں پولٹیکل (سیاسی) اصلاحات کا ذکر ہے اور دوسرے حصہ میں سوشل (تمدنی) اصلاحات کا۔ اور کتاب کے شروع میں مصنف نے ۸۰ صفحات کا ایک مقدمہ لکھا ہے۔ جو ایک محققانہ اور عالمانہ تحریر ہے۔

اس سے قبل کہ ہم اس کتاب کے مضامین پر نظر ڈالیں ہم اس دھوکے کو اُٹھا دینا ضروری سمجھتے ہیں جو ناظرین کو "اصلاحات" کے لفظ سے پیدا ہو گا۔ مولوی صاحب مرحوم کا مقصد صرف اس قدر ہے کہ اسلام ترقی اور اصلاح کا مانع نہیں ہے، اور خلیفۂ وقت بلحاظ اقتضائے زمانہ پولٹیکل اور سوشل امور میں جدید اصلاحات کے جاری کرنے کا مجاز ہے، اور جو لوگ اس کے مخالف ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ فلاں فلاں احکام مذہب کے رو سے مسلمان اس زمانہ میں ترقی نہیں کر سکتے، اُن کی احکام الٰہی و رسول کے حوالہ سے تردید کی ہے۔ ان کا مقصد صرف اس قدر ہے کہ خدا اور رسول نے ہرگز اس قسم کی اصلاحات کی مخالفت نہیں کی اور اُن کا ہونا ہر زمانے میں ممکن ہے اور بس۔ اب رہی یہ بحث کہ موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کو کن اسباب سے انحطاط ہوا، اور وہ کون سے ذرائع ہیں جو اُن کی ترقی کا باعث ہو سکتے ہیں، اس کتاب کے موضوع اور مولوی صاحب کے مقصد سے خارج ہے۔ اس زمانے میں یہ سرسید احمد خاں، مولوی جمال الدین افغانی اور مصطفٰے کامل پاشا کا حصہ تھا، اور جن لوگوں کو اس بحث سے دلچسپی ہو وہ ان تینوں بزرگوں کے حالات اور اعمال کو مطالعہ فرمائیں۔

کتاب کے مقدمہ میں مصنّف نے فقہ کے مذاہب اربعہ و اصولِ فقہ پر بھی بحث کی ہے اور اس امر کو ثابت کیا ہے کہ علم فقہ محض ایک ظنی علم ہے۔ اور اس میں آب وہوا، رسوم و عادات، انسانی خواہشات و ضروریات، سیاسی و تمدنی حالات

معاملات کا لحاظ رکھنا پڑتا ہے۔ اور ایک حد تک انہیں امور کے اختلاف کی وجہ سے مذاہب فقہ میں اختلاف پیدا ہوا۔ علاوہ اس کے بانیانِ مذاہب فقہ نے کبھی یہ دعوےٰ نہیں کیا اور نہ کرسکتے تھے کہ ان کا اجتہاد قطعی ہے اور اس میں کوئی تغیّر و تبدّل نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اُن کو کوئی حق نہ تھا کہ وہ آیندہ آنے والی نسلوں کو اپنے اجتہادات کا ایسا ہی پابند کر دیں جیسا کہ اپنے زمانہ کے لوگوں کو۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف زمانوں میں ایک ہی مسئلہ پر مختلف فتوے دئے گئے ہیں اور اس اختلاف کی وجہ زیادہ تر اقتضاء و ضروریات زمانہ تھیں۔ مقلّدین کا یہ کہنا کہ چار ائمۂ فقہ کے بعد کسی کو حق اجتہاد کا نہیں ہے کسی طرح قابل قبول نہیں ہے اکثر یوروپین مصنفوں نے جو مقلدین کے اقوال کے مطابق ان چار ائمہ کے اجتہادات کو قطعی اور ناقابل تبدیل خیال کر کے اسلام کے متعلّق استدلال کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ مولانا بحر العلوم نے بہت بڑی اور سچّی بات کہی ہے کہ" مقلدین کا یہ خیال سراسر حماقت ہے اور یہ لوگ ان میں ہیں جن کی نسبت حدیث پیغمبر صلعم میں یہ کہا گیا ہے کہ وہ بغیر علم کے فتوے دیتے ہیں، خود گمراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں۔ اور وہ یہ نہیں سمجھتے کہ ایسا کہنا گویا علم غیب کا دعوےٰ کرنا ہے جو سوائے خدا کے کسی کو نہیں"۔

اب فقہ کی بنیاد صرف چار چیزوں پر ہے۔ قرآن[۱]۔ حدیث[۲]۔ اجماع[۳] اور قیاس[۴]

قرآن کا یہ دعوےٰ نہیں ہے کہ وہ کوئی پولٹیکل (سیاسی) اور سوشل (تمدنی) قانون باضابطہ ہے، بلکہ اس کی اصل غایت قوم عرب میں نئی روح پھونکنی، قومیت کی شان پیدا کرنی اور دُنیا کو اخلاقی و مذہبی تعلیم دینی تھی۔ لیکن چونکہ اس وقت عرب اور دنیا میں بعض ایسے قبیح اور مذموم رواج جاری تھے جن کا تعلق سیاست و تمدن سے تھا۔ لہٰذا ان کا استیصال کرنا یا ان کی اصلاح کرنا اس کا فرض تھا۔ اور اس لئے

اس کے متعلق چند معقول، معتدل اور منصفانہ ہدایات کی گئی ہیں۔ آیات احکام کو جو کلھم دوسَو بیان کی جاتی ہیں یہ سمجھ لینا کہ وہ باضابطہ پولٹیکل اور سول قواعد ہیں صحیح نہیں ہے۔ اکثر یہ کیا گیا ہے کہ آیات کے واحد الفاظ ناقص جملوں اور الگ الگ فقروں کی تعبیر کرکے قانون بنا لیا گیا ہے اور قرآن کی اصل تعلیم اور منشاء کو نظر انداز کر دیا ہے۔

رہی حدیث سو ایک دریائے ناپید اکنار ہے اور رطب و یابس، جھوٹ سچ کا ایک ایسا طومار ہے کہ اس میں سے کھرے کھوٹے کا پرکھنا محال ہو گیا ہے۔ صحاح ستہ تیسری صدی ہجری میں لکھی گئیں۔ ان نیک نیت بزرگوں نے احادیث کی صحت کا معیار راوی کی صداقت اور اس کے اعلےٰ اخلاق اور اتقا اور سلسلہ روایت کو پیغمبر صلعم یا صحابہ تک پہنچنے کو قرار دیا ہے۔ مضمون حدیث سے بحث نہیں کی۔ عقلی اصول سے پرکھنا دوسروں کا کام ہے۔ اور اس لئے تمام حدیثیں ایسی نہیں ہیں جن کا ماننا لازم ہو۔ آنحضرت نے کبھی اپنے متبعین کو احادیث کے جمع کرنے کی ہدایت نہیں فرمائی اور نہ کبھی صحابہ نے ایسا کرنے کا خیال کیا۔ اور اس سے صاف ظاہر ہے کہ اُن کا کبھی یہ منشاء نہ تھا کہ وہ ملک کے پولٹیکل و سوشل قوانین میں مداخلت کریں۔ ہاں البتہ اُن امور میں جو آپ کی روحانی اور اخلاقی تعلیم کے مخالف تھے آپ نے ضرور مداخلت کی اور اس کی اصلاح فرمائی۔ اور اس میں شُبہ نہیں کہ ایسا نظام جو غیر متیقّن اور ناقص احادیث پر قائم ہے قطعی اور غیر متبدل نہیں ہو سکتا۔

اجماع کے متعلق بڑے بڑے فقہا کو اختلاف ہے یا بعض مجتہدین یا فُقہا نے جو شرائط قائم کی ہیں اُنہیں دیکھا جائے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اجماع ایک ناقابل عمل اور ناممکن اصول ہے۔ اس پر مصنف نے اپنے مقدمہ میں مفصل بحث کی ہے جس کے

دیکھنے سے معلوم ہو گا کہ فقہ کا یہ اصول کہاں تک کارآمد اور قابلِ عمل ہو سکتا ہے۔

قیاس۔ اُس استدلال کو کہتے ہیں جو قرآن یا حدیث یا اجماع سے کیا جائے۔ علت قیاس کے لئے اُن میں سے کسی ایک کا ہونا ضرور ہے۔ لیکن یہ تمام استدلال شبہ سے خالی نہیں۔ اور سند نہیں ہو سکتے ہیں۔ مگر باوجود اس کے قیاس کو فقہ میں بہت بڑا دخل ہے۔ فقہا کو اجماع سے زیادہ قیاس میں اختلاف ہے۔ اور بڑے بڑے جیّد فقہا اور علما نے اس کے ماننے سے انکار کیا ہے۔

غرض یہ کہ اگرچہ اسلامی فقہ کے بعض ضابطے اپنے اپنے زمانہ کے لحاظ سے بہت مناسب اور معقول تھے۔ لیکن موجودہ ضروریات کے لئے کافی نہیں ہو سکتے۔ کوئی شے سوائے قرآن پاک کے قطعی اور ناقابل تبدیل نہیں۔ لہذا اس زمانے بھی اجتہاد کا وہی حق حاصل ہے جو پہلے زمانہ میں تھا۔ بشرطیکہ وہ احکام قرآن سے مطابق ہوں اور مصنف کی رائے میں یہ حق اجتہاد سلطان روم کو بحیثیت خلیفہ کے حاصل ہے۔ بحیثیت خلیفہ کے سلطان روم کسی مذہب فقہ کے مقلّد نہیں ہیں۔ خلفائے راشدین ان مذاہب فقہ سے پہلے گزرے ہیں اور بعد کے خلفا کے زمانہ میں مختلف ممالک اسلامیہ میں مختلف فقہی تغیّر و تبدل ہوتے رہے ہیں۔ اور اس لئے سلطان روم بحیثیت خلیفہ کے موجودہ ضروریات و حالات کے مطابق ضروری تبدیلیاں کر سکتے ہیں۔ اور غالباً اسی خیال کی بنا پر مصنّف نے اپنی کتاب کو سلطان عبدالحمید خاں کے نام سے معنون کیا تھا۔

مصنف نے اپنی کتاب میں تمام سیاسی، تمدنی اور فقہی اصلاحات کی بنائے قرآن پر رکھی ہے اور تمام اُن اعتراضات کو جو مخالفین کی طرف سے اسلام پر وارد کئے گئے ہیں اور نیز اُن غلطیوں کو جو مسلمانوں میں رائج ہو گئی ہیں قرآن سے رد کیا ہے۔ قرآن روحانی اور اخلاقی ترقی کے لئے ہے۔ وہ قانونی ضابطہ نہیں ہے

اور اس لئے آزادی رائے اور علمی و اخلاقی و قانونی تغیرات کا مانع نہیں ہے۔

مصنف نے دو واقعے ایسے بیان کئے ہیں جس سے صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت صلعم دنیاوی معاملات میں اپنی رائے کو کبھی قطعی اور ہر حالت میں قابل پابندی نہیں سمجھتے تھے۔ دوسرے آپ نے صاف طور سے آزادی رائے کی اجازت دی ہے۔

پہلا واقعہ امام مسلم سے مروی ہے کہ جب آنحضرت صلعم مدینہ کو آرہے تھے تو آپ نے دیکھا کہ بعض لوگ کھجوروں میں نر و مادہ کا جوڑ لگا رہے ہیں۔ آپ نے انہیں ایسا کرنے سے منع کیا۔ لوگ آپ کے ارشاد کے مطابق اس سے باز رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس سال کھجوروں کی فصل خراب رہی۔ جب اس کی خبر آپ کو پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ "میں محض بشر ہوں۔ جب میں مذہبی معاملہ میں کچھ ہدایت کروں۔ تو اس پر عمل کرو۔ لیکن جب میں دوسرے معاملات میں کچھ کہوں تو مجھے محض بشر سمجھو" (مقدمہ حصہ اول صفحہ ۳۴)۔

یہ واقعہ بیّن ثبوت اس بات کا ہے کہ آنحضرت ؐ نے سول اور پولٹیکل معاملات میں اپنی رائے کو کبھی ناقابل تبدیل اور قطعی قرار نہیں دیا۔ بلکہ اس میں کامل آزادی عطا فرمائی ہے۔ دوسرا واقعہ ترمذی۔ ابوداؤد اور دارمی سے مروی ہے کہ آنحضرت ؐ نے جب معاذ بن جبل کو یمن کا والی بنا کر بھیجا تو اس سے سوال کیا کہ تم لوگوں کے معاملات کو کیونکر چکاؤ گے۔ اس نے جواب دیا "کلام اللہ کے مطابق"۔ پھر فرمایا "اگر تمہیں کلام اللہ میں کوئی بات نہ ملے تو" جواب دیا کہ "میں پیغمبر کی نظیر سے کام لوں گا" کہا کہ "اگر کوئی ایسی نظیر نہ ملے تو" اس کے جواب میں معاذ نے کہا "میں اپنی رائے پر عمل کروں گا۔ (اجتہد رائی)" آنحضرت ؐ نے معاذ کے اس معقول جواب پر خدا کا شکر ادا کیا۔ (مقدمہ حصہ اول صفحہ ۳۵)

معاذ کے جواب پر خدا کا شکر ادا کرنا بتاتا ہے کہ آنحضرت صلعم دُنیاوی معاملات میں آزادی رائے کو کس قدر دل سے پسند فرماتے تھے۔

مصنف نے کتاب کے دو حصے کئے ہیں، ایک پولٹیکل یعنے سیاسی اصلاحات، دوسرا سوشل یعنے تمدنی حالات۔

پہلے حصہ میں ان امور پر بحث کی گئی ہے :-

۱۔ پادری میکال صاحب کے خیال میں اسلامی سلطنتیں الٰہی سلطنتیں ہیں جن کے قوانین وضوابط میں کسی قسم کی تبدیلی ممکن نہیں۔ مصنف نے اس قول کی تردید کی ہے۔ اور اس امر کو ثابت کیا ہے کہ پہلے چار یا پانچ خلفاء اسلام کی حکومت جمہوری قسم کی تھی۔ اسی لئے پہلے چار یا پانچ خلفاء خلفائے راشدین کہلاتے ہیں اور ان کے بعد کے "خلفائے جور" یا "مُلک عضوض" تھے۔ چونکہ ابتدائی زمانہ میں سیاست اور حکومت کے چلانے کے لئے کوئی قانون ضابطہ نہ تھا۔ بنو امیہ کے زوال کے بعد خلفاے عباسیہ کے عہد میں کچھ تو جان و مال کی حفاظت کچھ کاروبار سلطنت کے چلانے کے لئے اور کچھ بادشاہوں اور خلیفوں کی خواہشات پورا کرنے کے لئے قرآن پاک کی آیتوں کی طرح طرح کی تعبیریں اور تاویلیں کیں اور اپنے مطلب کے موافق استدلال کئے اور جھوٹی سچی حدیثیں پیش کر کے دُنیا پرست فرماں رواؤں کے اعمال کو جائز قرار دیا۔

شریعت اسلام نہ تو پیغمبر صلعم نے لکھی ہے نہ آپ نے لکھوائی ہے نہ آپ کے زمانے میں لکھی گئی اور نہ پہلی صدی ہجری میں مرتب ہوئی۔ اور جس قدر اصول اور رواج اور کاروبار سلطنت اور جان و مال کی حفاظت کے لئے قواعد اس میں درج ہیں وہ قرآن کے احکام پر مبنی نہیں ہیں۔ لوگوں نے عموماً اور یوروپین نے خصوصاً قرآن اور شریعت کو گڈمڈ کر دیا ہے۔ اور اس لئے ساری خرابی اس

عدم امتیاز سے پیدا ہوئی ہے۔ اگر اس فرق کو سمجھ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اسلام ایسا مذہب نہیں جو انسانی ترقی کے راہ میں حائل ہو بلکہ ٹھیٹ اسلام میں بذاتہ ایک ترقی ہے اور اس کے اصول ایسے جاندار ہیں کہ ان میں جدید حالات اور عقل و حکمت کی مطابقت کی کامل صلاحیت موجود ہے۔

۲- دوسرا اعتراض پادری صاحب کا یہ ہے کہ اسلام کا حکم غیرمسلموں کے حق میں یہ ہے کہ یا تو وہ اسلام قبول کریں یا غلامی یا موت۔ اور یہی سلطان روم کی حکومت میں ہوتا ہے۔

مصنف نے اس کی تردید بڑے زور شور سے کی کہ نہ آنحضرت صلعم کی ایسی تعلیم ہے اور نہ قرآن میں کوئی ایسا حکم ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو اسلام میں غیرمسلموں سے کبھی رواداری یا مسالمت کا برتاؤ نہ کیا جاتا۔ اس کے بعد مصنف نے قرآن کی مدنی اور مکّی سورتوں میں سے کوئی (۳۴) آیتیں پیش کی ہیں جن میں غیر مسلموں کو اپنے مذہب میں کامل آزادی عطا کی گئی ہے۔ علاوہ اس کے فقہ کو الٰہی کلام ہونے کا حق نہیں جو وہ ایسا حکم جاری کرے۔ یہاں تک کہ کٹر فقہا کی کتب میں بھی ایسا چنگیزی حکم نہیں پایا جاتا۔ ہدایہ و دیگر کتب فقہ سے اپنے اس دعوے کو ثابت کیا ہے اور جہاں جہاں ان فقہا نے قرآن کی آیات سے تجاوز کیا ہے اور استدلال میں غلطی کی ہے اُسے صاف طور سے دکھایا ہے

۳- اس کے بعد اس امر پر بحث کی ہے کہ آنحضرت صلعم کے زمانہ میں جس قدر جنگیں ہوئیں وہ سب اپنی حفاظت کے لئے تھیں۔ اس بحث پر مصنف نے ایک الگ کتاب لکھی ہے جس کا ترجمہ عنقریب طبع ہونے والا ہے۔ لہٰذا اس کی بحث زیادہ تر تفصیل کے ساتھ اس کتاب میں آئے گی۔

۴- پادری میکال کا ایک اور بڑا اعتراض یہ ہے کہ "شرع اسلام نے

غیر مسلموں کے حق میں مساوی حقوق عطا کرنے کی ممانعت کر دی ہے" علاوہ دیگر براہین کے مصنّف نے اس کی تردید میں آنحضرت صلعم کے دو فرمان پیش کئے ہیں جو آنحضرت صلعم نے یہودیوں اور عیسائیوں کے بارے میں صادر فرمائے ہیں جن میں آنحضرت صلعم نے تمام مسلمانوں کو تاکید فرمائی ہے کہ وہ ان کی مدد کریں اور کسی قسم کی تکلیف نہ دیں۔ اگر کوئی دشمن ان پر حملہ کریں۔ تو انہیں بچائیں اور دونو اپنے اپنے مذہب پر رہیں۔ عیسائیوں کے گرجاؤں کی حفاظت کریں کسی زائر کو زیارت سے نہ روکیں۔ گرجا گرا کر مسجد یا مکان نہ بنائیں۔ اگر کوئی دشمن مسلمانوں پر حملہ کرے تو عیسائیوں کے لئے ضرور نہیں کہ وہ مسلمانوں کی حمایت میں لڑیں۔ اگر کوئی عیسائی عورت مسلمان سے شادی کرے تو اپنے مذہب پر قائم رہ سکتی ہے اور اس اختلاف مذہب کی وجہ سے اسے تکلیف اور ایذا نہ پہنچائی جائے۔ اور پھر یہ حکم دیا ہے کہ جو اس کی پابندی نہ کرے گا وہ پیغمبر اور خدا کی نظروں میں نا انصاف اور نا فرمان ٹھیرے گا۔ ایسی بے نظیر رعایتوں پر بھی اگر مسلمان جابر اور متعصب کہلائیں تو صریح نا انصافی اور تاریخ کا خون کرنا ہے۔

اسی ضمن میں مصنف نے دار الحرب اور دار الاسلام۔ جزیہ، حقوق ذمیان رقیق و مملوک، شہادت غیر مسلم، تعمیر گرجا پر بڑی لطیف اور دلچسپ بحثیں کیں اور نہایت مدلّل طور پر ثابت کیا ہے کہ اسلام نے مسلم و غیر مسلم دونو کو قانونی حقوق مساوی طور پر دئے ہیں۔ چونکہ پادری میکال کا حملہ اسلام پر عموماً اور ترکی پر تخصیص کے ساتھ تھا۔ لہذا مصنف نے معاملات ترکی پر بحث کر کے فرمایا ہے کہ سلطنت عثمانیہ عیسائیوں کے حق میں نہایت نرمی اور رواداری کا برتاؤ کرتی ہے اور بعض حالتوں میں مسلمانوں سے زیادہ ان کے ساتھ رعایات مرعی

رکھی جاتی ہیں۔ اور اس بارے میں اُن بڑے بڑے یورپین مصنفین اور مدبّرین
کی رائیں پیش کی ہیں جو معاملات سلطنت عثمانیہ سے خاص واقفیت رکھتے ہیں
یا جنہیں بحیثیت سفیر ہونے کے ایک مدت دراز تک وہاں رہنے کا اتفاق ہوا
ہے۔ اور اس کے ساتھ ایک فہرست ان بڑے بڑے عیسائیوں عہدہ داروں
کی دی ہے جو ترکی سلطنت میں مامور ہیں۔ خصوصاً اس ضمن میں مصنف نے جو
محاصرہ وآرنا کا ایک واقعہ بیان کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ترکوں سے
بڑھ کر کوئی قوم دنیا میں عیسائیوں سے ایسا شریفانہ برتاؤ نہیں کر سکتی۔ یہاں
تک کہ خود عیسائی بھی اپنے ہم قوموں سے ایسی رعایت کی توقع نہیں کر سکتے
لکھا ہے کہ ہنیاڈیس نے جو رومن کیتھلک مذہب پر تھا برین کووچ سے جو گریک
چرچ کا متبع تھا دریافت کیا کہ اگر فتح تمہاری ہوئی تو کیا کروگے اُس نے
جواب دیا کہ میں ہر شخص کو مجبور کروں گا کہ وہ رومن کیتھلک ہو جائے اس کے
بعد اس نے سلطان سے یہی سوال کیا تو سلطان نے جواب دیا کہ میں ہر مسجد
کے قریب گرجا بنواؤں گا اور انہیں اجازت دوں گا کہ خواہ وہ مسجد میں عبادت
کریں یا صلیب کے سامنے سر جھکائیں۔ جب اہل سرویا نے یہ جواب سنا تو انہوں
نے بہ نسبت لیٹن چرچ کے ترکوں اطاعت کو بہت غنیمت سمجھا (حصہ اول صفحہ
۸۱)۔ اسی طرح سلطان سلیم نے اول بارہا چاہا کہ عیسائیوں کے مذہبی رسوم کو
بند کردے یا انہیں تہ تیغ کر ڈالے۔ لیکن مفتی نے ہمیشہ منع کیا کہ ایسا کرنا احکام
قرآن کے خلاف ہے۔ غرض مصنف نے مختلف تاریخی شہادتوں اور بڑے بڑے
اہل الرائے کی رایوں سے اس امر کو بخوبی ثابت کر دیا ہے کہ ترکی کا برتاؤ
عیسائیوں کے ساتھ ہمیشہ اچھا رہا ہے اور اب پہلے سے بھی اچھا ہے۔

اسی ضمن میں مصنّف نے جزیہ کا ذکر کیا ہے جس پر پادری میکال نے بہت

کچھ زہر اُگلا ہے اور لکھا ہے کہ عیسائی جزیہ دے کر ایک سال کے لئے اپنی جان بچاتا ہے اور ایک سال اور اپنی گردن پر سر قائم رکھنے کا مجاز ہوتا ہے۔ ذمیوں کے حقوق کا مصنف نے بڑی تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے اور قرآن اور اقوال و اعمال آنحضرت صلعم سے بڑے شد و مد کے ساتھ یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام نے جو حقوق غیر مسلم رعایا کو عطا کئے ہیں وہ کسی قوم نے اپنی غیر قوم کی رعایا کو نہیں دیئے اور یہ ٹکس جسے پادری صاحب "حق زندگی" سے تعبیر کرتے ہیں درحقیقت از روے شرع اسلام ان لوگوں کی حفاظت جان و مال کے لئے ہے جو مسلمانوں پر فرض ہے اور امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کا بھی یہی مذہب ہے۔ شرع میں یہاں تک رعایت ہے کہ اگر دو سال کا ٹکس جمع ہو جاوے تو صرف ایک سال کا لیا جاوے اور گزشتہ سال کا معاف کیا جاوے۔ مسلمانوں کو ذمیوں سے زیادہ مصیبت بھگتنی پڑتی ہے۔ اس لئے کہ وہ ملک کی حفاظت کے لئے لڑائیاں لڑتے اور اپنا خون بہاتے ہیں۔ پادری صاحب نے یہ اعتراض خاص کر ترکی پر کیا ہے۔ حالانکہ وہاں کی حالت یہ ہے کہ ہر مسلمان جوان پر فرض ہے کہ وہ پانچ سال تک فوج میں کام کرے اور سات سال فوج بحری میں اور اس کے بعد سات سال ریزرو میں رہتا ہے۔ عیسائی ان تمام تکلیفوں سے بری ہے۔ ترک اگر ان مشقتوں سے بچنا چاہے تو اسے دس ہزار پیاسٹر یعنے ۹۵ پونڈ ادا کرنے ہونگے۔ حالانکہ عیسائی صرف ۲۵ پیاسٹر یعنے چار شلنگ ۶ پنس ادا کر کے تمام تکلیفوں سے محفوظ اور تمام رعایتوں کا مستحق ہو جاتا ہے۔ مصنّف نے اس پر بڑی طول طویل اور عالمانہ بحث کی ہے۔

۵۔ پادری میکال نے ایک بڑا اعتراض یہ کیا ہے کہ شرع اسلام کا یہ قانون ہے اور بے شمار علما کا اس پر فتوے ہے کہ غیر مُسلموں کے ساتھ وعدے یا

معاہدے کا توڑ دینا روا ہے۔ پادری صاحب کا یہ اعتراض جس قدر بے بنیاد اور لغو ہے وہ ظاہر ہے۔ قرآن میں معاہدے کی کامل پابندی کی سخت تاکید ہے۔ اور پیغمبر خدا صلعم نے اس کی ہدایت کی ہے۔ چنانچہ عیسائیوں کو آپ نے بذریعہ تحریر جو حقوق دئے اُس کا ذکر ہو چکا ہے۔ اور یہی حال خلفاے راشدین کا تھا۔ چنانچہ حضرت ابوبکر رضؓ نے فوج کو نصیحت فرمائی تو اس میں یہ بھی فرمایا کہ "جب تم کسی سے معاہدہ کرو تو اس پر قائم رہو اور اسے پورا کرو" اسی طرح حضرت عمر رضؓ نے جو ایک ذمی کے ہاتھ سے شہید ہوئے تھے وفات کے وقت یہ وصیّت کی کہ ذمیوں کے ساتھ اپنے معاہدوں اور اقراروں کی پابندی کرو۔ ان کی حمایت میں ان کے دشمنوں سے لڑو اور ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ اُن پر نہ ڈالو"۔ اس کے علاوہ اسلامی تاریخ موجود ہے اُسے اٹھا کر دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ مسلمانوں نے غیر قوموں سے کیسے کیسے سلوک کئے کہ آج تک اس کی نظیر نہیں ملتی۔

۶۔ ایک بڑا اعتراض پادری میکال کا یہ ہے کہ اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے مصنف نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اول تو یہ قرآن کا حکم نہیں ہے۔ دوسرے خود فقہا میں اس مسئلہ کے متعلق اختلاف ہے۔ بلکہ بخلاف اس کے قرآن میں معافی کا حکم ہے۔ البتہ ایسے مرتد کو جو بغاوت کرتا ہے اور جنگ پر آمادہ ہے، قتل کر دینے کا حکم ہے۔ یہ امر ارتداد کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ بغاوت کی وجہ سے ہے۔ جن فقہا نے قتل کا فتوے دیا ہے مصنف نے ان کے وجوہ پر بحث کی ہے، اور ان کے استدلال کو ضعیف اور خلاف حکم خدا ثابت کیا ہے۔ اور اس کے بعد عیسائیوں کے قانون کو جو مرتد اور کافر کے متعلق ہے دکھا کر بتایا ہے کہ اسلام میں بمقابلہ مذہب عیسائی کے کس قدر نرمی اور رعایت کا برتاؤ روا رکھا گیا ہے۔

اسی ضمن میں مصنف نے پادری میکال اور دیگر معترضین کے اعتراضات دربارہ غیر مساوات غیر مسلمین کو بیان کر کے سب کے جواب کمال خوبی سے ادا کئے ہیں اور کامل طور پر یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام نے نہایت منصفانہ برتاؤ کی اجازت دی ہے اور عموماً مسلم اور غیر مسلم کو یکساں حقوق دئے ہیں اور یہ بات کسی دوسرے مذہب میں نہیں پائی جاتی۔ اور اسی کے ساتھ سلطنت ترکی پر جو متعصبانہ حملے کئے گئے ہیں ان سب کی اصل حقیقت کو دکھا کر اور بڑے بڑے مدبرین یورپ کے آراء پیش کر کے معترضین کی غلط بیانیاں ثابت کی ہیں۔ ہم نے عمداً اس مقدمے میں سلطنت ترکی سے بحث نہیں کی۔ اس لئے کہ اب ایک نئے دَور کا آغاز ہوا ہے اور ہمیں دیکھنا ہے کہ یورپین دول اب ینگ ٹرکس کے ساتھ کیسا برتاؤ کرتی ہیں، اور ایک اسلامی دولت کی ترقی میں حائل ہوتی ہیں جیسا کہ اب تک ہوا یا اس میں سہولتیں پیدا کرتی ہیں۔ یورپ میں ترکی سلطنت مسیحی دول کی نظروں میں کانٹے کی طرح کھٹکتی ہے اور اگر آپس کی رقابت ان کی سدراہ نہ ہوتی تو کبھی کی اُن کا شکار ہو چکی تھی۔ اس نئے دَور کا خیر مقدم اگرچہ بڑی خوشی سے کیا گیا ہے لیکن اُن کا دل جانتا ہے کہ اب اُن کا وہ زور نہیں چل سکتا جو سلطان عبد الحمید خاں کے زمانے میں انہیں حاصل تھا کہ جو چاہا دباؤ ڈال کر لکھوا لیا اور جس طرح چاہا سلطنت کو نقصان پہنچا کر اپنے لئے رعایتیں حاصل کر لیں

دوسرا حصہ اس کتاب کا سوشل یعنی تمدنی اصلاحات کے متعلق ہے اس حصہ میں مفصلہ ذیل اہم مسائل پر بحث کی گئی ہے:۔

(۱) اسلام میں عورتوں کی حالت۔

(۲) تعدّد زوجات۔

(۳) طلاق۔

(۴) غلامی۔

(۵) تستری۔

اگرچہ یہ مسائل اس قسم کے ہیں کہ ان پر سالہا سال سے بحث ہوتی چلی آ رہی ہے اور مخالفین کو بار بار معقول اور مدلّل جواب دئے جا چکے ہیں، لیکن فاضل مصنف سے پہلے کسی عالم نے ان مسائل پر عالمانہ اور محققانہ بحث نہیں کی تھی مصنف کا استدلال صرف قرآن پاک سے ہوتا ہے۔ اس چھوٹی سی کتاب کے پڑھ لینے کے بعد پھر کسی بڑی سے بڑی کتاب کے پڑھنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ پڑھنے والے کو اسلام کی اصل حقیقت اور اس کی خوبیوں اور نکتوں پر اس قدر عبور ہو جاتا ہے کہ سیکڑوں کتابوں کے پڑھنے سے بھی نہیں ہو سکتا۔ ساری کتاب علمی معلومات سے لبریز ہے اور ایک سطر بیکار نہیں اس کتاب پر ریویو کرنا نہ صرف ناممکن ہے بلکہ مصنف کے حق میں ظلم کرنا ہے۔ غلامی پر اس سے پیشتر سر سید احمد خاں مرحوم ایک بیش بہا اور بے مثل کتاب لکھ چکے تھے، لیکن جس انداز سے مصنف نے اس مضمون پر بحث کی ہے ناظرین اُسے دیکھ کر بے اختیار مصنّف کی قابلیت اور محنت کی داد دیں گے۔ غرض کہ فاضل مصنف نے ایسا بڑا کام کیا ہے کہ اس کا جس قدر شکریہ کیا جائے کم ہے۔ اس کتاب کے متعلق (جو انگریزی میں ۱۸۳ صفحہ پر ہے) یہ کہنا ہرگز مبالغہ نہیں کہ دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔

لیکن میکال نے جو اعتراضات مختلف مضامین کے ذریعہ سے اسلام اور ترکی سلطنت پر کئے ہیں اُن سے بہت کچھ بُوئے تعصب آتی ہے۔ اور اس کا ثبوت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ رائٹ آنریبل مسٹر جسٹس امیر علی کے ایک جوابی آرٹیکل کے جواب میں جو مضمون میکال نے انگلستان کے مشہور رسالہ "نائن ٹینتھ سنچری" میں بھیجا تو اڈیٹر نے صرف اس وجہ سے اُسے نہیں چھاپا کہ

پادری صاحب موصوف اپنے مضامین میں اس قدر بدزبانی اور بدلگامی سے کام لیتے ہیں کہ جس سے مسلمانوں کے دلوں کو صدمہ پہنچتا ہے۔ اور پادری صاحب کے جواب طلب کرنے پر اڈیٹر رسالہ مذکور نے ان کی تحریرات سے اس کا کافی ثبوت بہم پہنچایا ہے[1] جس سے غالباً انہیں کچھ ندامت نہ ہوئی ہوگی۔

لیکن میکال اور اُن کے بعض ہم نوا یورپین مصنفین کا یہ کہنا کہ اسلام اپنے پیروؤں کو چھٹی صدی کے بدوؤں سے آگے بڑھنے کی اجازت نہیں دیتا اور مسلمان کبھی ترقی نہیں کرسکتے جب تک وہ مذہب اسلام کو ترک نہ کردیں، ایک حیرت انگیز اور سخت حیرت انگیز امر ہے۔ یہ کس قدر جُرأت اور دلیری کی بات ہے، گویا دنیا کی آنکھوں میں خاک جھونکنا' اور تاریخی واقعات کا خون کرنا ہے۔

کیا مسٹر میکال اور اُن کے دوست بھُول گئے ہیں کہ موجودہ ترقی اور تمدّن کی بنیاد اہل اسلام ہی کی ڈالی ہوئی ہے۔ مذہب عیسوی ہمیشہ عقل و آزادی کا دشمن رہا ہے۔ حالانکہ برخلاف اس کے اسلام نے مردہ علوم و فنون کو جگایا، آزادی کو بڑھایا، غلامی کو مٹایا، نئی تحقیقات کی بنیاد ڈالی، جدید اکتشافات سے خزانہ علم کو معمور کیا، اوہام باطلہ اور بطلان پرستی کی بیخ کنی کی، مذہب و سائنس میں تطبیق دی اور یورپ کے گھپ اندھیرے میں مشعل علم سے نور پھیلایا، علم و حکمت و آزادی کا علم دنیا میں بلند کیا۔ اسی کے طفیل سے رفتہ رفتہ وہ ترقی ہوئی کہ جس کے چکاچوند میں مسٹر میکال اور اُن کے دوستوں کی آنکھیں اس قدر خیرہ ہوگئیں کہ اب وہ اپنے محسنوں کو بھی نہیں دیکھ سکتے مذہب عیسوی نے علوم و فنون اور آزادی اور علما پر جیسے جیسے ہولناک ظلم و ستم کئے ہیں اُسی قدر اور اس سے زیادہ اہل اسلام نے ان پر احسان کئے ہیں۔ اور اس پر بھی اس روشنی کے زمانے میں وہ مورد الزام ہے۔

[1] دیکھو رسالہ "نائن ٹینتھ سنچری" بابت ماہ ــــــ ء مطبوعہ لندن۔

کیا ریورنڈ میکال اور اُن کے دوستوں کو یاد نہیں کہ عیسائی علما ہر فلسفی اور طبیعی کو "کافر"۔ "دہریہ" اور "مزند کا خطاب دیتے تھے۔ اور اس کے بعد ایک اور نہایت نفرت انگیز اور سخت لفظ ان لوگوں کے لئے ایجاد کیا گیا تھا۔ وہ لفظ "محمدن" تھا۔ چنانچہ راجر بیکن پر جس کے احسانات سے انگلستان اور یورپ کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتا محض طبیعی اور فلسفی ہونے کی وجہ سے "مسلمان" ہونے کا اتہام لگایا گیا تھا اور مسیحی علماء نے اسے مسلمان ثابت کرنے کی کوشش کی تھی۔ اور وہ تحریریں اب تک موجود ہیں۔ گویا لفظ "مسلمان" طبیعی اور فلسفی کے مترادف سمجھا جاتا تھا۔ اور آج انہیں کے سپوت ہیں جو علی الاعلان یہ دعوے کرتے ہیں کہ مسلمان اسلام پر قائم رہ دنیا میں ترقی نہیں کر سکتا۔ اور یہ کہ اسلام دشمن علم و آزادی ہے۔

ببیں تفاوُت رہ از کجاست تا بکجا

نوٹ:۔ اس کتاب کے ترجمہ کرنے کے بعد ہمیں معلوم ہوا کہ مصنّف نے خود بھی اس کتاب کا اردو ترجمہ کرنا شروع کیا تھا۔ لیکن انجام کو نہ پہنچا سکے صرف ابتدائی چند اوراق کا ترجمہ کر کے رہ گئے۔ اتفاق سے وہ اوراق ترجمہ ہمارے ہاتھ آ گئے۔ لہٰذا ہم نے تبرّکاً اُس قدر حصّہ اپنے ترجمہ کا خارج کر کے مصنف کا اصل ترجمہ داخل کر دیا ہے۔ چنانچہ صفحہ ا سے صفحہ ۴ تک خود مصنف کا ترجمہ ہے مصنّف مرحوم کا ترجمہ پنجاب ریویو کے ضمیمہ میں چھپا تھا (ملاحظہ ہو پادری رجب علی کا مشہور رسالہ پنجاب ریویو کا ضمیمہ جلد نہم نمبر ۴ بابت ماہ اپریل ۱۸۸۷ء) اس اردو ترجمہ میں علامہ مصنّف نے چند حاشیے بھی اضافہ کئے ہیں جو اصل انگریزی کتاب میں نہیں ہیں چنانچہ مقدمہ حصہ اول فقرہ (۱۴) صفحہ ۸ میں جو تفصیلی نوٹ فقہ حنفیہ پر لکھا گیا ہے وہ اصل انگریزی کتاب میں موجود نہیں ہے اس لئے ہم نے اُردو سے نقل کر دیا ہے۔ (مترجم)۔

مقدمۂ کتاب حصہ اول صفحہ ۲۵ پر مصنّف نے ہندوستان کی موجودہ حالت کے متعلق میجر آسبارن کی کتاب سے ایک عبارت نقل تھی - چونکہ اس حصے کا ترجمہ اُس زمانہ میں کیا گیا تھا جبکہ سڈیشن ایکٹ پاس نہیں ہوا تھا، اس لئے بیخبری میں بعینہ ترجمہ چھپ گیا۔ چھپنے کے بعد جب ہم کو اس امر پر اطلاع ہوئی تو اس خیال سے کہ وہ عبارت سڈیشن ایکٹ کے حدود میں آسکتی ہے، خارج کردی گئی -

---

مقدمہ

اعظم الکلام فی ارتقاء الاسلام

حصّہ سوم

مشتمل بر آرائے مشاہیر و علمائے معاصرین یورپ و ہندوستان

"سنہ ۱۸۸۲ء میں اس کتاب کے شائع ہونے پر حلقۂ علم و فضل میں اس کو بہت شہرت اور مقبولیت
"حاصل ہوئی تھی اس کتاب کے متعلق جس قدر خط اہل علم اور نامور اشخاص نے مولوی صاحب
"مرحوم کو لکھے تھے وہ سب ہمیں مقدمہ کتاب ہٰذا لکھنے کے بعد دستیاب ہوئے چونکہ یہ خطوط نہایت
"دلچسپ ہیں اور اُن سے پبلک کی قدردانی کا اظہار ہوتا ہے لہٰذا اس مقام پر بنظر اختصار
"صرف (۵) خط نقل کئے جاتے ہیں :-

(۱) خط سر سیدؒ

"سر سید کے مندرجہ ذیل خط سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی چراغ علی مرحوم کا ارادہ اس کتاب کو
"اُردو زبان میں بھی شائع کرنے کا تھا لیکن چونکہ سر سید زمانہ کی حالت اور خصوصاً دیسی ریاستوں
"کے نازک تعلقات کو خوب سمجھتے تھے اُنہوں نے کتاب کے مطالب پر واقفیت حاصل کرنے کے
"بعد اس سے اختلاف کیا۔ شکر ہے کہ اب اتنی مدت کے بعد مرحوم کا دیرینہ ارادہ مولوی عبداللہ
"خاں صاحب کی ہمت سے پورا ہوا۔ خداوند تعالےٰ مصنف کو مغفرت اور پبلشر کو جزائے
"خیر عطا فرماوے۔

"جناب مولانا و مخدومنا۔ میں نے آپ کی کتاب اعظم الکلام کو بخوبی دیکھا، اور
آپ کی تار برقی پہنچنے کے بعد کل فہرست کا اردو میں ترجمہ بھی کر لیا، اور اس کو کسی قدر

زیادہ وضاحت سے لکھنا شروع کیا۔ مگر میری رائے میں اُس کا اُردو میں چھپنا مناسب نہیں ہے۔ لوگ اس کا مطلب اور مقصد سمجھنے کے نہیں، اور اُلٹے اور مخالف معنے لگادیں گے، اور اس کے چھپنے اور مشتہر ہونے سے شاید حیدرآباد میں ایک مخالف اور عداوتی فیلنگ آپ کے ساتھ پیدا ہوگی، جس کا پیدا ہونا میری رائے میں مناسب وقت نہیں ہے۔ اِس لئے میں نے فہرست کا چھاپنا اور درست کرنا موقوف کردیا ہے اور مجھے اُمید ہے کہ آپ میری اس رائے سے اتفاق کریں گے۔ علی گڑھ میں بھی بڑی فیلنگ آپ کی نسبت پھیلی ہے منشی اکبر حسین منصف کے پاس وہ کتاب کہیں سے آئی ہے۔ اس کے بعض مضامین کا اُنہوں نے لوگوں سے ذکر کیا، اور لوگ نہایت ناراض ہوئے۔ حیدرآباد میں یہاں سے زیادہ جہالت ہے اور بہت ناراضی پھیلنے کا اندیشہ ہے۔ والسلام"

(۲) ترجمہ خط سر۔ اے بلنٹ مشہور مصنف فیوچر اسلام وغیرہ

میں آپ کا نہایت ممنون ہوں کہ آپ نے مجھے اپنی کتاب اعظم الکلام کی ایک جلد عنایت فرمائی۔ جس خیال کو میں اپنی کتاب فیوچر اسلام میں سمجھانا چاہتا تھا، اس کی بحث میں اس کتاب میں دیکھتا ہوں، مجھے یقین ہے کہ قاہرہ اور دیگر مقامات کے لوگ اسے ہاتھوں ہاتھ لیں گے اور اس سے ہمدردی ظاہر کریں گے۔ جس وقت مجھے ایسے سنجیدہ معاملات پر غور کرنے کی فرصت ملے جن کی بحث آپ نے اپنی کتاب میں کی ہے تو میں ایک آرٹیکل لکھوں گا، اور آپ کی کتاب اُس کا متن ہوگی۔ ان اصلاحات کے عمل میں لانے کے متعلق جس[۱] اُمید کا

[۱] کاش اگر مولوی چراغ علی صاحب مرحوم اس وقت زندہ ہوتے اور نوجوان ترکوں کے جوش اور حب وطن کو دیکھتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ جو اُمید انہوں نے ٹرکی کے متعلق ظاہر کی تھی وہ کچھ بے جا نہ تھی۔ (مترجم)

آپ نے قسطنطنیہ سے اظہار کیا ہے، کاش اسی قدر اُمید مجھے بھی ہوتی! لیکن فی الحال میرا خیال ہے کہ وہاں آزادی سے کام کرنے کی کوئی توقع نہیں۔ میں اپنی اور لیڈی بلنٹ کی طرف سے آپ کا پھر شکریہ ادا کرتا ہوں۔

آپ کا مخلص

اے۔ بلنٹ

(۳) ترجمہ خط منجانب ڈبلیو ڈبلیو ڈاکٹر ہنٹر

مکرمی۔ میں آپ کی دلچسپ اور بیش بہا کتاب اصلاحات ممالک اسلامیہ کے بھیجنے کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میرا ہمیشہ سے یہ خیال ہے کہ قرآن یا اسلامی شرع میں جس کی بنا قرآن پر ہے، اس قدر گنجایش اور لچک ہے کہ جوں جوں سوسائٹی ترقی کرتی جائے اور لوگوں میں زیادہ انسانیت پیدا ہو تو اس میں بھی ضرور ارتقا ہوتا جائے۔ میں دل سے چاہتا ہوں کہ آپ کے ہمدردانہ خیالات آپ کے اہل ملک میں شائع ہوں اور نیز وہ میرے ملک والوں میں اسلام کے جدید امکانی ارتقا کے متعلق صحیح خیال پیدا کریں۔

(۴) ترجمہ خط منجانب وائسرائے و گورنر جنرل ہند

گورنمنٹ ہوس مورخہ ۱۱ جولائی ۱۸۸۵ء۔

مکرمی۔ میں نے آپ کی کتاب جو آپ نے ہز ایکسلنسی وائسرائے کے لئے بھیجی تھی، وائسرائے بہادر کی خدمت میں پیش کر دی۔ اور مجھے ہدایت ہوئی ہے کہ میں اُن کی طرف سے آپ کا شکریہ ادا کروں۔

ہز ایکسلنسی ہمیشہ اُن مسلمانوں کی مساعی سے ہمدردی رکھتے ہیں جو مثل آپ کے

اپنے ہم مذہبوں کو اس امر کے یقین دلانے کی کوشش کرتے ہیں کہ اسلام کے اصلی قدیم اصول موجودہ زمانہ کی تہذیب و تمدن کے مخالف نہیں ہیں۔

شرح دستخط — میں ہوں آپ کا وفادار

ڈی میکنزی والس

پرائیویٹ سکریٹری ہز ایکسلنسی وائسرائے

(۵) ترجمہ مراسلہ ڈاکٹر اسپرنگر

جو

ڈاکٹر صاحب موصوف نے کتاب زیر مقدمہ کے شکریہ میں مولوی چراغ علی مرحوم کو لکھا تھا

اور جس میں

مسلمانوں کے اسباب تنزل اور ترقّی

پر

ایک نہایت عالمانہ بحث کی ہے

"یہ خط کیا ہے خاصہ ایک رسالہ ہے۔ اس خط سے معلوم ہوگا کہ ڈاکٹر صاحب موصوف کو جو
"ایک مشہور و معروف عالم اور نامور مستشرق تھے اسلامی تاریخ و مذہب میں اس قدر تبحّر اور
"موجودہ اسلامی ممالک اور مسلمانوں کے حالات سے اس قدر کامل واقفیت تھی کہ شاید ہی کسی
"دوسرے یورپین یا مسلمان کو حاصل ہو۔ اس خط نے اس کمی کو بڑی خوبی سے پورا کیا ہے جو اس

(نوٹ) ہم مسٹر محمود علی صاحب فرزند سوم مولوی چراغ علی مرحوم کے نہایت شکر گزار ہیں کہ انہوں نے یہ خط مولوی صاحب مرحوم کے کاغذات میں سے تلاش کر کے عنایت فرمایا اور خدا سے دعا کرتے ہیں کہ اس سعادت مند نوجوان کو جزائے خیر اور علوِّ مراتب کرامت فرمائے۔

"کتاب میں بظاہر نظر آتی ہے۔ یعنے ڈاکٹر صاحب موصوف نے علاوہ دیگر امور کے مسلمانوں
"کے موجودہ انحطاط کے اسباب اور آیندہ کی اصلاح پر ایک مبصرانہ اور نقادانہ نظر ڈالی
"ہے جو تمام اسلامی ممالک اور خاص کر افغانستان کے لئے جہاں جدید تعلیم کا سلسلہ ابھی
" ابھی جاری ہوا ہے اور جو غالباً زیادہ صحیح اصول پر نہیں ہے نہایت درجہ قابل غور اور
"لائق توجہ ہے۔

"ہندوستان میں سر سید رح نے عجیب و غریب اور بے مثل کوشش مسلمانوں کی اصلاح
"کے لئے کی، اُسے اب مسلمان خوب سمجھ گئے ہیں اور اس کے احسان کو مانتے ہیں لیکن
"حقیقت یہ ہے کہ ابھی تک گو ہر مقصود ہمارے ہاتھ میں نہیں آیا ہے، اور نہ ابھی سر سید رح
"کا اصل مقصد حاصل ہوا ہے۔ اس کا دار و مدار صرف ایک بات پر یعنے اسلامی یونیورسٹی
"کے قائم ہونے پر ہے اور صرف اسلامی یونیورسٹی کا قائم ہونا ہی کافی نہیں، بلکہ جب
"تک ایسے لوگ (خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم) جو علوم مغربی و مشرقی کے جامع، اسلامی تاریخ
" و مذہب کے عالم، موجودہ زمانہ کی ضروریات و حالات سے واقف اور ہمدرد نہ ہوں، صحیح
"طور پر یہ طریقہ تعلیم اور نصاب تعلیم قائم نہ کر دیں، اس وقت تک اصلی غرض حاصل نہیں
"ہو سکتی۔ جب یہ ہو جاوے تو سمجھنا چاہئیے کہ ہماری اصلاح کی مستحکم بنیاد قائم ہو گئی۔

"لہذا ہم توقع رکھتے ہیں کہ تمام پُر جوش مسلمان اور مسلمانوں کے بہی خواہ اسے بغور
"پڑھیں گے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں گے۔ (مترجم)

منمقام ہیڈل برگ (۴۱) آلاج

مورخہ ۸۔ مئی ۱۸۸۴ء

بخدمت مولوی چراغ علی محکمہ عالیہ سول سرویس سرکار عالی

مکرمی و معظمی

آپ کی کتاب "اصلاحات زیر حکومت اسلام" (اعظم الکلام فی ارتقاء الاسلام) وصول ہوئی، جس کے لئے میرا دلی شکریہ قبول فرمائیے۔ یہ ایک نہایت عمدہ کتاب ہے، اور اس سے آپ کے علم و فضل اور حذاقت عقل کا ثبوت ملتا ہے، اور یقین ہے کہ اس سے ہندوستان و انگلستان میں بڑی حرکت اور قیل وقال پیدا ہو گی

میں اپنی نسبت تو یہ کہتا ہوں کہ انا حنیف[1] فما اکون مسلما و لا نصرانیا، لیکن اگر میں مسلمان ہوتا تو میں اُن عیسائی مشنریوں کے حملوں کا جو وہ اسلام پر کرتے ہیں کبھی جواب نہ دیتا بلکہ صرف اتنا کہہ کے چھوڑ دیتا کہ قاضی عیاض کی بے مثل کتاب الشفا ملاحظہ فرمائیں۔ جس قدر کتابیں کہ عیسائی مذہب کی حمایت میں لکھی گئی ہیں یہ کتاب اگر اُن سے افضل نہیں تو اُن کے برابر ضرور ہے، اور اُس کے ساتھ ہی آپ اپنے مخالفین سے یہ بھی کہہ سکتے ہیں۔

قُلْ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ (یونس ۱۰۔ آیت ۳۹)۔	کہہ تم لے آؤ ایک سورۃ ایسی اور پکارو جس کو پکار سکو اللہ کے سوا۔ اگر تم سچے ہو۔ (یونس ۱۰۔ آیت ۳۹)

مجھے تعجب ہے کہ کیوں آپ کے کسی پُر جوش اسلامی بھائی نے اب تک اس کتاب کا انگریزی ترجمہ مرتب نہیں کیا۔ میرا یہ ریمارک اس مباحثہ کے متعلق ہے جبکہ جانبین اپنے اپنے مذہب کے قائل ہیں لیکن اگر مقابلہ میں کوئی زندیق ہے تو اس کی حالت دوسری ہے ایسی صورت میں شیخ سعدی کے قول پر عمل کرنا چاہیئے جو غالباً یہ ہے:۔

"علم من قرآن است و حدیث و گفتار مشائخ و او بدینہا معتقد نیست۔ مرا شنیدن "کفر او بچہ کار آید؟

"آن کس کہ بقرآن و خبر زو نرہی
"آنست جوابش کہ جوابش ندہی[2]"

غرض میری نصیحت یہ ہے کہ بحث مباحثے میں پڑنے سے احتراز کیجئے۔

---

[1] آل عمران ۳۔ آیت ۶۰ کی طرف اشارہ ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:۔ مَا کَانَ اِبْرٰھِیْمُ یہودیا وَلَا نصرانیا۔ الی آخرہ۔

[2] گلستان باب ۴ حکایت ۴ مطبوعہ موضع ہارٹفرڈ مطبع آستیفن آستن صاحب ۱۸۶۳ء۔

دوسرا مسئلہ اکملیت اسلام کا ہے۔ آپ نے جو کچھ اس پر لکھا ہے وہ بہت قابل تعریف ہے، اور پُرزور بھی ہے اس لئے کہ اس کا لکھنے والا ایک مسلمان ہے۔ فروع میں مومنین کے ایمان میں خلل ڈالے بغیر ضروریات زمانہ کے لحاظ سے تغیّر و تبدل ہوسکتا ہے۔ علاوہ اس کے مسلمانوں میں بعض ایسے رسوم اور رواج رائج ہوگئے ہیں جو احکام اسلام کے بالکل خلاف ہیں، مثلاً ہندوستان میں ذات پات کا امتیاز اور اولیاء اللہ کی قبروں کی زیارت اور عربستان میں عموماً خوف و خطرہ کے وقت پیغمبر صلعم کی دُہائی۔ ابوجہل اور اُس کے اعوان و انصار اس قدر بُت پرست نہیں تھے جیسے آج کل کے موحّد، قرآن مجید سورۂ لقمان ۳۱۔ آیت ۳۱ میں آیا ہے۔

وَاِذَا غَشِیَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ۔ (لقمان ۳۱۔ آیت ۳۱)	اور جب (سمندر کی) موج اُن کے سروں پر مثل بدلی کے چھا جاتی ہے تو پکارنے لگتے ہیں اللہ کو اور سچے دل سے اُسی کی عبادت کرتے ہیں۔ (لقمان ۳۱۔ آیت ۳۱)۔

اور ایک دوسری آیت میں ہے:۔

وَلَا یَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِیّٖنَ اَرْبَابًا۔ (آل عمران ۳۔ آیت ۴۷)۔	اور وہ یہ کبھی نہیں کہتا کہ تم فرشتوں اور نبیوں کو خدا قرار دے لو۔ (آل عمران ۳۔ آیت ۴۷)۔

اس قسم کے رسوم اصول اسلام کے بالکل مخالف ہیں لیکن وہ عملی طور سے ایسے اہم نہیں ہیں کہ اصلاح کی ابتدا ان پر حملہ کرنے سے کی جائے۔

اس سے زیادہ قابل اعتراض ترکی کی دینی اور الٰہی حکومت ہے جو فطرت اسلام کے بالکل مخالف ہے، لوگوں کو جہالت میں رکھنے اور اصلاح کی مخالفت کرنے میں شیخ الاسلام اور علماء کا اس قدر فائدہ ہے جتنا کہ یورپ

روما اور اُس کے مشیروں کا۔

جس زمانے میں کہ مسلمانوں کے تعلیمی مدارس میری نگرانی میں تھے، تو میں نے اپنا تمام وقت اور ہمّت اس بات کے کھوج لگانے میں صرف کی کہ مسلمانوں کی قوم کو ترقی دینے کے لئے کون سے وسائل اختیار کئے جائیں۔ اگر میں آپ سے یہ کہوں کہ میرے زمانہ میں ہندوستان کے مسلمان دولت و اثر میں ہندوؤں کے برابر نہ تھے تو مجھے اُمید ہے کہ آپ بُرا نہ مانیں گے، یہ فرق محض اُن کی (مسلمانوں) کی ہیکڑی اور ترقی کی مخالفت کی وجہ سے تھا۔ آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ سلطنت اودھ کی آمدنی بوجہ بد انتظامی کے ہمارے زمانے میں بمقابلہ عہد آصف الدولہ دسواں حصہ یا اس سے بھی کم رہ گئی تھی۔ ترکی کی حالت اس سے بھی بدتر ہے، اور جس شخص نے اس ملک کو نہیں دیکھا تو وہ صرف قیاس سے کام لے سکتا ہے۔ کوفہ۔ مدائن اور سرمن رائے جیسے عظیم الشان شہر جن کی آبادی کسی زمانہ میں لاکھوں تک پہنچ گئی تھی اب بالکل نیست و نابود ہو گئے ہیں، بصرہ جو کسی زمانہ میں ایسا ہی مرفہ الحال بندرگاہ تھا جیسا کہ آج کل بمبئی ہے یا اس سے بھی زیادہ، نصیبین نیز بغداد گھٹتے گھٹتے کم حیثیت شہر رہ گئے ہیں اب صرف وہی مقامات زیادہ آباد اور باوقعت ہوتے جاتے ہیں جہاں یورپین لوگوں کی آبادی زیادہ ہے، مثلاً بیروت۔ غرض یہ کہ سلطنت عثمانیہ کی بد انتظامی کی وجہ سے ملک غیر آباد ہو گیا ہے۔ میں مثال کے طور پر ایک واقعہ بیان کرتا ہوں جس سے اس بد انتظامی کی کیفیت آپ کو معلوم ہو گی کہ خدیو اسمٰعیل نے چھ کروڑ فرانک جو اڑھائی کروڑ کے برابر ہوتے ہیں، نہر سویز کی افتتاح کے موقعہ پر صرف رنگ رلیوں میں اُڑا دیا۔ مصر کے فلاحین بالکل غلام ہیں۔ اُس پیداوار میں سے جو وہ کھیتوں میں اپنی محنت سے پیدا کرتے ہیں اتنی بھی اُن کے پاس

نہیں چھوڑی جاتی کہ اُن کے خاندان اس پر بسر کر سکیں، میں نے اپنی آنکھوں دیکھا ہے کہ محافظین تازیانے کے زور سے ان فاقہ زدوں سے ریلوے سڑک کی تعمیر کا کام لیتے ہیں، ان سے جبراً نہر سویز کے کھودنے کا اور ریل کی سڑک بنانے کا کام لیا جاتا تھا اور ان میں سے ہزاروں تکان اور فاقوں کے مارے ہلاک ہو گئے۔ آپ یہ خیال نہ کیجئے کہ ترکی خاص کے مسلمان باشندے کچھ اچھی حالت میں ہوں گے۔ ۱۸۵۵ء میں جس روز میں دمشق پہنچا اُسی روز ایک نیا پاشا قسطنطنیہ سے آیا۔ چند ہی روز بعد میں نے پرشیا کے کونسل سے سُنا کہ اس پاشا نے پولیس کے افسر اعلےٰ کو بلا کر کہا کہ اگر تم مجھے روزانہ ایک ہزار پیاسٹر ادا کرنے پر راضی ہو تو تمہیں اختیار ہے کہ جو جی چاہے کرو۔ چند مہینے کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ ایک نہایت دولتمند سوداگر، جو میرا دوست تھا، اور جس کا نام القدسی تھا بلا وجہ قید کر دیا گیا، اور اُسے اس قدر مجبور کیا گیا کہ اس بیچارے کو اپنی جایداد کا ایک حصّہ نذر کر کے اپنا پیچھا چھڑانا پڑا۔ میں آپ کو اس سے بھی زیادہ ظلم اور جبر کے واقعات سُنا سکتا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ سلطان عبدالحمید مدرسے قائم کر رہے ہیں اور تعلیم پھیلانے میں سعی بلیغ فرما رہے ہیں۔ لیکن عوام کی تعلیم کے لئے اس قسم کی کوششیں اس سے قبل کوئی پچاس مرتبے ہو چکی ہیں، لیکن وہ سب عارضی ہیں اور غلط اصول پر مبنی ہیں، اور اس لئے ہر بار وہ بے کار ثابت ہوتی ہیں۔

تعلیم یافتہ مسلمانوں کے خلوص اور تدیّن کے لئے صرف یہی کافی نہیں ہے کہ وہ ان خرابیوں کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں اور کفار پر لَعْنَتُ اللّٰہِ عَلٰے الْکَافِرِیْنَ بھیج کر چُپ ہو رہیں۔ آپ یقین رکھئے کہ اگر اسلام کے بہی خواہ باہم متحد نہ ہونگے اور اصلاحات جاری نہ کریں گے، تو ایشیا اور افریقہ میں سوائے صحرائے

عرب کے کوئی ملک ایسا نہ رہے گا جسے مسلمان اپنا ملک کہہ سکیں۔ چپہ چپہ زمین پر فرنگی یعنے انگریز، روسی اور فرانسیسی قابض ہو جائیں گے اور مسلمانوں کی حیثیت مثل اہل الذمہ کے رہ جائے گی۔

مسلمانوں کا انحطاط مذہب اسلام سے منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ میجر آسبارن نے جو مقابلہ مذہب اسلام اور عیسائیت کا کیا ہے وہ بہت ہی عجیب و غریب ہے، لیکن اگر ہم ان دونو مذہبوں کی تاریخ کا مقابلہ کریں گے تو دوسرے ہی نتائج پر پہنچیں گے۔ پیغمبر اسلام کی اُمت نے ایک حیرت انگیز قلیل عرصہ میں قوت و ثروت اور اعلےٰ تمدن کو حاصل کر لیا تھا، اور زمانۂ حروب صلیبیہ میں وہ ہر لحاظ سے عیسائیوں سے افضل تھے، بلا شبہ سلطان صلاح الدین اپنے زمانے کا سب سے زیادہ روشن خیال، نہایت شریف النسب اور اعلےٰ درجہ کا حریت پسند شخص تھا اور اپنے ہمعصر فریڈریک ثانی سے بھی کہیں افضل تھا، حالانکہ وہ جرمن کا بہت بڑا بادشاہ ہوا ہے، اور علاوہ دیگر فضائل کے اس نے صقلیہ میں تربیت پائی تھی، اور عربی علم ادب میں بڑی دستگاہ رکھتا تھا۔ اس سے ایک صدی قبل صقلیہ کا بادشاہ راجر تھا، جس کا دربار یورپ میں سب سے زیادہ شاندار اور مہذب تھا۔ ابن جبیر جو اس زمانے میں صقلیہ پہنچا تھا اس بادشاہ کے متعلق یہ لکھتا ہے :-

ومن عجیب شانہ المتحدث بہ انہ یقرأ و یکتب بالعربیۃ وعلامتہ الحمد للہ حق حمدہ . . . . و اما جواریہ وحظایاہ فی قصرہ فمسلمات کلھن ومن الاعجب ان الافرنجیۃ النصرانیات تقع فی قصرہ فتعود مسلمۃ تعیدھا الجواری المذکورات مسلمۃ	اور یہ عجیب بات ہے کہ وہ عربی زبان میں لکھتا پڑھتا ہے اور اس کی علامت سلطنت "الحمد للہ حق حمدہ" ہے (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سرکاری زبان عربی تھی) اور بادشاہ کی اہل خدمت اور محل کی سہیلیاں سب مسلمان ہیں اور اس سے عجیب تر یہ بات ہے کہ عیسائی عورتیں اسکے محل میں داخل ہوتی ہیں ان کو بھی یہ مسلمان

وہن علے تکتم من ملکہن فی ذلک کلّہ ۰	عورتیں مسلمان کرلیتی ہیں اور ان امور کو وہ بادشاہ سے مخفی رکھتی ہیں۔
رحلہ ابن جبیر صفحہ ۳۲۵ مطبوعہ بریل ۱۹۰۷ء	رحلہ ابن جبیر صفحہ ۳۲۵ مطبوعہ بریل ۱۹۰۷ء۔

نہ صرف دربار کی لیڈیاں بلکہ شہر کی عورتیں بھی عربی فیشن کا لباس پہنتی تھیں۔

وزیّ النصرانیّات فی ہذہ المدینۃ زیّ نساء المسلمین فصیحات الالسن ملتحفات منتقبات خرجن فی ہذہ العید المذکور وقد لبسن۔ ثیاب الحریر المذہبیۃ والتحفن الرائقۃ وانتقبن بالنقب الملوّنۃ وانتعلن الاخفاف المذہبۃ وبرزن لکنائسہن اوکنسہن حاملات جمیع زینۃ نساء المومنین من التحلّی والتخضب والتعطر۔	اس شہر کی عیسائی عورتوں کے لباس کا فیشن مثل مسلمان عورتوں کے ہے اور اُن کی زبان نہایت فصیح ہے اور ردا اور نقاب پوش ہیں اور کرسمس کے دن جب باہر نکلیں تو کارچوبی ریشمی کپڑے زیب تن کئے ہوئے تھیں اور نفیس چادریں اوڑھے ہوئے تھیں اور رنگین نقابیں اپنے چہروں پر ڈالے ہوئے تھیں اور کامدار موزے پہنے ہوئے تھیں غرض کہ ہر طرح کی آرایش لباس و مہندی عطر وغیرہ مثل مسلمان عورتوں کے کئے ہوئے تھیں اور اپنے اپنے گرجاؤں کو جا رہی تھیں۔
رحلہ ابن جبیر صفحہ ۳۳۳ مطبوعہ بریل ۱۹۰۷ء	رحلہ ابن جبیر صفحہ ۳۳۳ مطبوعہ بریل ۱۹۰۷ء۔

مختصر یہ کہ صقلیہ کی عورتوں تک نے اسلامی تمدّن کو اختیار کر لیا تھا۔ بارھویں صدی میں بہت سی کتابیں عربی زبان سے لاطینی زبان میں ترجمہ ہوئیں، اور ازمنۂ وسطیٰ میں جس قدر علم ہمارے بزرگوں کو فلسفہ، ہیئت، ریاضیات، طب وغیرہ میں تھا، وہ سب یا تو انہیں ترجموں سے حاصل کیا گیا تھا، یا اُن لوگوں سے جنہوں نے طلیطلہ (ٹلیڈو) میں عرب (یعنے مسلم یا یہودی) اساتذہ کی خدمت میں رہ کر تعلیم حاصل کی تھی۔ یہاں تک کہ ارسطاطالیس، جالینوس، بطلیموس اور اقلیدس کی تصانیف اول اول یورپ میں عربی نسخوں کے لاطینی تراجم کے ذریعہ سے پہنچیں۔ قانون

ابو علی ابن سینا سولھویں صدی کے وسط تک ہمارے مدارس میں طب کی سب سے بڑی کتاب سمجھی جاتی تھی۔ مسلمانوں نے بڑے انصاف سے کام لیا ہے جو ان علوم کا نام علوم القدما رکھا ہے، کیونکہ یہ علوم اُن کے ہمعصر رومی عیسائیوں کے نہ تھے، بلکہ یونان سے آئے تھے۔ رومی اس وقت انتہا درجہ کی ذلت و نکبت میں پڑے ہوئے تھے، اور اپنے باپ داداؤں کے علوم کی تحصیل اُنہوں نے ترک کردی تھی۔ ارسطاطالیس وغیرہ کی تصانیف کے عربی ترجموں کی بنیاد زیادہ تر اصل نسخوں پر نہ تھی، بلکہ شامی نسخوں پر تھی، جو خاص کر صابئین حران کے پاس محفوظ تھے۔

تیرھویں صدی میں عیسائی علم دین نے ایک نیا چولا بدلا۔ طامس اقوی نو نے حسب احکام پوپ فلسفہ ارسطاطالیس کی تعلیم دینی شروع کی۔ تو وہ صرف ارسطاطالیس کا نام ہی نام جانتا تھا اور اُس کا بڑا ماخذ ایک یہودی میمون ابن موسیٰ نامی تھا جو ایک مدت تک مصر میں رہا تھا اور اسلامی فلسفہ کا ماہر تھا۔ طامس اقوی نو نے اکثر اوقات صفحے کے صفحے میمون سے نقل کر لئے ہیں۔ اور وہ عربی فلاسفہ کی نظریات سے خوب واقف تھا۔ اور یہ شخص جدید نظام دینیات کا بانی ہوا ہے، جو آپ کے علم الکلام سے اس قدر مشابہ ہے کہ گویا اس کی نقل ہے۔ یہ عجیب واقعہ ہے کہ طامس اقوی نو (سنہ ۱۲۷۴ء وفات) المحقق الطوسی (وفات سنہ ۱۲۷۳ء) کا ہمعصر تھا جس کی التجرید اس کے پیشرو ماہرین علم الکلام کی تصانیف کا خلاصہ ہے، اور وہ (التجرید) طامس اقوی نو کی کتاب سما تھیولوجی سے اسی قدر افضل و اعلےٰ ہے جس قدر کہ اُس زمانے میں مسلمان عیسائیوں سے افضل تھے۔ اگر میجر آسبارن ان دو کتابوں کا مقابلہ کریں، تو یقین ہو جائے گا کہ موجودہ تمدن اور جدید خیالات کی بنا عیسائی مذہب پر نہیں بلکہ ریفارمیشن پر ہے۔ یہ اصلاح شدہ مذہب عیسائی ہے

جس نے انسانی فہم کو اس کے حقوق دلوائے، اور انسان کے دل میں اس کی ذمہ واری کی تحریک پیدا کر کے اخلاق کاملہ کی بنیاد قائم کی۔ یہ ایک نہایت ہی اعلےٰ اصول ہے، جسے قرآن میں بار بار بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً سورۂ النجم ۵۳ آیت ۴۰ کے الفاظ

لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰے | انسان کو اپنی ہی کوشش سے فائدہ ہو گا۔

میں اسی اصول کو سمجھایا گیا ہے، لیکن اسے محمد صلعم نے بعد میں کسی قدر دبا دیا۔ وہ عیسائی اقوام جنہوں نے مذہب پروٹسنٹ کی مخالفت کی، اور جنہوں نے مثل ریاستہائے جنوبی امریکہ پروٹسنٹ لوگوں کی صحبت سے کچھ نہیں سیکھا، وہ ایشیائی اقوام کے مقابلہ میں بے انتہا وحشی اور اخلاق میں گری ہوئی ہیں۔ چونکہ میری پرورش اور تعلیم و تربیت رومن کیتھلک مذہب میں ہوئی ہے، لہذا میں کہہ سکتا ہوں کہ اس کلیسا کا صدر پوپ ہے جو زمانہ قدیم سے ہمیشہ اپنے زمانہ کا سب سے بڑا فاسق ہوتا آیا ہے۔ اہل آئرلینڈ کا افلاس اور اہل فینا میں شیطانی سیہ کاری محض اس وجہ سے ہے کہ وہ پوپ کے حکم بردار بندے ہیں۔ اگرچہ یہ سچ ہے کہ اب وہ اُن سے دست بردار ہو گیا ہے مگر یہ اس کی دست برداری ایسی ہی ہے جیسے ہاروت ماروت کہنے کو تو یہ کہتے ہیں کہ

اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَۃٌ فَلَا تَکْفُرْ (البقرہ ۲ - آیت ۹۶) | ہم تو بجز فتنہ کے اور کچھ نہیں ہیں پس تم کافر مت بنو۔ (البقرہ ۲ - آیت ۹۶)

لیکن ساتھ ہی ساتھ بہکاتے اور گمراہ کرتے بھی چلے جاتے ہیں۔

آپ نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۳۲ میں لکھا ہے کہ "دوسرا معاملہ جس کی طرف پیغمبر نے توجہ مبذول کی وہ بہتان و افترا کا رفع کرنا تھا، چنانچہ آپ نے اُن لوگوں کے لئے جسمانی سزا کا حکم دیا جنہوں نے پارسا عورتوں پر بہتان باندھے تھے اور

آپ نے سورۂ النور ۲۴ کی آیات ۴-۶-۲۳ کا حوالہ دیا ہے۔ آپ کی کتاب میں یہ فقرات ایسے ہیں جن پر سب سے زیادہ آسانی سے حملہ ہو سکتا ہے۔ ایک وقت ایسا آئے گا جب کہ مسلمانوں میں بھی آزاد خیال لوگ اس کثرت سے پیدا ہو جائینگے جیسے کہ آج کل ہمارے ہاں جرمنی میں ہیں، جہاں مشکل سے کوئی تعلیم یافتہ شخص انجیل کو کتاب الٰہی سمجھتا ہے، اور جب ایسا وقت آئے گا تو اس بات کے کہنے میں کوئی مضایقہ نہ ہو گا کہ قرآن مجید محمد صلعم کی تصنیف ہے، لیکن فی الحال مومنین کے مذہبی خیالات کو صدمہ نہیں پہنچانا چاہیئے علاوہ اس کے غالباً قرآن میں کوئی دوسری آیت ایسی نہیں جس پر بحث کرنے سے کسی حامئے اسلام کو اس قدر گریز ہوگا، اور اگر مخالف اس کے متعلق بحث کرنا چاہے، تو اُسے صرف یہی کہنا چاہیئے کہ خدا کے الفاظ یہی ہیں وَ اللّٰہُ اَعْلَمُ۔ اگر آپ اس واقعہ کو جو ان آیات کے شان نزول کا باعث ہوئیں۔ اور نیز آیۃ الرجم کے واقعات کو جاننا چاہتے ہیں، تو آپ کو علاوہ سیرت پیغمبرؐ اور کُتب تفاسیر اور کتاب اسباب النزول کے کتاب الاغانی کا مطالعہ بھی کرنا چاہیئے۔ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ قرآن میں ایسی آیات بھی موجود ہیں جن کا تعلّق پیغمبرؐ کی خاندانی مشکلات سے ہے مثلاً سورہ التحریم ۶۶ کی ابتدائی آیات کو ملاحظہ فرمائیے۔ ان آیات سے حامی اسلام کو بڑی دقّت کا سامنا ہوتا ہے۔ اگر میں مسلمان ہوتا تو میں کہتا کہ یہ آیات متشابہات میں داخل ہیں اور میں اپنے مخالفین کو اُن لوگوں میں شریک کرتا جن کی نسبت یہ کہا گیا ہے

اَلَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِہِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَہَ مِنْہُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَۃِ وَ ابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِہٖ ۝ (آل عمران ۳- آیت ۵)	جن لوگوں کے دل میں کجی ہے تو اس میں سے متشابہ آیتوں کے پیچھے پڑتے ہیں فتنہ چاہنے کے لئے اور اُسکی (غلط) مراد کی تلاش کرنے کے لئے۔

میرا اس پر کامل یقین ہے کہ اس قسم کی آیات ضرور متشابہات میں داخل ہیں کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ پیغمبرؐ یہ فرماتے کہ یہ آیات لوح محفوظ سے اُتری ہیں۔ اور اُم الکتاب کا جزو ہیں۔

کسی قدر سفسطہ کے ساتھ اس دلیل کا اطلاق اُن قوانین پر بھی ہو سکتا ہے جو زمانہ پیغمبرؐ کے لئے تو مناسب تھے لیکن اس زمانے کی ضروریات کے لئے مناسب نہیں۔ میں مثالاً ایک امر بیان کرتا ہوں کہ پیغمبر صلعم نے اپنے خطبہ حجۃ الوداع (ملاحظہ ہو الروم ۳۰۔ آیت ۳۸) میں فرمایا کہ روپیہ پر ہر قسم کا سود ربوا ہے۔ احادیث اس کے متعلق اس قدر قوی ہیں کہ وہ متواتر خیال کی جاسکتی ہیں اور وہ موقع جب کہ اس کے قانون کا اعلان کیا گیا تھا (اور جو ہماری کتب قانون میں بھی درج ہے) ایسا اہم تھا کہ میری رائے میں اسے حدیث قدسی کا درجہ حاصل ہے۔ باوجود اس نیک نیت اور نیک خیال کے جو اس حکم سے ظاہر ہوتا ہے، یہ حکم خلفائے راشدین کے زمانے میں بھی مخل آسایش ثابت ہوا، اور بعض پارسا لوگ مثل ابن عمرؓ کے جو اس حکم کی حقیقت اور اصلیت سے ناواقف تھے، کرایہ مکان کو بھی ناجائز خیال کرتے تھے۔ ہمارے زمانے کے لئے تو ایسا حکم بالکل ناموزون ہے۔ آپ خیال کیجئے کہ آسایش و بہبودی عامہ کے لئے ریل کا بنانا مقصود ہے، یہ کیونکر ممکن ہے جب تک کہ سلطنت قرض نہ لے؟ اور کون ایسا ہے جو منافع میں حصّہ لئے بغیر اپنی رقم حوالہ کر دے گا؟

مثل دیگر احناف کے آپ نے بھی علم الحدیث کی قدر کو بہت گھٹا دیا ہے لیکن مجھ سے آپ پوچھیں تو میں اس معاملہ میں شافعیوں کے ساتھ ہوں، اور میری رائے میں اصلاح کا صحیح راستہ یہ ہے کہ حدیث کا مطالعہ درایت کے ساتھ کیا جائے۔ آپ کا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ پیغمبرؐ نے احادیث کے لکھنے کا کبھی حکم

نہیں دیا۔ یہ حکم قرآن کے متعلق ہے جو آنحضرت کی رائے میں فی صدور الناس ہونا چاہیئے۔ ابوبکرؓ اور عمرؓ نے اس حکم کی تعمیل کی اور اگرچہ الہامات ان کے حکم سے مصحف کی صورت میں جمع کئے گئے تھے، مگر اُنہوں نے اُن کی اشاعت سے ہمیشہ احتراز کیا۔ علم الحدیث صرف پہلی دو صدیوں میں پیدا ہوا، پیغمبر صلعم کو اس کا خیال خواب بھی کبھی نہیں آیا تھا، تاہم آپ نے تحصیل علم کی ہدایت کی خواہ وہ چین ہی میں کیوں نہ ہو اور نیز اپنی مثال اور ہدایات کی اتباع کے لئے ارشاد فرمایا۔ چونکہ میں نے مسلمانوں میں تاریخی واقعات (یعنے احادیث) کے لکھے جانے کے متعلق تمام مواد جرنل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال جلد ۲۵ میں جمع کر دیا ہے۔ لہٰذا میں یہاں اس مضمون پر بالتفصیل بحث کرنا نہیں چاہتا۔

علم الحدیث کی صحیح طور پر قدر و منزلت کرنے کے لئے ہمیں پہلے اس بات کو صحیح طور پر سمجھنا چاہیئے کہ اخبار و آثار کی ابتدا کیونکر قائم ہوئی۔ شام، عراق اور مصر کی فتح کے بعد، تابعین کے زمانے میں، ملت اسلامی خوب پھلی پھولی اور قوت و ثروت حاصل ہوئی، اور چونکہ وہ ایک پُرجوش قوم تھی، لہٰذا اب اُس نے دینی فقہی اور تمدنی مسائل کو جو جدید حالات کے رو سے پیدا ہو گئے تھے حاصل کرنا شروع کیا۔ آپ نے اُس دانشمندانہ ہدایت کا بھی ذکر کیا ہے جو پیغمبر صلعم نے مُعاذ بن جبل (نہ کہ مَعاذ) کو فرمائی کہ "تم اپنی رائے کا اتباع کرو"۔ سوسائٹی کی ابتدائی حالت میں یہ بالکل روا اور موزون تھا۔ لیکن ایک عظیم الشان سلطنت کے صوبہ جات کے والیوں اور ججوں کے ہاتھ میں خود مختارانہ حکومت دے دینا کسی طرح درست نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے ایک ضابطۂ قانون کی ضرورت تھی۔ ایک ایسی ریاست کے قوانین جسے ایک پیغمبر نے قائم کیا ہو اور جس میں لوگ آزاد ہوں، قوانین سُلطانیہ نہیں ہونے چاہئیں بلکہ وہ ایک ایسی شریعت

ہوں جس کی بنا مشقت پر ہو۔ کم سے کم سُنیوں کے لئے تو یہ ضرور ہونا چاہیئے، (شیعوں کی حالت دوسری ہے، اور اسی وجہ سے وہ رافضی کہلاتے ہیں) جوں جوں مسلمان تیز رفتاری کے ساتھ ترقی کرتے جاتے تھے، نئے نئے مسائل بھی ہر روز پیدا ہوتے جاتے تھے، اور تابعین جو زمینوں پر قابض ہوتے جاتے تھے ان مسائل کے حل کرنے کے لئے صحابہ سے معلومات حاصل کرتے تھے۔ اس طور پر علم الحدیث پیدا ہوا، اور اسی کے ذریعہ سے مسلمانوں کی قوم نے ایک ضابطۂ قوانین تیار کیا جو اُس زمانے کے لئے موزون تھا۔ یہ سچ ہے کہ حدیث کے زمانے میں بڑی بڑی رزمیہ نظمیں اور ڈرامے نہیں لکھے گئے تھے اور نہ کیمسٹری میں انکشافات ہوئے تھے، تاہم اس وقت ایک ایسی علمی تحریک موجود تھی جس کی نظیر بلحاظ وسعت و مقدار کے تاریخ میں نظر نہیں آتی۔ صحابہ کی تعداد جن سے مشورہ کیا گیا دس ہزار سے زائد ہے۔ اور اُن کے بعد رجال کی تعداد بیحد وحساب ہے۔ ان اعداد پر خیال کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نہ صرف صاحبان فطنت و ذکا بلکہ قوم کی قوم اِن علمی مشاغل میں مصروف تھی۔ جن مسائل پر بحث کی گئی ہے وہ مختلف حیثیت اور مختلف نوع کے ہیں۔ بعض نظری ہیں جیسے القدر و معرفۃ، موخر الذکر کا بانی غفاری تھا، بعض ایسے ہیں جو ہمیں حقیر معلوم ہوتے ہیں مثلاً مسواک جس پر احادیث کی پوری دو جلدیں موجود ہیں۔ وہ مضمون جس پر ان کی خاص توجہ مبذول تھی فقہ تھا، اور مدینہ کے سات فقہا کے زمانے میں ہر بحث عام رائے سے تصفیہ پاتی تھی (اور حدیث کے متعلق بھی میرا یہی خیال ہے) اور یہ اکابر ایک نظام قائم کرسکتے تھے مسلمانوں کو اپنے ضابطۂ قوانین کے تیار کرنے میں جتنی دہائیاں لگیں اہل روما کو اسی کام کے لئے اُتنی صدیاں صرف کرنی پڑیں۔ ائمہ اربعہ نے اس ضابطہ کو اور کامل کیا، لیکن جہاں تک مجھے علم ہے، اُنھوں نے اپنی آراء کو ایسی قطعی

صورت میں نہیں لکھا جیسے کہ ہم المنہاج اور دوسری کُتب فقہ میں پاتے ہیں بلکہ مسندوں میں (جو احادیث کا مجموعہ ہیں) لکھا جیسا کہ موطا ہے۔ چونکہ بدقسمتی سے مجھے کسی مُسند کے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا لہذا میں اس کے متعلق رائے دینے میں ہچکچاتا ہوں۔ تاہم ایک بات میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں۔ وہ یہ کہ قاضی ابو یوسف نے اُن سوالات کے جواب میں جو ہارون الرشید نے اُن کے سامنے پیش کئے کبھی قطعی صورت اختیار نہیں کی۔ اور کبھی قیاس کو کام میں نہیں لائے۔ بلکہ اُن سوالات کے متعلقہ احادیث کو بیان کر دیا کرتے اور جہاں تک ممکن ہوتا وہ اپنے اور خلیفہ کے خیالات سے اُن کو مطابق کر دیتے۔ آپ نے یہ ٹھیک کہا ہے کہ حدیث کی پابندی لازم نہیں ہے۔ اور یہ پابندی کیونکر لازم ہو سکتی ہے جبکہ اس کی مخالف احادیث بھی پائی جاتی ہیں؟ مثلاً قدریہ اور غیر قدریہ دونو بحث میں حدیثوں کو پیش کرتے ہیں اور ہر ایک اپنے خیالات کی صحت پر اصرار کرتا ہے۔ لیکن اس سے بھی کم پابندی کُتب فقہ کی ہے، کیونکہ فقہ حدیث پر مبنی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ہر حدیث کی پابندی لازم نہیں ہے۔ بلکہ سُنت کی پابندی لازم ہے، اور اگر تم سُنت کو ترک کر دیتے ہو تو تم پھر اُسی بدعنوانی اور بدنظمی میں پڑ جاؤ گے۔ جس میں قرامطہ اور وہابی پڑ گئے۔ مَیں حدیث کو اسلام کی پہلی دو صدیوں کی ایک عظیم الشّان یادگار سمجھتا ہوں۔ اور یہ میرا یقین ہے کہ اصلاح کے لئے جب سعی کی جائے تو اس کی ابتدا احیاء علم الحدیث سے ہونی چاہیئے۔

آپ کو قرآن کے الفاظ یاد ہوں گے۔

ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا کَلِمَۃً طَیِّبَۃً کَشَجَرَۃٍ طَیِّبَۃٍ اَصْلُھَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُھَا فِی السَّمَآءِ تُؤْتِیْٓ اُکُلَھَا کُلَّ حِیْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّھَا۔ (ابراہیم ۱۴- آیت ۲۹-۳۰)	(اے پیغمبر) کیا تم نے (اس پر) خیال نہیں کیا کہ اللہ نے کلمہ طیّبہ (اچھی بات) کی کیسی مثال بیان کی ہے کہ جیسے ایک پاکیزہ درخت جس کی جڑیں مضبوط اور شاخیں آسمان (اوپر کی طرف) پر اور اپنے رب کے حکم سے ہر وقت پھلتا رہتا ہے۔ (ابراہیم ۱۴- آیت ۲۹-۳۰)

آپ لوگوں کے لیئے جڑ قرآن شریف ہے جیساکہ عیسائیوں کے لئے انجیل؟ اور شاخیں اخبار و آثار ہیں اور اکل جو باذن ربھا کل حین پیدا ہوتا ہے وہ قانون اور نظام ہے جو ائمہ اربعہ نے الشجرۃ الطیّبۃ سے اپنے زمانہ کے لئے اخذ کیا ہے نہ کہ آیندہ نسلوں کے لئے بھی۔ کیونکہ آپ کو یاد رکھنا چاہیئے کہ خدا نے فرمایا ہے کہ توٗتی اکلھا کل حین۔ اسے یقین جانئے کہ اگر اہل ایمان اس درخت کی مع اس کی شاخوں کے پرورش کریں گے، تو اس زمانے میں بھی ہمیں ثمرہ ملے گا جیسے پہلے زمانہ میں قدما کو ملا۔ تیسری صدی ہجری کے بعد سے مسلمان علما تقلید میں دھستے چلے گئے، اور انہوں نے کتب الفقہ کو عروۃ الوثقی سمجھ لیا، وہ اپنی تمام عمریں فقہی مسائل کی موشگافیوں میں بسر کردیتے ہیں، اور کبھی اپنی عقل سے کام نہیں لیتے۔ میں کسی ایسے مسلمان کو نہیں جانتا جس کی نسبت میں یہ کہہ سکوں۔

یَجْعَلِ اللّٰہُ صَدْرَہٗ ضَیِّقًا حَرَجًا کَاَنَّمَا یَصَّعَّدُ فِی السَّمَآءِ (الانعام ۶- آیت ۱۲۵)	تو کردیتا ہے اللہ اس کا سینہ تنگ اور بے حد تنگ گویا وہ آسمان پر چڑھ رہا ہے۔ (الانعام ۶- آیت ۱۲۵)

اسلام کو کسی اصلاح کی ضرورت نہیں البتّہ مسلمانوں کو تعلیم و تربیت کی ضرورت ہے۔ اسلام کوئی علماے اہل کلام کا دقیق مسئلہ نہیں ہے۔

کانوا المسلمین عن دراستہ اہل الکتاب غافلین	مسلمان دانشمندئے اہل کتاب سے غافل ہیں۔ (الانعام ۶ آیت ۱۶) کی طرف اشارہ ہے۔ (اڈیٹر)

بلکہ وہ ایک شاندار خیال ہے جس نے قرن اولی کے مسلمانوں میں ایک نئی روح پھونک دی

(الاسلام نور من ربّنا) فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام	(اسلام خدا کی طرف سے ایک نور (روشنی) ہے) تو اللہ جس کو اسلام قبول کرنیکے لئے راہ پر لگاتا ہے اُس کا سینہ کھول دیتا ہے۔

جب یہ شان مدھم پڑگئی، اور اصل خیال میں ضعف آگیا، تو توحید بالکل دوسرے رنگ سے مدرسہ اور خانقاہ میں معرض بحث میں آئی۔ مَیں نے یہ شیخ سعدی کے الفاظ اس لیئے استعمال کیئے ہیں تاکہ آپ کو یاد دلاؤں کہ اس نے ان دو مذاہب کو جن میں سے ایک کو ہم تھیوسوفی یا تصوف (یعنے وحدت الوجود) کہتے ہیں اور دوسرے کو علم الکلام۔ آخری مذہب کے لفظی معنی مدرسہ کے ہیں۔ میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ مسلمان علم الکلام میں عیسائیوں سے کہیں بڑھے ہوئے ہیں۔ اور یہی حال تھیوسوفی یعنے معرفۃ میں ہے۔ اس فن کو اسپی نوزا نے سترھویں صدی میں یورپ میں زندہ کیا۔ تاہم ہمارے فلاسفہ کے خیالات کو القشیری، ابن العربی اور دیگر اہل المعرفۃ کے خیالات سے کچھ مناسبت نہیں۔ اور نہ صرف مدرسۂ دینیات (یعنے علم الکلام) میں بلکہ مدرسۂ فلسفہ میں بھی آپ لوگ ہم فرنگیوں سے بڑھے ہوئے ہیں۔ اور میں نہیں جانتا کہ کوئی لاطینی کتاب اس مضمون پر حکمۃ العین کی برابری کر سکتی ہے۔ استدلالی منطق، علم المعانی و علم البیان وغیرہ میں، اہل یونیورسٹی اکسفورڈ جہاں اب تک ان علوم کی تعلیم ہوتی ہے (جرمنی میں یہ تو حقارت سے دیکھے جاتے ہیں) آپ کے ملّاؤں سے صرف اس بات میں بڑھے ہوئے ہیں کہ اُن کی رسائی ارسطو کے اصل نسخوں تک ہے۔ آپ کے ہاں اب تک عربی صرف و نحو پڑھانے میں منطقی طریقہ استعمال کیا جاتا ہے۔ اور جہاں تک مجھے معلوم ہے، یوروپ میں لاطینی کی تعلیم میں کبھی اس حد تک استعمال نہیں کیا جاتا۔

اب مدرسۂ فلسفہ اور تمام منطقی علوم اسلام کا جزو بن گئے ہیں۔ اور بجائے اکل الشجرۃ کے نظر آتے ہیں مسلمان علماء کی تین نسلیں برابر شوق سے اس اکل کو کھاتی رہیں اور اسی کی تحصیل اور قوت سے انہوں نے اثر و وقعت پیدا کی۔

ایک زمانہ ایسا تھا جب کہ یہ بہت مفید تھے، مگر اب یہ ترقی کے سدِ راہ ہیں۔ تاکہ آپ مدرسئہ فلسفہ اور منطقی علوم کی قدر پوری طرح معلوم کر سکیں، میں آپ سے مثالاً یہ بیان کرتا ہوں کہ لوتھر اپنے ابتدائی زمانے میں اُن کا بڑا حامی تھا، لیکن بعد میں جب وہ ریفارمر (مصلح) کی حیثیت سے کھڑا ہوا تو وہ اِن علوم کو بہت بُرا بھلا کہتا تھا، اور موجودہ دجّال لیوسیزدہم[1] اپنے پادریوں کو طامس[2] اقوی نو کی مطالعہ کی ہدایت کرتا ہے۔ لیکن ہماری یونیورسیٹیوں کا نصاب تعلیم پر لعنت بھیجتا ہے۔ وہ ریفارمیشن (اصلاح) جس کی بدولت ہمیں موجودہ تہذیب وتمدّن حاصل ہوا، اُس کی تکمیل کونسلوں اور پوپوں کے اُن احکام کو جو تیرہ صدیوں میں جاری ہوئے تھے بالائے طاق رکھنے اور ابتدائی کلیسیا کی سادگی کی طرف واپس جانے سے ہوئی اور پھر یہ سلسلۂ تاریخ، اعلےٰ علم ادب اور علوم استقرائی کے مطالعہ سے برابر جاری رہا۔ اگر آپ اسلام کو تباہی اور ذلت سے بچانا چاہتے ہیں۔ تو آپ کو یہی راستہ اختیار کرنا چاہیئے، آپ کو بھی حدیث کے زمانے کی طرف واپس جانا چاہیئے اور وہ لوگ جو اعلےٰ تعلیم کی

[1] پوپ لیوسیزدہم ۲ مارچ سنہ ۱۸۱۰ء کو بمقام کاربنیسو پیدا ہوا۔ اس کا باپ نپولین اعظم کی فوج میں ملازم تھا۔ اس نے ابتدائی تعلیم ویٹرلو اور روم میں پائی۔ ۳۔ مارچ سنہ ۱۸۷۸ء کو پوپ تسلیم کئے جانے کے بعد اس نے اصلاحیں شروع کیں۔ سب سے زیادہ اس کی توجہ سینٹ طامس اقوی نو کی اس تجویز پر تھی کہ دنیا کے کل رومن کیتھلک پادریوں کو سخت صوفیانہ اصول پر تعلیم دی جائے اور اس مقصد کی تکمیل کے لئے اس نے روم میں ایک مدرسہ قائم کیا جو طامس اقوی نو کے نام سے موسوم تھا۔ بارہ ہزار پونڈ کے صرفہ سے سینٹ مذکور کی تصنیفات ازسرِنو اور اعلےٰ پیمانہ پر طبع کرائیں سنہ ۱۹۰۲ء میں ایڈورڈ ہفتم نے ارل ڈنبیگہ کو لیوسیزدہم کے ۹۳ ویں سالگرہ کی مبارک باد دینے کے لئے روم بھیجا۔ سنہ سال کی عمر میں لیوسیزدہم نے انتقال کیا۔

[2] طامس اقوی نو ایک شریف خاندان سے تھا اور یورپ کے اکثر شاہی خاندان سے اُسکی قرابت قریبہ تھی سنہ ۱۲۲۵ء یا سنہ ۱۲۲۷ء میں ملک سیلیسیں میں پیدا ہوا اور ۷ مارچ سنہ ۱۲۷۴ء کو فوت ہوا۔ علم تصوّف اور فلسفہ میں اس کی تصنیفات بڑا پایہ رکھتی ہیں۔ سنہ ۱۸۸۷ء میں پوپ لیوسیزدہم کے حکم سے اُس کی تصانیف کی ۲۸ جلدیں وینس میں طبع ہوئی ہیں۔

تمنا رکھتے ہیں انہیں علم اللسان، علم ادب، تاریخ کا مطالعہ کرنا چاہیئے اور پھر علوم نظری اور خاص کر نیچرل فلاسفی کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔ عربی زبان میں تاریخ پر ایک نہایت عمدہ کتاب ہے (یعنے مقدمہ ابن خلدون اور اُس کی تاریخ) جو ہندوستان میں رائج کرنی چاہیئے۔ یہ کتاب قاہرہ میں طبع ہوئی تھی، اور مقدمہ پیرس میں ۱۸۵۸ء میں شائع ہوا۔ علم اللسان کے متعلق آپ کو یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ شرح ملا جیسی کتابوں کے مطالعہ سے طالب علم کو عربی زبان میں کچھ زیادہ دستگاہ حاصل نہیں ہوتی، یہ صرف قال اقول کی مشق ہے۔ مولوی مملوک علی، جو شرح ملا کے بڑے مداح تھے، کہتے تھے کہ ہدایۃ النحو میں عربی نحو کے تمام قواعد موجود ہیں، اور شرح ملا اس لحاظ سے فضول ہے۔ یہی حال الضوء، الرضی اور ابن عقیل وغیرہ کا ہے۔

جب مجھے مدرسہ کی اصلاح کے لئے کلکتہ طلب کیا گیا تو میں نے مذکورہ بالا خیالات کے عمل میں لانے کی حتے الوسع کوشش کی۔ میں نے نیچرل فلاسفی کے رائج کرنے کی کوشش کی۔ کونسل آف ایجوکیشن سے تفسیر (میرا ارادہ بیضاوی کے داخل کرنے کا تھا) اور حدیث کو داخل نصاب کرنے اور فارسی تعلیم کے معیار کو اعلیٰ کرنے کی اجازت لی، کیونکہ فارسی کا شستہ علم ادب بھی ہندوستان کے مسلمانوں کا علم ادب ہے۔ صرف و نحو کے متعلق میرا یہ ارادہ تھا کہ ہدایۃ النحو کا ایک نیا اڈیشن تیار کروں جس میں قرآن و حدیث اور شعراء جاہلیت کے کلام سے بکثرت امثلہ ہوں اور نیز اس میں ایسا ضروری اضافہ کر دیا جائے کہ شرح ملا کی ضرورت باقی نہ رہے۔ بعض وجوہ سے جن کا بیان نہ صرف باعث طوالت ہو گا بلکہ مجھے بحث سے دور لے جائے گا، ہم فرنگیوں کی یہ رائے ہے کہ شستہ ذوقِ ادب پیدا کرنے کے لئے طلبہ کے واسطے قدیم علم ادب کا مطالعہ ضروری بلکہ لازمی ہے۔ آپ لوگوں کے لئے عربی زبان بجائے لاطینی اور یونانی کے ہے۔ میں نے بڑی احتیاط اور

کوشش سے دلّی میں طلبہ کے لئے الحماسہ ابو تمام کا ایک نہایت عمدہ اڈیشن
طبع کرایا۔ اور اساتذہ کے لیئے میں نے جرمنی سے اس کی شرح منگوائی جو وہاں
۱۸۲۸ء میں بمقام بن طبع ہوئی تھی۔ جب میں نے نیچرل فلاسفی پر لکچر شروع کئے
تو آپ کے بھائیوں نے میری بڑی مخالفت کی۔ اور بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ اُنہوں
نے مسٹر بیڈن کو بھی اپنی طرف کر لیا تھا۔ مدرسہ عالیہ کلکتہ کے پروفیسروں نے
بھی ایک فتوے لکھا جس میں یہ درج تھا کہ ہمارے فلسفہ پر حملہ کرنا ہمارے مذہب
پر حملہ کرنا ہے۔ میں نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا اور اُن کی درسی کتاب
المیبذی کے باب فی الملائکۃ وھی العقول المجردۃ کا حوالہ دے کر
پوچھا کہ آیا یہ نظریہ کہ افلاک اور فرشتے ایک ہیں قرآن کے مطابق ہے۔ میں نے
یہ بھی کہا کہ تمام الحکمۃ الطبیعیہ نیز فلکیات، اُن مشاہدات کے رو سے
جن پر ہمارے جہاز رانی اور علوم و فنون کی ترقی کا دار و مدار ہے، غلط ثابت
ہو گئی ہیں۔ اُن کا جواب یہ تھا کہ ہم جانتے ہیں کہ ہم اپنے فلسفہ کی تعلیم سے کوئی
مادّی فائدہ حاصل نہیں کرتے، بلکہ اس سے طالب علم کے دماغ کو دقائق
علم الفقہ کے لئے تیار اور قابل بنانا مقصود ہے۔ اب اگر آپ مدارس کے نصاب
درسیہ کو غور سے ملاحظہ فرمائیں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ طلبہ جو کچھ پڑھتے ہیں وہ صرف
اس غرض سے ہے کہ اُن کا دماغ دقیق اور قیاسی مسائل کے حل کرنے کے
قابل ہو جائے۔ اس سے ہرگز یہ مقصود نہیں کہ کوئی مادی علم حاصل ہو۔ آپ
خیال کیجئے کہ شرح ملا، القطبی، مختصر معانی، اور نیز جامع الرموز،
کنز الدقائق جن کے ناموں سے مصنفین کا مقصد ظاہر ہے صرف اس لئے
ہیں کہ طالب علموں کے سامنے معمے اور چیستانین پیش کی جائیں۔ اور یہ سب
کچھ اس مذہب کے نام سے کیا جاتا ہے جس کی تلقین النبی الامی نے کی تھی۔

اس امر کے معلوم کرنے کے لئے زیادہ غور کی ضرورت نہیں کہ عالم اسلامی میں جس قدر خرابیاں ہیں وہ سب اعلےٰ تعلیم کے بے ڈھنگے طریقہ کی وجہ سے ہیں مسلمان علما کو بہت سخت محنت کرنی چاہیئے، اور لازم ہے کہ وہ تقریباً ساری عمر اس میں صرف کردیں کہ وہ انبیا زود وقت حاصل کریں کیونکہ دنیا میں بمقابلہ کسی اَور کے وہ زیادہ تر ملح الارض ہیں۔ عام لوگ انہیں کی ہدایت پر چلتے ہیں۔ آپ کی نظر سے غالباً یہ بات نہ چوکی ہوگی کہ مسلمان، خواہ عرب ہوں یا تُرک، کُرد ہوں یا ایرانی، خواہ شمال میں ہوں یا منطقہ حارّہ میں، سب کے دل و دماغ ایک ہی سے ہیں اور سب کا نقشہ ایک ہی سا ہے۔ یہ نقش اس سلسلہ تعلیم کا ہے جو انہیں دی جاتی ہے۔ میں اُن خرابیوں کے مزید ذکر سے جو مسلمانوں کی قوم سے مخصوص ہیں آپ کے دل کو صدمہ نہیں پہنچانا چاہتا۔ لیکن میں اس امر کے دُہرانے سے باز نہیں رہ سکتا کہ اگر ان خرابیوں کو رفع نہ کیا گیا تو ممکن ہے کہ وہ وقت آجائے جب اُن کی نسبت

ضربت علیہم الذلۃ	اُن (یہود) پر ذلّت ڈالی گئی ہے۔
آل عمران ۳۔ آیت ۱۰۸۔	آل عمران ۳ - آیت ۱۰۸۔

کہنا پڑے۔ برخلاف اُن لوگوں کے جنہوں نے اس مضمون پر غور کیا اور تحریریں شائع کیں۔ میری رائے یہ ہے کہ اس میں اسلام کا کچھ قصور نہیں ہے بلکہ صوفیا کی اصطلاح میں یہ کہنا چاہیئے کہ الرین الذی غلب علے الاسلام

اور اس غین و رین کو رفع کرنا چاہیئے۔ اسلام میں ابھی اس قدر قوت ہے کہ وہ ایک صدی سے زیادہ اور زندہ رہے۔ آپ کے علما (اس سے مراد میری وہ لوگ ہیں جو پہلے فقہا کہلاتے تھے اور اب ٹرکی میں انہیں علما، اور ایران میں مُلّا، اور جو ہندوستان میں پہلے مولوی کہلاتے تھے) بہت تنگ خیال

ہیں، اگرچہ منطق اور نظری قیاسات میں قوی ہیں، اور یہی وجہ ہے کہ وہ ہیوم وغیرہ
اسکاچ فلاسفروں کی تصانیف کو جو ہندوستان کے گورنمنٹ کالجوں میں پڑھائی جاتی
ہیں، حقارت سے دیکھتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اگر کانٹ کی کتاب "کرٹک در ریمین
ورنونت" یعنے اس کی وہ تصنیف جس میں ہماری قوائے عقلیہ کے حدود
کو ظاہر کیا گیا ہے، اور یہ بتایا گیا ہے کہ مافوق العادۃ اشیاء ہماری رسائی سے
باہر ہیں، عربی زبان میں ترجمہ کی جاتی، تو اُسے آپ کے علماء بہت پسند کرتے
اور اصلاح کی داغ بیل پڑ جاتی، بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ مدرسۂ فلسفہ کی تہافت
کی راہ نکل آتی۔ ہندوؤں کو جو مسلمانوں پر یہ فضیلت ہے اس کی وجہ یہ ہے
کہ اُنھوں نے زیادہ مستعدی کے ساتھ فرنگیوں کے طریقۂ خیال کو اختیار کر لیا
ہے انگریزی مدرسوں سے جو اُن کے بچّوں کی تعلیم کے لئے قائم کئے گئے فائدہ
اُٹھایا ہے۔ وہ مذہب برہمنی کے قیود سے آزاد ہونے، ذاتی اور معاشرتی عادات
ورسوم میں ازسرِنو تغیر پیدا کرنے، اپنا ایک نیا علم ادب بنانے، اور مختصر یہ ہے
کہ حالات کی مناسبت سے اپنے قدیم تمدن پر ایک جدید تمدن کی بنیاد قائم کرنے
کے لئے تیار ہیں۔ اکثر اقوام یورپ، اور تیوتانک اقوام کا تمدن اسی طرح پیدا ہوا
اس کے عناصر انہیں اہل روما سے ملے، پھر وہ عیسائی مذہب میں تبدیل ہوئے،
اور اس کے بعد اپنے طور پر بڑھے اور پھولے پھلے۔ گورنمنٹ ٹرکی اور مصر نے
اس کا تجربہ کیا، نوجوان مسلمان تعلیم کے لئے یورپ میں بھیجے گئے، انجنیرنگ
اور ڈاکٹری وغیرہ کے مدارس قاہرہ اور قسطنطنیہ میں قائم کئے گئے، اور ایک
حد تک فرانسیسی عادات ورسوم کو بھی رواج دیا گیا لیکن ان سب کوششوں
کا سوائے اس کے اَور کچھ نتیجہ نہ ہوا کہ اس سے اسلامی تمدن اور اسلامی قوت
میں اور انحطاط وتنزل پیدا ہو گیا اسی طرح ہندوستان میں بھی اگرچند مسلمان

انگریزی اور جدید علوم کی تعلیم پاتے ہیں، تو اس سے عام طور پر مسلمانوں کو کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ وجہ ظاہر ہے۔ مذہب کا آپ لوگوں پر بہ نسبت ہندوؤں کے زیادہ قبضہ ہے، اور جیسا کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں، مسلمان کے خصائص و خصائل کو بھی اسلام ہی بناتا ہے۔ ایک تعلیم یافتہ ہندو طبعی طور سے متشکک ہوتا ہے۔ لیکن مسلمانوں میں متشککین عموماً ملحدین ہوتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ پہلے اپنے اصول کو ترک کرتے ہیں اور پھر مذہب سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ یہ چیزیں ان کے الحاد یعنی شہوات نفسانی میں سدّ راہ ہوتی ہیں۔

آپ لوگ تنہا اپنی کوشش سے (میرا مطلب مسلمانان ہند سے ہے) ان اصلاحات کو کبھی جاری نہیں کر سکتے جو میں نے تجویز کی ہیں، اور جو میری رائے ہیں، اور میرے ایک دوست کی رائے میں جسے اسلام اور اسلامی تاریخ سے اس قدر واقفیت ہے کہ دنیا میں کسی زندہ شخص کو اس قدر واقفیت نہ ہوگی، دنیائے اسلام میں نئی رُوح پیدا کرنے کے لئے صرف یہی ایک ذریعہ ہیں۔ یہ برٹش گورنمنٹ کا فرض تھا اور اس میں اُس کا فائدہ بھی تھا کہ وہ ہندوستان کے مسلمانوں میں ایک صحیح اور مستقل تعلیمی پالیسی کا رواج دیتی (اور اب مصر میں) مگر موجودہ پالیسی نہایت تنگ خیالی پر مبنی ہے اور اغلباً اس کا وہی نتیجہ ہوگا جو آئرلینڈ میں ہوا۔ آئرلینڈ کے رومن کیتھلک پادری ایسے ہی جاہل اور ایسے ہی متعصّب ہیں جیسے آپ کے خواندہ کاران اور آپ کے اونچے درجے کے مولوی۔ عوام کے رہنما پادری ہوتے ہیں اور وہ انہیں جہالت اور تعصّب میں مبتلا رکھتے ہیں۔ یہی حال عوام کا تمام اسلامی ممالک میں ہے۔ سرغناؤں نے حالات سے فائدہ اُٹھایا، اور اُنہیں حق کے خیالات اور قیاسات کے متعلّق جو آج کل یورپ میں وبا کی طرح پھیلے ہوئے ہیں تلقین کی، اور اُن میں ایسا اشتغال اور جوش پیدا

کیا کہ وہ قتل و غارتگری اور اُن شیطانی افعال کے مرتکب ہوئے جن کا ذکر ہم روزانہ اخبارات میں پڑھتے ہیں۔ آپ یقین جانیں کہ ہندوستان کے مسلمانوں کے سرغنہ دیر سویر انہیں مدارس سے نکلیں گے جو گورنمنٹ کی سرپرستی میں ہیں[1]۔ دوربین اور عالی دماغ سر رابرٹ پیل سمجھ گیا تھا کہ اس خرابی کا علاج کیونکر کرنا چاہیئے اور اسکی خواہش تھی کہ آئرلینڈ کے رومن کیتھلک پادریوں کی تعلیم کے لئے ایک کالج قائم کیا جائے۔ اُسے کامیابی نہ ہوئی اور کامیابی ہو بھی نہیں سکتی تھی کیونکہ ایسے کالج کے طالب علم کو پوپ کبھی اپنے حلقہ میں داخل نہ کرتا۔ اب کوئی اُمید نہیں ہے کہ کسی اسلامی ملک میں سر رابرٹ پیل سا کوئی شخص اُٹھے اور تعلیمی پالیسی کی اصلاح اور آنے والے فتنہ کا انسداد کرے[2]۔

[1] ڈاکٹر اسپرنگر کی یہ پیشین گوئی پوری تو ہوئی، لیکن مسلمانوں کے متعلق نہیں۔ بلکہ اس قوم کے متعلق جس نے انگریزی مدارس سے بہت زیادہ فائدہ اٹھایا تھا۔ مسلمانوں کا اس فتنے میں شریک ہو جانا بالکل قرین قیاس تھا، اگر ایک ایسا دوربین اور عالی دماغ شخص اُن میں نہ ہوتا جس کی طرف سے ڈاکٹر صاحب ممدوح نے مایوسی ظاہر فرمائی ہے۔ سرسید نے خلاف اُمید ڈاکٹر صاحب مرحوم کے مسلمانوں کی تعلیمی پالیسی کی اصلاح اور آنے والے فتنے کے انسداد کے متعلق ایسی بےنظیر کوشش کی ہے کہ مسلمانانِ ہند ہمیشہ اُن کے مرہونِ احسان رہیں گے اور اب اس پالیسی کی تکمیل اُن لوگوں کے ذمہ ہے جو اُن کے جانشین اور قوم کے سردار ہیں۔ (مترجم)

[2] اسپرنگر آلاش ۳ ستمبر ۱۸۱۳ء کو ٹایرول میں پیدا ہوا۔ انسبرگ۔ ویانا اور پیرس (فرانس) میں طب اور السنہ مشرقیہ کی تعلیم پائی۔ ۱۸۴۱ء میں یونیورسٹی لیڈن سے۔ ایم۔ ڈی۔ یعنے "ڈاکٹر آف مڈیسن" کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۸۴۳ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت میں بحیثیت ڈاکٹر ہندوستان آیا۔ ۱۸۴۴ء میں محمڈن کالج دہلی کا پرنسپل ہوا۔ ۱۸۴۷ء سے ۱۸۵۰ء تک لکھنؤ میں اسسٹنٹ رزیڈنٹ رہا۔ ۱۸۵۱ء سے ۱۸۵۴ء تک کلکتہ کے مدرسہ عالیہ کی پرنسپلی اور سرکاری خدمات ترجمہ فارسی کو انجام دیا اور ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کا سکرٹری رہا۔ ۱۸۵۵ء میں یورپ واپس گیا اور برن (سوئٹزرلینڈ) میں السنہ مشرقیہ کا پروفیسر رہا۔ ہیڈل برگ میں سکونت اختیار کی اور وہیں ۱۹ دسمبر ۱۸۹۳ء کو بعمر ۸۸ سال ۳ ماہ ۲۲ یوم انتقال کیا۔ اسپرنگر نے حسب ذیل کتب تصنیف کیں:

انگریزی ہندوستانی قواعد۔ انتخابات از مصنفین عرب۔ تاریخ محمود غزنوی۔ سوانح عمری آنحضرت صلعم (بزبان جرمنی) از اصل کتاب عربی۔ جغرافیہ عرب قدیم۔ کتب خانہ شاہ اودھ کے قلمی نسخہ جات کی ایک فہرست تیار کی۔ ایک بار گلستان طبع کرائی۔ ۲۵۔ السنہ اور مشرقی علم ادب سے بخوبی واقف تھا۔ دہلی سے ہندوستانی زبان میں ایک ہفتہ واری اخبار نکالا جو ہندوستان میں سب سے پہلا پرچہ دیسی زبان میں تھا۔

ڈاکٹر صاحب موصوف کو مسلمانوں اور مسلمانوں کے علوم و فنون و کتب سے خاص طور پر دلچسپی تھی۔ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے جرنل میں سینکڑوں مضمون مسلمانوں کی تاریخ کے متعلق لکھے ہیں۔ عربی فارسی کے بہت سی کارآمد مفید کتب طبع کرائی ہیں جن میں سے الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ تصنیف علامہ ابن حجر عسقلانی ۱۸۵۶ء اور کتاب کشاف اصطلاحات فنون تالیف محمد علی تھانہ بھونی خاص طور پر قابل ذکر ہے جو ۱۸۶۲ء میں طبع ہوئی اور بزمانہ قیام لکھنؤ جناب مولانا علامہ السید حامد حسین صاحب قبلہ مرحوم و مغفور سے نہایت محبت سے پیش آیا کرتے تھے اور اُن کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے اور بزمانہ قیام کلکتہ ہمیشہ علامۂ ممدوح سے خط و کتابت رہتی تھی اور طرفین سے کتب نایاب کے نقول آتے جاتے رہتے تھے اور اکثر اوقات ڈاکٹر صاحب موصوف اشعار عربی زمانۂ جاہلیت کے جناب مولانا ممدوح کے پاس بغرض حل و شرح بھیجا کرتے تھے ڈاکٹر صاحب موصوف کا خط نسخ عربی بہت بہتریں تھا۔ اگرچہ ڈاکٹر صاحب مر گئے ہیں مگر اُن کے اعلٰے کارنامے اُن کے نام کو ہمیشہ زندہ رکھیں گے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حصۂ دوم

تمدّنی اصلاحیں

بقول میکال اسلام کے تین لاعلاج عیب

۹۱- یہ ظاہر کرنے کے بعد کہ ریورنڈ مسٹر میکال کے وہ دلائل جن پر اُس نے اپنے اس قول کی بنیاد رکھی ہے کہ اسلامی سلطنتوں میں جدید اصلاحوں کا رواج دینا ناممکن ہے بالکل بے بنیاد اور لغو ہیں۔ اب میں اُن کے ان دلائل کو پرکھنا چاہتا ہوں جن کی وجہ سے وہ موجودہ اہل اسلام میں کسی اصلاح یا ترقی کے رواج پانے سے بالکل مایوس ہیں۔ اور اس امر کے ثابت کرنے کی کوشش کروں گا کہ اگر وہ قرآن کی پاک تعلیم کی طرف توجہ فرماتے جس سے وہ بالکل ناواقف معلوم ہوتے ہیں تو مجھے اس تردید کی ضرورت نہ پڑتی +

پادری صاحب نے اندھا دھند یہ رائے ظاہر فرمائی ہے :-

"علاوہ اس برتاؤ کے جو اسلام میں غیر مسلم رعایا کے ساتھ روا رکھا گیا ہے۔ اسلام میں تین ایسے "لاعلاج عیب موجود ہیں جو اس مذہب کا جزو لاینجزّے ہو گئے ہیں۔ اور ہر قسم کی اصلاح و ترقی کے مانع ہیں۔ اور وہ یہ ہیں :-

"**اوّل**۔ عورتوں کی ذلّت اور غلامی کا رواج +

"**دوم**۔ انسانی عقل کو چھٹی صدی کے ایک ناقابل و ناتربیت یافتہ بدّو کے علم کے تنگ دائرہ میں محدود کر دینا +

"**سوم**۔ اور مرتد کی سزا ئے موت[1] +

---

[1] کنٹمپوریری ریویو بابت ماہ اگست ۱۸۸۱ء صفحہ ۲۷۸ +

نوٹ۔ مُرتد کی سزائے موت پر حصۂ اوّل میں بحث ہو چکی ہے + عبداللہ

اب میں (بقول ریورنڈ موصوف) مذہب اسلام کے ان تین لاعلاج عیوب پر نظر ڈالونگا*

عورتوں کی حالت

اسلام سے پہلے اہل عرب میں عورتوں کی بُری حالت

۹۲۔ آنحضرت صلعم کی تعلیم سے عورتوں کی حالت اس درجہ بہتر ہو گئی کہ آپ سے قبل کے تمام مُصلحین اور انبیاء کی تعلیم سے یہ توقع نہیں ہو سکتی تھی۔ آنحضرتؐ کی تمدنی اصلاحوں سے پہلے تمام ملک عرب میں کثرت ازدواج کی کوئی حد نہ تھی۔ طلاق کا کوئی اصول نہ تھا۔ اور اس کے ساتھ لونڈیوں کے رکھنے کا نہایت مکروہ طریقہ الگ رائج تھا بعض قبائل میں یہ ناپاک ظالمانہ و وحشیانہ رسم جاری تھی کہ وہ اپنی شیر خوار لڑکیوں کو اس لئے قتل کر ڈالتے تھے کہ اُنہیں سُسرے بننے کی ذلت نہ سہنی پڑے اور جو بدنصیب لڑکیاں ان کی خونخواری سے بچ جاتی تھیں وہ اپنے باپوں کے مرنے کے بعد وراثت سے محروم رہتی تھیں۔ بعض قبائل ایسے تھے جن میں یہ دستور تھا کہ باپ کے مرنے کے بعد بیٹا باپ کی بیوہ (سوتیلی ماں) سے شادی کر لیتا تھا۔ نیز دو بہنوں سے ایک ساتھ عقد کر سکتا تھا۔ متوفی باپ کی بیبیاں بیٹے کی نظروں میں ایسی ہی تھیں جیسی اور بے جان اشیا ان کے دلوں میں عورتوں کی کچھ مطلق وقعت نہ تھی۔ بات چیت میں بھی کسی قسم کی تعظیم کا اظہار نہیں کرتے تھے۔ اور بعض جو نہایت وحشی تھے وہ عفیف اور پاکدامن عورتوں کی نسبت فحش اور ناپاک کلمات استعمال کرتے تھے۔ خود عورتوں کے عادات و اطوار اور اُن کا لباس قابل اصلاح تھا۔ جو یتیم لڑکیاں جوان ہوتی تھیں اُن کے ولی ان میں سے کئی کئی سے شادی کر لیتے تھے تاکہ اُن کا مال ہضم کر لیں۔ اور آخر میں اُن کو بے یار و مددگار مصیبت کی حالت میں چھوڑ دیتے تھے۔ قرآن مجید کی تعلیم نے رفتہ رفتہ اُن کی ذلیل حالت کو سُدھارنا شروع کیا۔ سب سے اول تو کثرت ازدواج کو چار تک محدود کیا۔ یہ اجازت بھی اس شرط کے ساتھ ہے کہ شوہر کو پورا یقین ہو کہ ان سب کے

ساتھ عدل کا برتاؤ کرے گا۔ اور پھر اس امر کا اظہار کر دیا کہ ایک سے زیادہ بیبیوں کے ساتھ عدل کرنا ناممکن ہے۔ اگرچہ مرد ایسا کرنے پر آمادگی ظاہر کریں اور اس طرح درحقیقت کثرت ازدواج کو موقوف کر دیا۔

آنحضرت صلعم نے عورتوں کی حالت کو ترقی دی

۹۳ - جدید قانون متعلقہ زن وشو کی وجہ سے جس کی پیغمبر خدا نے اپنے پیرووں کو تلقین کی اور بعض دانشمندانہ۔ عادلانہ اور سخت قیود سے آپ نے طلاق کی سہولت کو بھی رفع کیا۔ یہ قیود بہت ہی معقول ہیں۔ اور ان میں طرفین کے فائدے کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ قرآن میں اہل عرب کو نصیحت اور تاکید کی گئی ہے کہ وہ اپنی بیبیوں کے بارے میں خراب رسوم کو ترک کر دیں۔ آنحضرت صلعم نے غلامی[1] کو موقوف کر کے لونڈیوں کے رکھنے کے رواج کو بھی موقوف کیا اور اس وقت جو عورتیں غلامی کی حالت میں تھیں اُن سے عقد کر لینے کی تاکید کی ورنہ وہ لونڈیاں بنا کر رکھی جاتیں[2]۔ شیر خوار لڑکیوں کے ہلاک کرنے کے خلاف نہایت سخت اور شدید احکام ہیں۔ اور اس جُرم کے ارتکاب کرنے والوں کو ڈرایا گیا ہے کہ عقبیٰ میں اس کا بڑا عذاب[3] ہو گا۔ اس طرح عرب اور دیگر اسلامی ممالک سے دختر کشی کی رسم بالکل اُٹھ گئی۔ سب سے اول قرآن میں قانون وراثت ایسا قائم کیا گیا کہ اس میں عرب[4] کی عورتوں کے حقوق کا بھی لحاظ رکھا گیا۔ باپ کے مرنے کے بعد[5] سوتیلی ماؤں سے اور وقت واحد میں دو بہنوں سے عقد کرنے کی سختی کے ساتھ ممانعت کی گئی اور اُنہیں سنگین[6] جرائم میں شمار کیا گیا ہے اور یہ ہدایت کی گئی کہ بیواؤں کے ساتھ[8] مثل املاک وجائداد کے برتاؤ نہ کرو۔

مردوں کو تاکید کی گئی ہے کہ عورتوں سے[9] عزت کے ساتھ پیش آئیں اور اُن سے بات چیت کرنے میں ادب ملحوظ رکھیں۔ پھر آنحضرت صلعم نے عورتوں پر بہتان باندھنے کے

[1] محمد ۴۷ آیت ۵ [2] النّسا ۴ آیت ۲۹۔ المعارج ۷۰ آیت ۲۹ و ۳۰۔ المومنون ۲۳ آیت ۵ و ۶ [3] الانعام ۶ آیت ۱۵۲۔ بنی اسرائیل ۱۷ آیت ۳۳۔ التکویر ۸۱ آیت ۸ و ۹ [4] النسا ۴ آیت ۸ [5] النسا ۴ آیت ۲۶ [6] النسا ۴ آیت ۲۷ [7] النسا ۴ آیت ۲۶ [8] النسا ۴ آیت ۲۳ [9] النسا ۴ آیت ۲۳ +

مسئلے کی طرف توجّہ فرمائی اور جو لوگ پاکدامن اور نیک عورتوں کے خلاف اتہام لگاتے تھے اُن کے لئے جسمانی سزا مقرر کی[۱]۔ نیز عورتوں کے اطوار[۲] و عادات اور لباس میں بھی اصلاحیں فرمائیں۔ جو لوگ کم سن یتیم لڑکیوں کے ولی تھے اُنہیں ممانعت کردی گئی۔ کہ اُن[۳] سے شادی نہ کریں[۴]۔

عورتیں جو اُس وقت ذلّت و خواری کی حالت میں تھیں اُن کے لئے یہ مفید تدابیر بیشما فوائد سے مملو تھیں اور ان نئی اصلاحوں کی بدولت اُنہیں اس ذلّت و خواری اور مصیبت سے نجات ہوگئی جو اب تک مردوں کے ہاتھوں سے اُنہیں سہنی پڑتی تھیں۔

۹۴۔ اس مسئلہ کے متعلق قرآن مجید میں جو آیات وارد ہوئی ہیں وہ ذیل میں لکھی جاتی ہیں:- اس مسئلہ کے متعلق قرآن مجید کے مفید احکام

۱۔ یاایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منھا زوجھا وبث منھما رجالاً کثیرا ونساءً واتقوا اللہ الذی تساءلون بہ والارحام[۵] ان اللہ کان علیکم رقیبا ٥ (النساء ۴ آیت ۱)	۱۔ لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو تنِ واحد (آدم) سے اور اس سے اُس کے جوڑے (حوّا) کو پیدا کیا اور اُن دو سے بہت سے مردوں اور عورتوں کو پھیلایا اور آپس میں تم جس خدا کا واسطہ دیتے ہو اُس سے ڈرو اور ارحام کا اعزاز و لحاظ کرو۔
۲۔ وان خفتم الا تقسطوا فی الیتٰمی فانکحوا ما طاب لکم	۲۔ اور اگر تم کو اس بات کا اندیشہ ہو کہ یتیم لڑکیوں کے حق میں تم انصاف نہ کروگے تو اپنی مرضی کے مطابق دو دو تین تین

[۱] النور ۲۴ آیت ۴ و ۶ و ۲۳ [۲] الاحزاب ۳۳ آیت ۵۹ - النور ۲۴ آیت ۳۱ [۳] النساء ۴ آیت ۳ و ۱۲۶ [۴] یتیم لڑکیوں کا مال ہضم کرنے کی نیت سے اولیا کو ان کے ساتھ نکاح کرنے کی ممانعت کی گئی۔ ملاحظہ ہو سورۂ نساء ۴ آیت ۳۔ مگر جو ولی محض نیک نیتی سے یتیم لڑکی کے ساتھ عقد کرے تو مضایقہ نہیں۔ النساء ۴ آیت ۱۱ [۵] مصنف نے انگریزی ترجموں سے لفظ "ارحام" کا ترجمہ "عورتیں جنہوں نے تم کو اپنے پیٹ سے پیدا کیا" لکھا ہے۔ ارحام کے لغوی معنی قریب رشتہ دار ہیں اور اصطلاح فقہ میں ان رشتہ دار مردوں اور عورتوں کو کہتے ہیں جو ماں کی طرف کے ہوں۔ مگر لغت میں لفظ ارحام و اولوالارحام ماں اور باپ کی طرف کے مرد و عورت رشتہ داروں کے لئے عام ہے۔

کتب تفاسیر میں اس آیت کا یہ مطلب لکھا ہے کہ قریبی رشتہ داروں کے حقوق کا لحاظ رکھو اور اُنکی عظمت کرو اور قطع رحم سے ڈرو۔ ملاحظہ ہو ترجمہ قرآن از وھیری میکسمر وغیرہ و البیان تفسیر القرآن و تفسیر کبیر امام رازی و قاضی بیضاوی۔ لغت لسان العرب و تاج العروس۔

من النساء مثنیٰ وثلٰث وربٰع
فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ او
ما ملکت ایمانکم ذٰلک ادنیٰ
الا تعولوا وآتوا النساء صدقٰتهن
نحلۃ فان طبن لکم عن شیء منه
نفسا فکلوه هنیئا مریئا (النساء ۴ آیۃ ۴)

اور چار چار عورتوں سے نکاح کرو لیکن اگر تم ڈرو کہ (متعدد بیبیوں میں) برابری نہ رکھو گے تو بس ایک ہی یا جو لونڈیاں تمہارے قبضہ میں ہوں (انہی پر قناعت کرو) اس طرح ناانصافی سے بچنے کے قریب تر ہو گے۔ اور عورتوں کو اُن کے مہر خوشی سے دیدو۔ پھر اگر وہ اپنی خوشی سے تم کو کچھ چھوڑیں تو اُسے کھاؤ پیو۔ نوش جان (النساء ۴ آیت ۴)

۸-للرجال نصیب مما ترک الوالدان والاقربون و للنساء نصیب مما ترک الوالدان والاقربون مما قل منه او کثر نصیبا مفروضا (النساء ۴ آیت ۸)

۸۔ ماں باپ اور رشتہ داروں کے ترکے میں تھوڑا ہو یا بہت مردوں کا حصہ ہے اور ایسا ہی ماں باپ اور رشتہ داروں کے ترکے میں تھوڑا ہو یا بہت عورتوں کا بھی حصہ ہے اور یہ حصہ ہمارا ٹھیرایا ہوا ہے (النساء ۴ آیت ۸) +

۲۳-یاایها الذین آمنوا لایحل لکم ان ترثوا النساء کرها و لاتعضلوهن لتذهبوا ببعض ما آتیتموهن الا ان یاتین بفاحشۃ مبینۃ وعاشروهن بالمعروف فان کرهتموهن فعسیٰ ان تکرهوا شیئا ویجعل الله فیه خیرا کثیرا ○ (النساء ۴ آیت ۲۳)

۲۳۔ اے مسلمانو! تم کو روا نہیں کہ زبردستی عورتوں کے وارث بنو اور اُن کو اس لیئے بند نہ کر رکھو کہ جو تم نے انکو دیا ہے اس میں سے کچھ چھین لو۔ ہاں اُن سے کوئی کھلی ہوئی بدکاری سرزد ہو (تو بند رکھنے کا مضایقہ نہیں)۔ اور بیبیوں کے ساتھ حسن سلوک سے رہو سہو۔ اور اگر تم کو بی بی ناپسند ہو تو عجب نہیں کہ تم کو ایک چیز ناپسند ہو اور اللہ اُسی میں بہت سی خیر و برکت دے۔ (النساء ۴ آیت ۲۳)

۲۴-وان اردتم استبدال زوج مکان زوج وآتیتم احدٰهن

۲۴۔ اور اگر تمہارا ارادہ ایک بی بی کو بدلکر اُس کی جگہ دوسری بی بی کرنے کا ہو تو اگرچہ تم نے پہلی بی بی کو ڈھیر سارا

قنطارا فلا تأخذوا منه شيئاً اتأخذونه بهتاناً و اثماً مبيناً (النساء ۴ آیت ۲۴)	مال ویدیا ہو مگر اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لو۔ کیا کسی قسم کا بہتان لگا کر اور صریح گنہگار بن کر اپنا دیا ہوا اُس سے واپس لینا چاہتے ہو (النساء ۴ آیت ۲۴)
۲۵۔ وکیف تأخذونه و قد افضی بعضکم الی بعض واخذن منکم میثاقاً غلیظاً ۝ (النساء ۴ آیت ۲۵)	۲۵۔ اور اس (اپنے دئے ہوئے) کو کیونکر واپس لے لوگے۔ حالانکہ تم ایک دوسرے تک پہنچ چکے ہو اور ان عورتوں نے تم سے پکّا قول لے لیا ہے (النساء ۴ آیت ۲۵)
۲۶۔ ولا تنکحوا ما نکح آباؤکم من النساء الّا ما قد سلف انه کان فاحشة ومقتاً وساء سبیلاً (النساء ۴ آیت ۲۶)	۲۶۔ اور جن عورتوں کے ساتھ تمہارے باپ نے نکاح کیا ہو اُن کے ساتھ نکاح نہ کرو مگر جو ہو چکا سو ہو چکا بیشک یہ بڑی بے حیائی اور غضب کی بات تھی اور بہت بُرا دستور تھا۔ (النساء ۴ آیت ۲۶)
۲۹۔ ومن لم یستطع منکم طولاً ان ینکح المحصنات المؤمنات فمن ما ملکت ایمانکم من فتیاتکم المؤمنات واللّٰہ اعلم بایمانکم بعضکم من بعض فانکحوهن باذن اهلهن و آتوهن اجورهن بالمعروف محصنات غیر مسافحات ولا متخذات اخدان (النساء ۴ آیت ۲۹)	۲۹۔ اور تم میں سے جس کو آزاد مسلمان بیبیوں سے نکاح کرنے کا مقدور نہ ہو تو مسلمان لونڈیاں جو تمہاری ملکیت میں ہوں خیر اُن ہی سے (نکاح کر لو) اور اللہ تمہارے ایمان کو خوب جانتا ہے۔ تم سب ایک ہی ہو پس لونڈیوں کے مالکوں کی اجازت سے اُن کے ساتھ نکاح کر لو اور دستور کے مطابق ان کے مہر اُن کے حوالے کرو مگر (شرط یہ ہے کہ) وہ لونڈیاں پاک دامن ہوں نہ تو علانیہ بدکار ہوں اور نہ پوشیدہ (النساء ۴ آیت ۲۹)
۳۸۔ الرّجال قوّامون علی النسآء بما فضّل اللّٰہ بعضهم علی	۳۸۔ مرد عورتوں کے سرپرست ہیں اس سبب سے کہ اللہ نے بعض کو بعض پر برتری دی ہے اور اس سبب سے

بعض وبما انفقوا من اموالهم
فالصالحات قانتات حافظات
للغیب بما حفظ الله و اللاتی
تخافون نشوزھن فعظوھن
واھجروھن فی المضاجع و
اضربوھن فان اطعنکم فلا
تبغوا علیھن سبیلاً ان الله
کان علیاً کبیراً ۝ (النساء ۴ آیت ۳۸)

۳۹۔ وان خفتم شقاق
بینھما فابعثوا حکماً من اھله
وحکماً من اھلھا ان یریدا
اصلاحاً یوفق الله بینھما ان الله
کان علیماً خبیراً ۝ (النساء ۴ آیت ۲۹)

۱۲۶۔ ویستفتونک فے
النساء قل الله یفتیکم فیھن
وما یتلی علیکم فی الکتاب
فی یتامی النساء اللاتی
لا تؤتونھن ما کتب لھن و
ترغبون ان تنکحوھن و
المستضعفین من الولدان
وان تقوموا للیتامے

بھی کہ انھوں نے اپنا مال (ان عورتوں پر) خرچ کیا ہے۔
پس جو نیک بیبیاں ہیں مردوں کا کہا مانتی ہیں اور (خدا
کی عنایت سے) اُن کی غیبت میں ہر چیز کی حفاظت رکھتی
ہیں اور تم کو جن بیبیوں سے نافرمانی کا خوف ہو تو (پہلی دفعہ)
ان کو سمجھا دو۔ پھر ان کو بستر پر تنہا چھوڑ دو (پھر بھی نہ مانیں)
تو اُن کو مارو پس اگر وہ اطاعت کرلیں تب اُن پر الزام
کے پہلو نہ ڈھونڈو۔ بے شک اللہ برتر و بزرگ ہے۔
(النساء ۴ آیت ۳۸)

۳۹۔ اور اگر تم کو میاں بی بی میں ناچاقی کا اندیشہ ہو تو
ایک ثالث مرد کے کُنبے سے اور ایک ثالث عورت کے
کُنبے سے مقرر کرو اگر یہ دونو اُن میں میل کرا دینا چاہیں گے
تو خدا دونو میاں بی بی میں موافقت کرا دے گا۔ اللہ
واقف اور خبردار ہے۔ (النساء ۴ آیت ۲۹)

۱۲۶۔ (اے پیغمبر) تم سے یتیم لڑکیوں کے بارے میں
دریافت کرتے ہیں کہہ دو کہ اللہ تم کو اُن کے ساتھ (نکاح
کے) بارے میں اجازت دیتا ہے اور خدا کی کتاب میں
تم کو جو حکم (یتیموں کے ساتھ انصاف نہ کرنے کی بابت)
سُنایا گیا وہ ان یتیم لڑکیوں کے لئے ہے جن کو تم ان کا
مقررہ حصّہ نہیں دیتے اور چاہتے ہو کہ اُن سے نکاح کرلو
اور بے بس (کم سن) لڑکیوں کے باب میں (اللہ تم کو حکم دیتا
ہے کہ ان کی خبرگیری کرو) اور یہ کہ یتیموں کے بارے میں

بالقسط و ما تفعلوا من خیر فان اللّٰہ
کان بہ علیما ہ (النساء ۴ آیت ۱۲۶)

انصاف پر قائم رہو۔ اور تم جو کچھ بھلائی کرو گے بیشک اللہ
اس کو جانتا ہے (النساء ۴ آیت ۱۲۶)

۱۲۷- و ان امرأۃ خافت
من بعلها نشوزا او اعراضاً
فلا جناح علیهما ان یصلحا
بینهما صلحاً و الصلح خیر و
احضرت الانفس الشح و ان
تحسنوا و تتقوا فان اللّٰہ کان بما
تعملون خبیراً ہ (النساء ۴ آیت ۱۲۷)

۱۲۷- اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے
مخالفت یا بے رغبتی کا اندیشہ ہو تو میاں بی بی دونوں میں
کسی پر کچھ گناہ نہیں کہ اصلاح کی کوئی بات ٹھیرا کر
آپس میں صلح کر لیں اور صلح (ہر حال میں) بہتر ہے اور
حرص تو جان سے لگی ہوئی ہے اور اگر تم اچھا سلوک اور
پرہیزگاری کرو تو خدا تمہارے ان نیک کاموں سے
باخبر ہے (النساء ۴ آیت ۱۲۷)

۱۲۸- و لن تستطیعوا ان تعدلوا
بین النساء و لو حرصتم فلا
تمیلوا کل المیل فتذروها
کالمعلقۃ و ان تصلحوا و
تتقوا فان اللّٰہ کان غفورا
رحیما ہ (النساء ۴ آیت ۱۲۸)

۱۲۸- اور تم (اپنی طرف سے) بہتیرا چاہو لیکن یہ تم سے
ہرگز نہ ہو سکیگا کہ کئی کئی بیبیوں میں پوری پوری برابری
کر سکو (خیر) بالکل ایک ہی طرف نہ جھک پڑو اور دوسری
کو اس طرح نہ چھوڑ بیٹھو کہ گویا بیچ میں لٹک رہی ہے اور
اگر درستی سے چلو اور زیادتی کرنے سے بچے رہو تو اللہ
بخشنے والا اور مہربان ہے (النساء ۴ آیت ۱۲۸)

۱۲۹- و ان یتفرقا یغن اللّٰہ
کلا من سعتہ و کان اللّٰہ
و اسعاً حکیماً ہ (النساء ۴ آیت ۱۲۹)

۱۲۹- اور اگر (صلح نہ ہو سکے) میاں بی بی جدا ہو جائیں تو
اللہ اپنی وسعت (فضل) سے ہر ایک کو آسودہ رکھیگا اور
اللہ گنجائش والا حکمت والا ہے (النساء ۴ آیت ۱۲۹)

۱۵۲- قل تعالوا اتل ما حرم
ربکم علیکم الا تشرکوا بہ شیئاً و
بالوالدین احسانا و لا تقتلوا اولادکم

۱۵۲- اے پیغمبر ان لوگوں سے کہو کہ ادھر آؤ میں تم کو وہ
چیزیں پڑھ کر سناؤں جو تمہارے پروردگار نے تم پر حرام کی
ہیں وہ یہ ہیں کسی کو خدا کا شریک نہ ٹھیراؤ اور ماں باپ کے ساتھ

مِنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ٥

(الانعام ٦ آیت ١٥١)

بھلائی کرتے رہو اور مفلسی کے ڈر سے اپنے بچوں کو قتل نہ کرو ہم ہی تم کو بھی رزق دیتے ہیں اور اُن کو بھی اور بے حیائی کی باتیں جو ظاہر ہوں اور جو پوشیدہ ہوں اُنکے قریب نہ جاؤ اور جان جس کے مار ڈالنے کو اللہ نے حرام کر دیا ہے اس کو مار نہ ڈالو مگر حق پر۔ یہ وہ باتیں ہیں جن کا حکم خدا نے تم کو دیا ہے تاکہ تم سمجھو۔ (الانعام ۶۔ آیت ۱۵۱)

۳۳۔ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ٥

(الاسریٰ ١٧۔ آیت ٣١)

۳۳۔ اور اے لوگو! افلاس کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ اُن کو اور تم کو ہم ہی روزی دیتے ہیں اولاد کا مارنا بڑا بھاری گناہ ہے۔

(الاسریٰ ۱۷۔ آیت ۳۱)

۴۔ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ٥ (النور ۲۴۔ آیت ۴)

۴۔ اور جو لوگ پاکدامن عورتوں پر بدکاری کی تہمت لگائیں اور چار گواہ پیش نہ کریں تو اُن کو اسّی (۸۰) دُرّے مارو اور کبھی ان کی گواہی قبول نہ کرو۔ بیشک یہ لوگ بدکار ہیں۔

(النور ۲۴۔ آیت ۴)

۲۳۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ٥ (النور ۲۴۔ آیت ۲۳)

۲۳۔ پاکدامن "بھولی" اور ایمان والی عورتوں پر جو لوگ بدکاری کی تہمت لگاتے ہیں وہ دنیا اور آخرت دونوں میں ملعون ہیں اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔

(النور ۲۴۔ آیت ۲۳)

۳۱۔ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ

۳۱۔ اور اے پیغمبر مسلمان عورتوں سے کہو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور

وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ أَوِ التَّابِعِينَ غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَىٰ عَوْرَاتِ النِّسَاءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ

(النور ۲۴ - آیت ۳۱)

اپنی زینت کے مقامات کو ظاہر نہ ہونے دیں مگر جو انہیں چار و ناچار کھلا رہتا ہے اور اپنے گریبانوں پر اوڑھنیاں ڈالے رہیں اور اپنی زینت کے مقامات کو کسی پر ظاہر نہ ہونے دیں مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے باپ پر یا اپنے خاوند کے باپ پر یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہر کے بیٹوں پر یا اپنے بھائیوں پر یا اپنے بھتیجوں پر یا اپنے بھانجوں پر یا اپنی عورتوں پر یا اپنی لونڈیوں پر یا گھر کے ایسے مرد خدمتیوں پر جن کو عورتوں سے کچھ غرض و مطلب نہ ہو یا لڑکوں پر جو عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے آگاہ نہیں۔ اور چلنے میں اپنے پاؤں ایسے زور سے نہ رکھیں کہ لوگوں کو اُن کے اندرونی زیور کی خبر ہو اور مسلمانو! تم سب اللہ کی جناب میں توبہ کرو تاکہ فلاح پاؤ۔

(النور ۲۴ - آیت ۳۱)

۵۹- يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ○ (الاحزاب ۳۳ - آیت ۵۹)

۵۹- اے پیغمبر اپنی بیبیوں بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے چادروں کے گھونگٹ نکال لیا کریں اس سے غالباً یہ الگ پہچان پڑیں گی پھر وہ ستائی نہ جائیں گی اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

(الاحزاب ۳۳ - آیت ۵۹)

۸-۹ - وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ ۝ بِأَيِّ ذَنبٍ قُتِلَتْ ۝ (التکویر ۸۱ - آیت ۸-۹)

۸-۹ - اور جس وقت اس لڑکی سے جو زندہ دفن کردی گئی تھی پوچھا جائے گا کہ کس قصور کے بدلے ماری گئی۔ (التکویر ۸۱ - آیت ۸ و ۹)

قرآن مجید میں عورت اور مرد کی مساوات۔

۹۵ - قرآن مجید میں عام طور سے جسمانی قوت اور وراثت کے سوا باقی تمام قانونی تمدنی اور روحانی حیثیتوں سے مرد اور عورت میں کامل مساوات تسلیم کی گئی ہے۔

۲۲۷ - وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ (البقرہ ۲ آیت ۲۲۷)

۲۲۷ - اور جیسے مردوں کا حق عورتوں پر ویسے ہی دستور کے مطابق عورتوں کا حق مردوں پر ہاں مردوں کو عورتوں پر فوقیت ہے اور اللہ غالب اور حکمت والا ہے (البقرہ ۲ - آیت ۲۲۷)

۳۲ - لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِمَّا اكْتَسَبْنَ وَاسْأَلُوا اللَّهَ مِن فَضْلِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۝ (النساء ۴ - آیت ۳۲)

۳۲ - مردوں نے جیسے عمل کئے ہوں اُن کے لئے اُن کا حصہ اور عورتوں نے جیسے عمل کئے ہوں اُن کے لئے اُن کا حصہ ہے اور ہر وقت اللہ سے اس کا فضل مانگتے رہو اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔ (النساء ۴ - آیت ۳۲)

۳۴ - الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ وَبِمَا أَنفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ (النساء ۴ - آیت ۳۴)

۳۴ - مرد عورتوں کے سرپرست ہیں اس سبب سے کہ اللہ نے بعض کو بعض پر برتری دی ہے۔ اور اس سبب سے بھی کہ انہوں نے اپنا مال (ان عورتوں پر) خرچ کیا ہے (النساء ۴ آیت ۳۴)

۳۵ - إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِينَ وَالْقَانِتَاتِ وَالصَّادِقِينَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِينَ وَالصَّابِرَاتِ وَالْخَاشِعِينَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِينَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّائِمِينَ وَالصَّائِمَاتِ

۳۵ - بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور ایمان والے مرد اور ایمان والی عورتیں اور فرماں بردار مرد اور فرماں بردار عورتیں اور راست گو مرد اور راست گو عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور خاکساری کرنے والے مرد اور خاکساری کرنے والی عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور

وَالْحَافِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذَّاكِرَاتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝ (الاحزاب ۳۳ - آیت ۳۵)	روزہ رکھنے والی عورتیں اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور کثرت سے خدا کو یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں ان سب کے لئے اللہ نے اُنکے گناہوں کی معافی تیار کر رکھی ہے اور بڑے بڑے اجر (الاحزاب ۳۳ آیۃ ۳۵)

ان آیات میں جو کچھ مذکور ہے آنحضرت صلعم نے عورتوں کی بہتری کے لئے اس سے کہیں زیادہ کیا ہے۔ کیونکہ علاوہ کثرت ازدواج اور شرمناک کثرت طلاق کے خلاف سخت احکام اور قیود قائم کرنے کے آپ نے اپنے پیروؤں کے دلوں میں عورتوں کی طرف سے محبّت و مودت کے پاکیزہ خیالات پیدا کئے۔ اور اپنے الہامی احکام میں عورتوں کی عزّت اور زن و شو کے باہمی آرام و آسایش اور مسرّت کی تعلیم دی ۔

۲۱- وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ (الروم ۳۰ - آیت ۲۱)	۲۱- اور اسی کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری جنس کی بیبیاں پیدا کیں تاکہ تم کو اُن کی طرف رغبت کرنے سے راحت ملے۔ اور تم میاں بی بی میں محبت و مہربانی پیدا کی۔ بے شک جو لوگ سوچتے ہیں ان کے لئے ان باتوں میں قدرت خدا کی نشانیاں ہیں (الروم ۳۰ آیت ۲۱)
۱۸۷- هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (البقرہ ۲ - آیت ۱۸۷)	۱۸۷- وہ عورتیں تمہاری پوشاک ہیں اور تم اُن کی پوشاک ہو۔ (البقرہ ۲ - آیت ۱۸۷)

معاملات معاشرت میں مرد اور عورت کی مساوات اس تشبیہ سے پورے طور پر ظاہر کر دی گئی ہے۔ کہ "مرد اپنی بیویوں کا لباس ہیں اور عورتیں اپنے شوہر کا لباس ہیں" اور لفظ زوجین یعنے جوڑے سے ایک ہی عورت سے شادی کرنے کا جواز پایا جاتا ہے اور یہ تاکید نکلتی ہے کہ یہ رشتۂ عقد ٹوٹ نہیں سکتا ۔

۹۶- بت پرستی۔ یہودیت اور عیسائیت کے مقابلہ میں اسلام نے عورتوں کے لئے

بہت زیادہ آزادی اور تمدنی ترقی کو جائز رکھا ہے جو قبل اسلام نہیں پائی جاتی۔حضرت موسےٰ کی شریعت یہودی عورتوں کی اخلاقی اور تمدنی بہبودی کو کوئی بڑا فائدہ نہ پہنچاسکی اور عہد جدید انجیل نے ان کی دنیاوی ترقی کے لئے اتنا نہ کیا جتنا کہ اسلام نے کیا۔یورپین ممالک میں عورتوں کی حالت جو اچھی ہے اُس کی وجہ یہ ہے کہ روما کے قانون اور ٹیوٹانک[1] اقوام کا فطرۃً عورتوں کے ساتھ عزت کے برتاؤ اور صدہا سال کے تمدن نے یورپین ممالک میں عورت کو اس کی مناسب حیثیت پر ترقی دی ہے۔ ورنہ مشرقی ٹرکی۔شام و فلسطین میں عیسائی عورتوں کی دماغی اور تمدنی حالت ویسی ہی ادنےٰ ہے جیسی اُن کی مسلمان اور نیم بُت پرست (یعنی پیگن) بہنوں کی حالت مشرق یا ایشیائی ممالک میں ہے +

عیسائی ممالک میں عورتوں کی ذلیل حالت

✓ ۹۷۔یہودی اور عیسائی پیشوا ازروے شریعت توریت و انجیل عورتوں کے ذلیل وحقیر اور کم رتبہ اور تابعدار ہونے پر عام طور سے یقین رکھتے تھے۔ان کا یہ عقیدہ تھا کہ دنیا میں گناہ عورتوں ہی کی بدولت آیا۔اور انسانی گناہ کا سارا وبال انہیں کی گردن پر لہذا ان کی یہ ذلیل حالت خود انہیں کے ہاتھوں سے ظہور میں آئی اور اس ذلت کی یہ نوبت پہنچی کہ وہ مردوں کی محکوم بن گئیں۔کتاب پیدایش باب (۳) آیت ۱۶ میں شوہر کی نسبت عورت سے کہا گیا ہے کہ" وہ تجھ پر حکومت کرے گا" اس حکم کو اگر پیشین گوئی تصوّر کیا جائے تو یہ پیشین گوئی مشرقی ممالک میں حیرت انگیز طریقہ سے پوری ہوگئی ہے +

عورتوں کی ادنے حالت کے متعلق لیکی کا اقتباس

"سنہ مسیحی سے کچھ قبل مسئلہ ازدواج کے متعلق ایک بڑا تغیر پیدا ہوا اور اس سے انسانی فطرت
"کے روحانی اور دماغی حصہ پر خاص اثر پڑا۔اس زمانہ میں جو عہد عتیق اور عہد جدید کے مابین گزرا۔
"رہبانیت کی ہوا پھیل چکی تھی۔۔ فرقہ ایسی نس نے سب سے پہلے جواز نکاح کے متعلق شبہات ظاہر
"کئے۔اس فرقہ کے بعض لوگ تو شادی سے بالکل محترز رہے اور بعض نے خاص قیود کے ساتھ شادی کو
"اختیار کیا۔ (جوزف فصل ۲ باب ۸ فقرہ ۲ و ۱۳)۔ تھیراپیوٹ کے اور بعد کے زمانہ میں فرقہ ناسٹک کے
"خیالات بھی اسی قسم کے تھے (برٹنس لکچرز باب اصفحہ ۲۱۴) بعدازاں یہ خیالات وہاں سے مسیحی کلیسا
"میں پہنچے اور فرقہ این کریٹی کے خاص عقائد میں شریک ہوگئے۔ (برٹن باب ۲ صفحہ ۱۶۱) اور آخرکار

[1] جرمن کے قدیم باشندے۔

”ایسے ہی خیالات سے طریقہ رہبانیت کی صورت قائم ہوئی[1]۔ رہبانیت سے ایک مضر نتیجہ یہ پیدا ہوا۔ کہ
”عورتوں کی حیثیت اور فطرت کو حد سے زیادہ حقیر خیال کرنے کا میلان پیدا ہو گیا۔ اس رجحان میں کسی قدر
”قدیم یہودی تصانیف کے اثر کا بھی پتہ چلتا ہے۔ ایک غیر متعصب شخص ان تصانیف میں مشرقی عورتوں کو
”حقیر سمجھے جانے کی صریح شہادت پائے گا۔ یہ جائز رکھا گیا ہے کہ دُلھن کے باپ کو دُلھن کی قیمت[2] ادا کی جائے
”کثرت ازدواج کو جائز قرار دیا گیا ہے۔ اور ان کے بڑے بڑے عالم اور دانشمند لوگ نہایت
”فراخ حوصلگی کے ساتھ اس رسم کے پابند تھے۔ عورت تمام انسانی گناہوں کی اصل قرار دی گئی۔ بچے
”کی پیدایش کے بعد اس کے تزکیہ و تصفیہ کا ایک زمانہ معین کیا گیا۔ لیکن خاص کر لڑکیوں کے لئے دُگنی
”مدت مقرر کی گئی۔ ایک یہودی مصنف بڑے زور سے لکھتا ہے کہ ”مردوں کی بُرائی عورتوں کی نیکی سے
”بہتر ہے“ قدیم یہودی تاریخ میں عورتوں کے جو اعلےٰ نمونے دکھائے ہیں وہ عموماً ادنےٰ درجے کے ہیں۔
”اور بلاشُبہ اُن عورتوں سے بہت کم درجے کے ہیں جو رومن تاریخ اور یونانی شاعری میں نظر آتے ہیں۔ عہد عتیق
” (توریت و زبور میں) غالباً سب سے زیادہ جس عورت کی مدح و ثنا کی گئی ہے۔ یہ وہ ہے جس نے دغا بازی
”سے ایک ایسے سوتے ہوئے شخص کو قتل کر ڈالا جو اس کے گھر میں پناہ گزین تھا ٭

”یہودی تصانیف اور راہبانہ میلان کے، جس نے عورت کو مرد کے ہوا و ہوس کا اصلی سرچشمہ قرار دیا، مشترکہ
”اثر سے وہ سخت مذمتیں ظہور میں آئیں جو ان عالموں کی تصانیف کا ایک بڑا اور بے سرو پا حصہ ہیں اور
”یہ نہایت عجیب بات ہے کہ وہ ان تعریفوں کے بالکل برعکس ہیں جو بعض خاص عورتوں کی کی گئی ہیں۔
”عورت کی نسبت یہ لکھا ہے کہ وہ دوزخ کا دروازہ اور تمام انسانی گناہوں کی ماں ہے۔ اُسے اس خیال سے
”شرم آنی چاہیئے کہ وہ عورت ہے۔ اُس لعنت اور آفت کی وجہ سے جو اس کی وجہ سے عالم پر نازل
”ہوئی ہے اُسے ہمیشہ نفس کشی کرنی چاہیئے۔ اسے اپنے لباس سے شرم کرنی چاہیئے اس لئے کہ یہ اُسکے
”جنت سے نکالے جانے کی یادگار ہے۔ خاص کر اسے اپنے حُسن سے شرمندہ ہونا چاہیئے کیونکہ یہ
”شیطان کا سب سے قوی آلہ ہے۔ جسمانی حُسن ایک ایسا مضمون ہے جس پر مذہبی لوگوں کی طرف سے ہمیشہ
”لعنت پڑتی رہی ہے۔ اگرچہ اس میں ایک عجیب استثنا کیا گیا ہے کیونکہ یہ معلوم ہوا ہے کہ ازمنہ وسطےٰ
”میں بشپوں کے جسمانی حُسن کا ذکر خاص طور پر ان کی قبروں پر لکھ دیا جاتا تھا۔ چھٹی صدی میں کونسل
”صوبجات کے حکم سے عورتوں کو عشائے ربّانی کو خالی ہاتھوں میں لینے کی ممانعت کر دی گئی تھی کیونکہ
”وہ فطرۃً ناپاک ہیں۔ ان کی یہ ذلیل حالت برابر قائم رہی ٭

”غالباً اسی تعلیم کا یہ نتیجہ ہوا کہ عورتوں کے متعلق قانونی اصول بھی اسی قسم کے قائم ہو گئے۔ عورتوں
”کی عدم مساوات اور نا واجب حالات کا قانون جو قدیم سے چلا آتا تھا اس میں رومن سلطنت کے بیگن
”دور میں متواتر ترمیم ہوتی رہی۔ اور یہ قانونی انصاف کی تحریک کانسٹن ٹائن کے زمانہ سے لے کر

---

[1] ڈکشنری آف بائبل مولفہ سمتھ جلد ۲ ملاحظہ ہو مضمون ازدواج صفحہ ۲۴۲-۲۴۳ مطبوعہ لندن سنہ ۱۸۶۳ء
[2] قرآن نے اس رسم کو اُٹھا دیا۔ (چراغ علی)

"جسٹنین کے عہد تک برابر جاری رہی۔ اور باربیرین (جہالت) دور کے بعض ابتدائی قوانین میں
"بھی یہ تحریک پائی جاتی ہے لیکن تمام فیوڈرل قانون جو عورتوں کے متعلق تھا بمقابلہ اس قانون کے جو
"پہلے غیر مسیحی اقوام میں جاری تھا ادنے درجہ کا تھا۔ علاوہ ان ذاتی قیود کے جو رومن کیتھلک تعلیم کی وجہ سے طلاق
"اور عورتوں کے تابع رکھنے کے متعلق موجود تھیں ہم دیکھتے ہیں کہ اور بے شمار سخت سے سخت قانون ایسے موجود
"ہیں جن کی وجہ سے یہ ناممکن تھا کہ عورتیں معتدبہ املاک اپنے قبضہ میں رکھ سکیں۔ اور اس لئے وہ مجبور تھیں کہ
"یا تو وہ شادی کریں یا راہبہ ہو جائیں۔ یہ ذلیل حالت قانون کے زور سے قائم رکھی گئی تھی۔ اور رو ما میں جو
"لوگ اکثر اس بے انصافی پر سابق میں مخالفت کرتے اور شور وغل مچاتے تھے کہ" لڑکیاں وراثت سے بلا
"وجہ کیوں محروم کی جاتی ہیں"۔ رفتہ رفتہ وہ مخالفت بھی جاتی رہی۔ جہاں جہاں شریعت عیسوی کی بنا
"پر قوانین بنائے گئے وہاں ہم ایسے قوانین وراثت دیکھتے ہیں جنہوں نے لڑکیوں اور بیبیوں کے حق کو
"بالکل پامال کر دیا ہے۔ اور عام رائے بھی ان ہی قوانین کی تابع ہو گئی ہے۔ اور گزشتہ صدی کے آخر
"تک کبھی اس قانون کے منسوخ کرنے کی کوئی بڑی کوشش نہیں کی گئی۔ فرانس کے انقلاب پسندوں نے
"اگرچہ سی اسے بیے اور کان ڈورسی کی یہ تجویز رد کر دی کہ" عورتوں کو کامل پولٹیکل آزادی دی
"جائے" لیکن کم از کم انہوں نے بیٹوں اور بیٹیوں کے حقوق وراثت مساوی کر دیئے اور اس طرح انہوں
"نے قانون اور رائے دونو کی بہت بڑی اصلاح کی بنیا ڈالی جو کسی دن تمام دنیا میں ضرور پھیل جائیگی"[1]

باسورتھ سمتھ کی رائے

۹۸۔ باسورتھ اسمتھ نے اس امر کی تعریف کی ہے کہ حضرت محمد (صلعم) نے غیر محدود ازدواج کے جواز کو محدود کیا اور بے سمجھے بوجھے طلاق کو جس کی مشرق میں کثرت ہے مذموم قرار دیا اور آپ کے قوانین کی بدولت اعلےٰ اخلاقی خیالات پیدا ہوئے۔ وہ ان امور کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے :۔

"میں نے یہ امر فراموش نہیں کر دیا ہے کہ پیغمبر اسلام نے انتہائی اور ناگزیر حالات میں خاوند کو اجازت
"دی ہے کہ وہ اپنی بی بی کو جسمانی سزا دے بشرطیکہ وہ اُسے اعتدال کے ساتھ کام میں لائے۔ انہوں
"نے عورتوں کو پردہ میں رہنے کی اجازت دی اور تاکید کی ہے۔ انہوں نے کثرت ازدواج کے
"متعلق ان قیود کو جو اوروں پر لگائی تھیں اپنے حق میں کم کر دیا۔ انہوں نے ان عورتوں کو جو جنگ
"میں گرفتار ہوں لونڈیاں بنانے کی اجازت دی) اور اسے میں تسلیم کرتا ہوں کہ آنحضرت صلعم کے
"پیروؤں نے بہ نسبت اس تعلیم کے جو اعلےٰ ہے آنحضرت کے اس تعلیم اور نمونے کی پیروی و
"اطاعت میں جو (معاذ اللہ) ناقص ہے زیادہ تر مستعدی ظاہر کی۔ لیکن میں نہایت اعتماد کے ساتھ
"یہ بھی کہتا ہوں کہ پیغمبر اسلام نے یہودیوں کے اور زمانہ جاہلیت کے مقابلہ میں عورتوں کی حالت کو بہت

[1] لیکی کی ہسٹری آف یوروپین مارلز فرام آگسٹس ٹو شارلیمن جلد ۲ باب ۵ صفحہ ۳۳۷ - ۳۴۰۔

”زیادہ ترقی دی اور ان کے حق میں بہت قابلِ تعریف کام کیا[۱]۔“

مجھے افسوس ہے کہ مسٹر باسورتھ سمتھ بھی اس غلطی میں پڑ گئے ہیں جو عام طور پر پھیلی ہوئی ہے اور یہی وجہ ہے کہ انہوں نے بعض امور کو نقائص سے تعبیر کیا ہے اور انہوں نے ان الزامات کی کامل تحقیق نہیں کی جیسی کہ انہوں نے دوسرے امور میں کی ہے۔

قرآن میں بی بی کے مارنے کی اجازت نہیں

۹۹- (ا) یہ امر کہ آنحضرتؐ نے شوہروں کو اجازت دی ہے کہ انتہائی حالات میں وہ اپنی سرکش بیبیوں کو جسمانی سزا دے سکتے ہیں (النساء۴- آیت ۳۴) صحیح ہے۔ لیکن یہ امر بھی قابلِ لحاظ ہے کہ یہ حالت ابتدائی زمانہ کی ہے۔ جبکہ مدینہ کے ہر گھر میں بزرگِ خاندان کی حکومت تھی[۲]۔ جہاں کوئی باقاعدہ عدالت، ججوں یا مفتیوں کی نہ تھی خاندان کا سردار اپنے گھر کا جج ہوتا تھا۔ لیکن جب یہ صورت بدل گئی عدالتیں قائم ہو گئیں اور انصاف ایک خاص قاعدے اور طرز پر ہونے لگا تو شوہر کو جو اختیار دیا گیا تھا وہ اٹھا دیا گیا اور پھر طرفین یعنے میاں بی بی کو مفتی کے سامنے اپنا معاملہ پیش کرنا ہوتا تھا۔ اور مفتیوں نے لوگوں کو قانون اپنے ہاتھ میں لینے کی ممانعت کر دی۔ دوسری ہی آیت (النساء۴- آیت ۳۵) کے رُو سے پہلے جو اختیار شوہروں کو بیبیوں کے مارنے کا دیا گیا تھا بالکل جاتا رہا۔ آیت یہ ہے:-

۳۵- وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ۝ (النساء۴- آیت ۳۵)	۳۵- اور اگر تم کو میاں بی بی میں ناچاقی کا اندیشہ ہو تو ایک ثالث مرد کے کنبے سے اور ایک ثالث عورت کے کنبے سے مقرر کرو اگر یہ دونوں ان میں میل کرا دینا چاہیں گے تو خدا میاں بی بی میں موافقت کرا دیگا۔ اللہ واقف و خبردار ہے۔ (النساء۴- آیت ۳۵)

[۱] محمد اینڈ محمدن ازم صفحہ ۲۴۲ لیکچر جو رائل انسٹی ٹیوشن آف گریٹ برٹن میں ماہ فروری و مارچ ۱۸۷۴ء میں آر- باسورتھ سمتھ ایم- اے نے بمقام لنڈن دیا۔

[۲] یولس جی لنش نے اس فقرہ کو محفوظ رکھا ہے جس میں کیٹو نے یہ لکھا ہے کہ ”خاوند کو اپنی بی بی پر کامل اختیار حاصل ہے۔ اسے اختیار ہے کہ اگر وہ بیجا فعل مثلاً شراب نوشی یا بدکاری کی مرتکب ہو تو وہ اسے ملزم قرار دے اور سزا دے“ ہسٹری آف یوروپین مارلز فرام آگسٹس ٹو شارلمین مصنفہ ڈبلیو اے- لیکی- ایم- اے جلد دوم صفحہ ۹۳-۹۴-

۱۰۰-(۲) آنحضرت[۵۱] صلعم نے عورتوں کو پردہ میں رہنے کی نہ اجازت دی اور نہ تاکید کی- آپ نے ان کے عادات و اطوار اور لباس میں البتہ اصلاح کی تاکہ اُن کی عزّت و وقعت بڑھ جائے نیز آپ نے ایسی تدبیریں بتائیں کہ جب وہ راستوں اور گلیوں میں نکلیں تو ناشایستہ اور بیہودہ لوگوں کی تذلیل و توہین سے محفوظ رہیں- قرآن مجید میں مندرجہ ذیل آیتیں اس مضمون کی ہیں-

۵۹- یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ[۵۲]ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا○

(الاحزاب ۳۳- آیت ۵۹)

۵۹- اے پیغمبر اپنی بیبیوں بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دو کہ اپنی چادروں کے گھونگٹ نکال لیا کریں- اس سے غالباً یہ الگ پہچان پڑیں گی پھر وہ نہ ستائی جائیں گی اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے-

(الاحزاب ۳۳- آیت ۵۹)

۳۱- وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ[۵۳] عَلٰى جُیُوْبِهِنَّ۪ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا

۳۱- اور اے پیغمبر مسلمان عورتوں سے کہو کہ وہ بھی اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت کے مقامات کو ظاہر نہ ہونے دیں مگر جو اس میں سے چار و ناچار کھلا رہتا ہے اور اپنے گریبانوں پر اوڑھنیاں

[۵۱] یونانیوں کی عورتیں بالکل پردہ میں رہتی تھیں اور بچپن ہی میں ان کا بیاہ ہو جاتا تھا- ان کے معمولی کام یہ تھے کہ چرخہ کاتیں کپڑے بُنیں کشیدہ نکالیں خانہ داری کا انتظام کریں اور بیمار غلاموں کی خدمت کریں اور گھر کے الگ حصہ میں رہتی تھیں- جو زیادہ دولتمند تھیں وہ تو باہر جاتی تھیں مگر وہ بھی باندیوں لونڈیوں کے ہمراہ- مگر کبھی کسی عام جلسے یا عام مقام میں نہیں جا سکتی تھیں اور سوائے خاوند کی حضوری کے کسی مرد سے گھر میں نہیں مل سکتی تھیں اور جب مہمان آجاتے تھے تو وہ کھانے پینے کی میز پر نہیں بیٹھ سکتی تھیں (لیکی کی ہسٹری آف یوروپین مارلز جلد دوم صفحہ ۲۸۷)

[۵۲] اصل لفظ جلابیب اور واحد جلباب ہے جس کا ترجمہ راڈول نے غلطی سے پردہ کیا ہے- اس کے معنے ہیں عورتوں کی بیرونی چادر (دیکھو لینزار یک لیکسی کان جلد اول حصہ دوم صفحہ ۴۴۰) سیل نے اس کا ترجمہ "بیرونی لباس" اور پامر نے "بیرونی چادر" کیا ہے ٭

[۵۳] اصل لفظ خمر جمع "خمار" ہے جس کے معنے عورت کے لباس سر کے ہیں یہ ایک کپڑا ہوتا ہے جس سے عورتیں اپنا سر چھپا لیتی ہیں- دیکھو لین کی اریک لیکسی کان بی آئی حصہ دوم صفحہ ۸۰۹- سیل اور راڈول نے جو خمر کا ترجمہ پردہ کیا ہے وہ غلط ہے- البتہ پامر نے اس کا ترجمہ صحیح کیا ہے ٭

بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ
اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ
اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ
اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ
اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ
مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ
يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ وَلَا
يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ
زِيْنَتِهِنَّ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ
الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (النور-آیت ۳۱)

ڈالے رہیں۔ اور اپنی زینت کے مقامات کو کسی پر ظاہر نہ ہونے دیں مگر اپنے شوہروں پر یا اپنے باپ پر یا اپنے خاوند کے باپ پر یا اپنے بیٹوں پر یا اپنے شوہر کے بیٹوں پر یا اپنے بھائیوں پر یا اپنے بھتیجوں پر یا اپنے بھانجوں پر یا اپنی عورتوں پر یا اپنی لونڈیوں پر یا گھر کے لگے ہوئے ایسے مرد خدمتیوں پر جن کو عورتوں سے کچھ غرض و مطلب نہ ہو۔ یا لڑکوں پر جو عورتوں کے پردے کی بات سے آگاہ نہیں اور چلنے میں اپنے پاؤں ایسے زور سے نہ رکھیں کہ لوگوں کو اُن کے اندرونی زیور کی خبر ہو۔ اور مسلمانو! تم سب اللہ کی جناب میں توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ (النور ۲۴- آیت ۳۱)

فقہ[۱] اسلامی میں بھی اس امر کا خیال رکھا گیا ہے اور یہ قرار دیا گیا ہے کہ شریف عورتوں کے ہاتھ مُنہ کُھلے رہنے چاہئیں۔ کیونکہ جسم کے یہ حصے "عورۃ" نہیں کہلاتے سوائے ہاتھ اور مُنہ اور بعض کے نزدیک پاؤں بھی۔ باقی تمام جسم "عورۃ" کہلاتا ہے اور اچھی طرح ڈھکا رہنا چاہئے۔

قانون ازدواج
میں آنحضرت کیلئے
کوئی رعایت
نہیں ہوئی۔

۱۰۱- (۳) یہ خیال کہ کثرت ازدواج کے بارے میں آنحضرت ؐ نے جو قیدیں قائم کیں انہیں اپنے حق میں کم کر دیا بالکل غلط اور مہمل ہے اور ہر یورپین مصنف اس غلطی میں پڑا ہوا ہے۔ پہلی مرتبہ (النساء ۴- آیت ۳) تعداد ازدواج کو محدود کرنے کے بعد آپ نے کوئی دوسرا نکاح نہیں کیا بلکہ اصل یہ ہے کہ آپ نے گویا اس رسم کو اُٹھا دیا (النساء ۴- آیات

[۱] یہ ایک ایسا مضمون ہے جس میں بہت سی فضول باتیں آگئی ہیں اس پر صرف اس خیال سے بحث کرنی چاہیئے کہ شائستگی اور نیک اطواری کا معاملہ ہے اس میں خاص طور پر عورتوں کی حیا پر توجہ کی گئی ہے اور اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ کوئی فعل ایسا ظہور میں نہ آوے جو حیاداری کے خلاف ہو بلکہ ایسی بات کا خیال تک بھی نہ آئے یہ امر قابل لحاظ ہے کہ اس سے کسی طرح عورتوں کا پردہ مراد نہیں ہے جیسا کہ بعض مصنفین نے خیال کر رکھا ہے یہ پردہ درحقیقت کوئی فقہی حکم نہیں ہے بلکہ محض رشک و رقابت فخر و غرور کا نتیجہ ہے جیسا ہدایہ کے اس حصہ اور بعض دیگر حصوں سے ظاہر ہے اور نہ یہ کوئی ایسا رواج ہے جو عام طور پر اسلامی ممالک میں پایا جاتا ہو (ہدایہ ترجمہ ہیملٹن جلد اول ابتدائی صفحہ ۱۷)

۲۳ و ۲۷ ا ملا کر پڑھو)۔ اس قانون سے قبل جس قدر بیبیاں آنحضرت صلعم کی زوجیت میں تھیں ان کے باقی رکھنے کی اجازت دی گئی۔ حالانکہ دوسرے مسلمانوں کو یہ اختیار تھا کہ جس کے پاس چار سے زیادہ بیبیاں ہیں (اور ایسے بہت کم تھے) تو الگ کر سکتے ہیں۔ گویا پیغمبر کے لئے یہ خاص رعایت تھی۔ (الاحزاب ۳۳ - آیت ۴۹ - ۵۰) کیونکہ جب انہوں نے کثرت ازدواج کی ان قیود کی وجہ سے اپنی بیبیوں کو علیحدہ کرنا چاہا تو انہوں نے الگ ہونے سے انکار کیا۔ اور آپ کے ساتھ رہنے کو ترجیح دی (الاحزاب ۳۳ - آیت ۲۸ - ۲۹ - ۵۱) اور اس طرح انہیں وہی تعداد کی اجازت دی گئی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس رعایت کے معاوضہ میں انہیں موجودہ بیبیوں کے بجائے جب کوئی مرجائے یا الگ ہوجائے تو کسی اور شادی کی اجازت نہیں دی گئی۔ خواہ انہیں ان کے سوا دوسری عورتوں کا حُسن کیسا ہی اچھا کیوں نہ معلوم ہو (الاحزاب ۳۳ - آیت ۵۲) غرض جتنی بیبیاں آپکی اس وقت تھیں اسی قدر رکھنی پڑیں۔ اور اس طور پر اس قانون میں آپ کے لئے کوئی رعایت نہیں کی گئی۔ البتہ اتنی رعایت ضرور ہوئی کہ انہیں سب کے سب بیبیاں رکھنی پڑیں۔ دوسرے مسلمانوں کو اختیار تھا کہ چار سے زیادہ جتنی بیبیاں تھیں انہیں وہ الگ کر سکتے ہیں۔ لیکن آپ کو یہ نقصان رہا کہ سوائے ان بیبیوں کے جو پہلے سے تھیں وہ کوئی دوسری شادی نہیں کر سکتے تھے۔ دراں حالیکہ دوسرے لوگوں کو یہ اجازت تھی۔ کہ اگر چار بیبیوں سے کوئی مرجائے یا الگ ہوجائے تو اُنہیں شرائط اور حدود کے اندر بجائے اس کے دوسری کر سکتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس کے بعد آنحضرت صلعم کے متعلق کوئی شخص یہ غلط خیال نہ کرے گا کہ اس قانون میں اُن کے حق میں بیجا رعایت کی گئی ہے۔ (الاحزاب ۳۳ - آیت ۵۲)۔ جس کا حوالہ اوپر دیا گیا ہے۔

۵۲۔ لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَاءُ مِنْ بَعْدُ وَلَا أَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ	۵۲۔ اے پیغمبر اس وقت کے بعد سے دوسری عورتیں تم کو درست نہیں اور نہ یہ درست ہے کہ اُن کو بدل کر

وَلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا ۝ (الاحزاب ۳۳- آیت ۵۲)	دوسری بیبیاں کرلو ہر چند ان کا حسن وصورت تم کو کتنا ہی اچھا کیوں نہ معلوم ہو مگر اپنے ہاتھ کے مال یعنے لونڈیوں کا مضایقہ نہیں اور اللہ ہر چیز کا نگران حال ہے (الاحزاب ۳۳ آیت ۵۲)

۱۰۲- (۴) مسٹر باسورتھ سمتھ نے یہ بڑی غلطی کی ہے جو کہا ہے کہ آنحضرت صلعم نے اجازت دی ہے کہ جو عورتیں جنگ میں گرفتار ہوں وہ لونڈیاں بناکر کام میں لائی جائیں۔ میں نے اس مسئلہ پر فقرات (۱۵۲ تا ۱۶۳) میں پورے طور پر بحث کی ہے +

آنحضرت نے اس امر کی کبھی اجازت نہیں دی کہ جو عورتیں جنگ میں گرفتار ہوں انکو لونڈیاں بناکر کام میں لایا جائے۔

قرآن میں کہیں اس کا ذکر نہیں ہے کہ جنگ کی گرفتار شدہ عورتیں لونڈیاں بناکر اپنے کام میں لائی جائیں۔ آنحضرت صلعم نے ہر جگہ یہ تاکید کی ہے کہ نکاح یا تو "حرہ" عورت سے کیا جائے یا غلام عورت سے۔ اس میں کچھ شبہ نہیں کہ اُس زمانہ میں غلامی لونڈیوں کی شکل میں عملاً موجود تھی۔ اگرچہ شرع نے اس کی اجازت نہیں دی۔ اور قرآن نے ہر جگہ صاف صاف طور سے نکاح کرنے کی تاکید کی ہے۔

۱۰۳- مسٹر باسورتھ سمتھ اس اقتباس کے متعلق جو فقرہ ۹۸ میں نقل کیا گیا ہے بطور فٹ نوٹ کے لکھتے ہیں:-

النساء ۴ آیت ۳ کی تعبیر جو لین اور سیل نے کی ہے

"سیل کی یہ رائے ہے اور نیز اکثر مسلمان علما بھی اس کے مؤید ہیں اور قرآن کے الفاظ سے
"بھی بظاہر اس کی تائید نکلتی ہے۔ (النساء ۴- آیت ۳) کہ کسی حالت میں بھی کسی شخص کو یہ اجازت
"نہیں ہے کہ غلام عورتوں کو لونڈی بناکر اپنے استعمال میں لائے۔ اگر اس کے پاس انتہائی تعداد میں از
"روے شرع (شریف) چار عورتیں موجود ہوں۔ مگر مسٹر لین کی رائے اس کے مخالف ہے اور وہ
"دوسرے علما اور نیز بعض صحابہ کے عمل کو اپنی تائید میں پیش کرتے ہیں۔ لیکن اس پر (سیل کی
"رائے پر) زور دینا یقیناً خطرناک ہے اور کوئی مسلمان اس پر اعتراض نہ کرے گا کہ صحابہ کا
"عمل قابل تقلید ہے"

از روے اصول تعبیر مسٹر سیل[1] کی تعبیر (النساء ۴- آیت ۳) بالکل درست ہے اور مسٹر لین

[1] میں نے سیل کے ترجمہ پر ریورنڈ وہری کے نوٹ دیکھے (اے کمپری ہنسیو کمنٹری آن دی قرآن از تالیف اے۔ یم وہری۔ یم۔ اے جلد ۱ مطبوعہ لندن ٹرنبر اینڈ کو ۱۸۸۲ء صفحہ ۲۰۶) میں بھی انہوں نے بھی مسٹر میور کی طرح غلطی کی ہے اور اُن کا حوالہ بھی دیا ہے مسٹر میور لکھتے ہیں (لائف آف محمد جلد ۳ صفحہ ۳۰۳) (دیکھو صفحہ ۴۱)

کا ترجمہ غلط ہے (النساء۴ آیت ۳) سے ظاہراً یا باطناً کسی طرح غلام لونڈیوں کو اپنے استعمال میں لانے کی اجازت نہیں نکلتی۔ یہ صرف مرد اور عورت کے اجتماع کو عقد کے ذریعہ سے ظاہر کرتی ہے۔ اور وہ بھی خاص تعداد کے اندر ہونا چاہیئے۔ حقیقت یہ ہے کہ فعل "انکحوا" صورت امر یہ کے معنے نکاح کرنے کے ہیں۔ یہ لفظ آیت کے پہلے جملے میں آیا ہے اور باقی دو جملوں میں محذوف ہے۔ ہمیں حق نہیں ہے کہ سوائے اس فعل کے جو پہلے جملے میں ہے کسی دوسرے فعل کو ان دو جملوں میں داخل کریں۔ مسٹر لین نے "انکحوا" کے ترجمہ میں جو لفظ "نکاح" سے نکلا ہے یہ غلطی کی ہے کہ بجائے "نکاح کرو" ترجمہ کرنے کے پہلی جگہ "نکاح میں لو" ترجمہ کیا ہے۔ اور دوسری جگہوں میں صرف لفظ "لو" براکٹ کے اندر لکھا ہے۔ اس آیت کا صحیح ترجمہ یہ ہے:۔

"نکاح کرو (انکحوا) ان عورتوں سے جو تمہیں بھلی معلوم ہوں دو یا تین یا چار۔ لیکن اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم (ان سب کے ساتھ) عدل نہیں کر سکتے تو ایک سے (نکاح کرو) یا (نکاح کرو) اُن سے جنہیں تمہارے سیدھے ہاتھ نے حاصل کیا ہے۔[1]"

مسٹر لین اس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں:۔

"نکاح میں لو اُن عورتوں کو جو تمہیں بھلی معلوم ہوں دو تین یا چار۔ لیکن اگر تمہیں یہ اندیشہ ہو کہ تم عدل نہیں کر سکتے (ان سب کے ساتھ تو لو) ایک یا لو اُن کو جنہیں تمہارے سیدھے ہاتھ نے حاصل کیا ہے[2]"

بالفرض اگر یہ مان بھی لیا جاوے جیسا باسورتھ کا خیال ہے کہ آنحضرت نے جنگ میں گرفتار شدہ لونڈیوں کے استعمال کی اجازت دی۔ لیکن جب آپ نے بعد میں غلامی کو موقوف کر دیا۔ اور جنگ میں جو لوگ گرفتار کیئے جائیں وہ غلام نہیں بنائے جا سکتے۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۰) "لونڈیوں کی تعداد جن کے ساتھ ایک مسلمان بغیر عقد یا کسی اور رسم یا اقرار دوام کے رہ سکتا ہے محدود نہیں ہے جیسا کہ سیل نے محدود خیال کیا ہے"۔ لیکن سیل ازروے اصول تعبیر صحت پر ہے اور اس کا زور قرآن کے الفاظ پر ہے۔ یہ اس کا محض خیال ہی نہیں جیسا کہ میں متن میں ظاہر کر چکا ہوں +

[1] یعنی جو تمہاری لونڈیاں ہیں۔ (اڈیٹر)

[2] ترجمہ قرآن مترجمہ لین باب ۴ و ۵۔ دی ماڈرن ایجپشین مولفہ لین جلد ۱ صفحہ ۱۲۲ مطبوعہ لندن ۱۸۷۱ء۔

(محمد ۴۷- آیت ۴ و ۵) تو اسی آیت کے رُو سے ضمناً لونڈیوں کا استعمال بھی ممنوع ہو گیا۔

تعدّد زوجات[1]

عرب میں کثرت ازدواج۔

۱۰۴- عربوں میں تعدّد زوجات آنحضرت صلعم سے قبل اور بعد بھی ایک ضروری رواج تھا۔ یہ پیغمبر اسلام کی ایجاد نہ تھی۔ آپ سے پہلے ہی یہ رواج عربی سوسائٹی میں مستحکم طور سے جڑ پکڑے ہوئے تھا۔ کچھ مدت تک تو آپ نے بھی اس تمدنی رواج سے فائدہ اُٹھایا۔ لیکن آپ کی عقل سلیم نے آپ کی توجہ اس کے خوفناک نتائج کی طرف جلد مبذول کی۔ صرف زمانۂ قیام مدینہ میں آپ نے کئی نکاح کئے۔ اور یہ وہ زمانہ تھا جو آپ کی زندگی کے آخری سات

[1] آنحضرت کے نکاح میں زمانہ واحد میں کتنی بیبیاں تھیں اس کے متعلق جو بیانات ہم تک پہنچے ہیں وہ قابل اعتماد نہیں کیونکہ سیر نویسوں نے صرف مختلف اسناد سے تعداد بیان کی ہے۔ اور صحیح تعداد کا تصفیہ نہیں کیا۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ انکی تعداد چار سے زیادہ تھی۔ دیکھو (النساء۴ آیت ۳) (الاحزاب ۳۳- آیت ۴۹) یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ سوائے ایک کے جتنے نکاح آنحضرت نے کئے وہ سب (۵۴) سال کی عمر میں اور اُس کے بعد واقع ہوئے قریب قریب وہ سب کی سب آفت رسیدہ اور صاحب احتیاج بیواؤں کے ساتھ کئے گئے۔ کم سے کم تین ایسے مسلمانوں کی بیوائیں تھیں کہ وہ اہل مکہ کی ایذا دہی سے بھاگ کر مع اپنی بیبیوں کے حبش میں پناہ گزین ہوئے تھے اور وہاں جا کر مر گئے۔ دو ایسی تھیں جن کے خاوند مدینہ میں اسلام و اہل اسلام کی حمایت میں لڑتے لڑتے مر گئے تھے۔ ایسے دوستوں کی بیکس اور بے بس بیواؤں سے شادی کرنا اور انہیں جائز حفاظت اور نگرانی میں لینا جنہوں نے آپ کے کام میں اپنی جانیں تک فدا کر دیں اہل عرب کی نظر میں نہایت شریفانہ اور فیاضانہ فعل خیال کیا جاتا تھا اور کیا جاتا ہے۔ لیڈی ڈف گارڈن تحریر کرتی ہیں کہ۔

"میں نے آج عربوں کے اخلاق و آداب کے متعلق عجیب عجیب حالات سنے۔ میں حسان امریکن قونسل خانہ کے فوجی ملازم
"سے ملی جو ایک معزز اور نیک شخص ہے اس نے مجھ سے کہا کہ پچھلے سال میں نے ایک اور شادی کی۔ میں نے پوچھا کس لئے۔
"وہ در حقیقت اس کے بھائی کی بیوہ تھی اور وہ مثل ایک خاندان کے ایک ہی گھر میں رہتے تھے۔ اس کا
"انتقال ہو گیا۔ اور دو بچے چھوڑ مرا اس کی بیوی نہ نوجوان ہے نہ خوب صورت۔ حسان نے اسے اپنا فرض سمجھا
"کہ اس کے اور اُس کے بچوں کے نان و نفقہ کا انتظام کرے اور اس کی کسی غیر سے شادی نہ ہونے دی۔
"پس یہ معلوم ہوا کہ کثرت ازدواج ہمیشہ عیاشی اور ہوا و ہوس ہی کے لئے نہیں ہے۔ بجائے
"اس کے کہ انسان متوفی بیوی کی بہنوں کے متعلق زبانی ہمدردی کرے۔ وہ عملاً اس سے زیادہ
"ایثار اور بے نفسی کو کام میں لا سکتا ہے۔ (لیٹرز فرام ایجپیٹ صفحہ ۱۳۹ - ۱۴۰ مطبوعہ
"لندن سنہ ۱۸۶۶ء)۔

آٹھ سال تھے۔ آپ اپنی عمر کے بہت بڑے حصہ میں یعنے ترپن سال تک صرف ایک ہی نکاح پر قناعت کئے رہے۔ آپ کی رسالت کا ابتدائی زمانہ روحانی اور اخلاقی اصلاح میں صرف ہوا۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ انہیں اہل مکہ کے ہاتھوں طرح طرح کی سخت ایذائیں اُٹھانی پڑیں۔ اور پھر جب دشمنوں کی فوج کثیر نے مدینہ کا محاصرہ کیا جہاں آپ کو اور آپکے ساتھیوں کو پناہ ملی تھی تو آپ اُن کی مدافعت میں مصروف رہے اور اگرچہ وہ ان مشکلات و مصائب میں گھرے ہوئے تھے لیکن اُن کے کفر شکن دل میں اس رواج کی خرابیوں کا خیال پیدا ہوا۔ اور رفتہ رفتہ انہوں نے اس رسم کو کمزور کرنا شروع کیا اور آخر میں اسے بالکل موقوف کر دیا۔ ابتدا میں یہ تقریباً ناممکن معلوم ہوا۔ کیونکہ جو اصلاحات آپ کرنا چاہتے تھے وہ ان لوگوں کے طبائع اور تمدن کے بالکل مخالف تھیں۔ اگرچہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ترقی و نشوونما کے ازمنہ اولیٰ میں کثرت زوجات کی رسم اہل عرب کے لئے مفید تھی اور بعض شرائط اور حدود کے ساتھ وہ ان کے اخلاق اور تمدن کو زیادہ عمدگی کے ساتھ ترقی دینے میں مدد دے سکتی تھی۔ تاہم یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ نقائص سے خالی نہیں جن سے آنحضرت صلعم پورے طور پر آگاہ تھے۔ یہ پہلی قید بلا شُبہ ترقی کا بہت بڑا زینہ تھا اور جو لوگ آیات قرآن کے باطنی معنوں پر نگاہ رکھتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ یہ قید صرف ایک ہی بی بی پر قناعت کرنے کے حکم کے برابر ہے۔ لیکن جب آپ نے دیکھا کہ مسلمان اسے اس معنوں میں نہیں لیتے تو آپ نے ایک قدم اور بڑھایا اور اس مسئلہ کے متعلق دوسرے حکم میں اس امر کی صریحاً تاکید کی جو پہلے حکم میں مستتر تھا۔ اور یہ ظاہر کر دیا کہ متعدد بیبیوں کے ساتھ عدل کرنا انسانی طاقت سے خارج ہے خواہ وہ کتنی ہی کوشش کریں +

۱۰۵- قرآن میں اس کی تاکید (النساء ۴- آیت ۳- اور ۱۲۸) میں پائی جاتی ہے لیکن آخری اور قطعی تدبیر جو آنحضرت صلعم نے اہل عرب کی سب سے بڑی رسم کو اُٹھا دینے کے متعلق اختیار کی وہ قرآن کا یہ ارشاد تھا کہ خواہ انسان کتنا ہی چاہے وہ ایک سے

از روئے قرآن مجید متعدد بیبیوں میں عدل ناممکن ہے۔

زیادہ بیبیوں میں عدل نہیں کرسکتا (النساء۴ - آیت ۱۲۸)۔

۱۲۸- وَلَنْ تَسْتَطِيعُوٓا اَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ (النساء۴ آیت ۱۲۸)	۱۲۸- اور تم (اپنی طرف سے) بہتیرا چاہو لیکن یہ تو تم سے ہو نہیں سکیگا کہ کئی کئی بیبیوں میں پوری پوری برابری کرسکو (النساء۴ آیۃ ۱۲۸)

یہ درحقیقت تعدد زوجات کا موقوف کردینا ہے لیکن جو شادیاں کہ اس سے قبل آنحضرت صلعم اور اُن کے پیرو کرچکے تھے وہ جائز تصور کی گئیں۔ کیونکہ وہ اہل عرب کے مسلّمہ رسوم کے مطابق عمل میں آئی تھی لیکن اس وقت جن لوگوں کے پاس ایک سے زائد بیبیاں تھیں انہیں نصیحت کی گئی کہ وہ بعض بیبیوں کی خاطر سے بعض کو معلق نہ چھوڑدیں - یہ ہدایت آیت مذکور کے آخری حصہ میں ہے -

فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۚ وَإِنْ تُصْلِحُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝ (النساء۴ آیت ۱۲۸)	تو بالکل ایک ہی طرف جھک نہ پڑو اور دوسری کو اس طرح چھوڑ بیٹھو کہ گویا بیچ میں لٹک رہی ہے اور اگر درستی سے چلو اور زیادتی کرنے سے بچے رہو تو اللہ بخشنے والا اور مہربان ہے (النساء۴ آیۃ ۱۲۸)

۱۵۶- وہ مصنفین سخت غلطی پر ہیں جو یہ خیال کرتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے چار عورتوں سے نکاح جائز رکھا ہے - یا جو یہ کہتے ہیں کہ اگرچہ آپ نے غیر محدود کثرت زوجات کو جو آپ سے پہلے عرب میں رائج تھا محدود اور مقید تو کردیا۔ لیکن اس کو مستحکم طور سے قائم کردیا۔ گویا اس بیڑی کو ہلکا تو کردیا لیکن اس کے ساتھ زور سے جکڑ دیا یا جو یہ کہتے ہیں کہ کثرت زوجات کی بُرائی کم تو کی لیکن خود اسے اس عذر پر اختیار کیا کہ خداوند تعالٰی نے آپ کے حق میں خاص رعایت کی ہے۔

تدابیر جو آنحضرت صلعم نے کثرت زوجات کے موقوف کرنے کے لئے اختیار کیں

وقت واحد میں متعدد شادیاں کرنے کے متعلق جو قید لگائی گئی تھی وہ اصلاح کا پہلا درجہ اور ایک عارضی تدبیر تھی - اس کے حقیقی تنسیخ کا تخم اس ناممکن العمل شرط میں ہے کہ سب بیبیوں میں یکساں عدل کیا جائے - اور ساتھ ہی یہ ارشاد ہے کہ ایسا کرنا انسان سے ممکن نہیں - یہ رواج عرب اور دوسرے مشرقی ممالک میں اس طرح رگ و پے

میں سرایت کر گیا تھا- کہ آنحضرت صلعم اس کے موقوف کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ یہی کرسکتے تھے کہ قرآن میں اس کے خلاف حکم دیا جائے جس کی تعمیل فرض ہے۔ (النساء۴ آیت ۳ و ۱۲۸)-

۳- فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً (النسا ۴- آیت ۳)-

۱۲۸- وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ (النسا ۴- آیت ۱۲۸)

۳- اگر تم کو اس بات کا اندیشہ ہو کہ کئی بیبیوں میں برابری نہ کرسکو گے تو اس صورت میں ایک ہی بی بی کرو (النسا۴- آیت۳)

۱۲۸- اور تم اپنی طرف سے بہتیرا چاہو لیکن یہ تم سے ہو نہیں سکے گا کہ (کئی کئی) بیبیوں میں پوری پوری برابری کرسکو- (النسا۴ آیت ۱۲۸)

وہ اس سے زیادہ کچھ نہیں کرسکتے تھے- اور نہ کوئی مصلح یا مقنن اس سے زیادہ کرسکتا ہے۔

طلاق

اہل عرب میں طلاق کی سہولت غیر محدود تھی

۱۰۷- اہل عرب کی منتشر اور غیر متحد سوسایٹی میں طلاق کی بہت بڑی سہولت تھی اور اس وجہ سے یہ عیب عام طور پر پھیلا ہوا تھا- شوہر اپنی بیوی کو ایک خیال یا وہم کی بنیاد پر جب چاہتا بغیر کسی وجہ کے دفعۃً طلاق دے سکتا تھا- جس کی اطلاع عورت کو وقوع واقعہ سے ایک لحہ پہلے بھی ہونی ضرور نہ تھی- بعض اشخاص اس خیال سے کہ اگر ان کی مطلقہ بیبیاں دوسروں سے نکاح کرلیں گی تو اُن کی ذلت ہوگی وہ انہیں قید نکاح سے علیحدہ کرنے کے بعد کس مپرسی اور بیم ورجا کی حالت میں اپنے گھروں ڈالے رکھتے تھے وہ اس قدر متلون واقع ہوئے تھے کہ ایک دفعہ طلاق دی اور پھر دوبارہ اُنہیں بُلا لیا- اور اس طرح بار بار یہی ایر پھیر کرتے تھے اس میں نہ اُنہیں رحم آتا اور نہ شرم آتی اور نہ اُن بے خطا بیبیوں کے فیلنگز (احساسات) کی کچھ پرواہ ہوتی- ہر روز انہیں غیظ و غضب

خودغرضی اور تلون طلاق پر آمادہ کرتا تھا۔ ایک لفظ جو محض بے خیالی میں کہہ دیا گیا یا ایک اشارہ جس کی بناء وہم پر تھی یا ایک غصہ کا پیغام قطعی جدائی کا پیش خیمہ ہو سکتا تھا آنحضرت صلعم نے اس ناجائز بدسلوکی پر ابتداءِ رسالت میں توجہ فرمائی اور طلاق کی اس سہولت کی روک تھام اور اصلاح کرنی شروع کی۔ ابتدائی مدنی سورتوں میں اس مذموم رسم کے روکنے کے لئے ہر طرح کی عام و خاص عارضی اور مستقل تدبیریں کیں۔ آپ نے احکام وحی کے ذریعہ سے یہ ظاہر کر دیا کہ نکاح کے پاک عقد توڑنے سے طرفین کو ذلت اور نقصان ہوگا۔ آپ نے اپنے تابعین کو ہدایت فرمائی کہ اس قسم کی بے اعتدالی سے باہمی اعتماد بالکل جاتا رہے گا اور اُن کے گھرانوں میں چھوٹی سی چھوٹی بات پر اشتعال پیدا ہوگا

ایلاء کی تعریف

۱۰۸- سب سے اول آنحضرت صلعم نے ایلاء کی اصلاح کی۔ یہ بھی ایک قسم کی جدائی تھی۔ شوہر یہ عہد کر لیتا تھا کہ وہ جب تک چاہے بیوی کے پاس نہ جائے۔ آنحضرت صلعم نے ایلاء کی مدت زیادہ سے زیادہ چار مہینے کی معین کی اور حکم دیا کہ اس کے بعد یا تو انہیں مصالحت کر لینی چاہیئے یا طلاق دینی چاہیئے۔ اس مدت کے معین ہو جانے سے بیم و رجا کا زمانہ کم ہو گیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس قسم کے واقعات میں بہت کمی واقع ہو گئی قرونِ اولٰے کے مسلمان جو ایلاء پر بحیثیت رسم خلاف اسلام کے عمل کرتے تھے اسے غیر اسلامی اور ناجائز رسم سمجھنے لگے۔ اس طرح سے طلاق میں جو سہولت تھی اُسے بہت کچھ کم کر دیا۔ قرآن میں اس کے متعلق یہ حکم ہے:-

۲۲۶- لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِن نِّسَائِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ فَإِنْ فَاءُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝ (البقرۃ۲- آیت ۲۲۶-۲۲۷)

۲۲۶- جو لوگ اپنی بیبیوں کے پاس جانے کی قسم کھا لیتے ہیں ان کو چار مہینے کی مہلت ہے پھر اس مدت میں اگر رجوع کر لیں تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور اگر طلاق کا پکا ارادہ کر لیں تو بھی اللہ سنتا اور جانتا ہے۔ (البقرہ۲- آیت ۲۲۶-۲۲۷)-

ایلاء و ظہار

۱۰۹- جاہلیت عرب کے ایک قدیم اور کثیر الوجود طریقہ طلاق کو قرآن مجید میں نہایت زور

کے ساتھ بے اثر بتایا گیا- اس سے میری مراد ظہار سے ہے- ظہار لفظ ظہر سے نکلا ہے جس کے معنے پشت کے ہیں- زمانۂ جاہلیت میں یعنے قبل اسلام ظہار بجائے طلاق کے تھا- اعرابِ جاہلیت اپنے عربی محاورہ میں اپنی بیبیوں سے یہ کہا کرتے تھے کہ "تم میرے لئے میری ماں کی پشت ہو" قرآن مجید نے طلاق کے ان الفاظ کو بالکل لغو قرار دیا اور اس بیہودہ جھوٹ بکنے پر کفارہ مقرر کیا- وہ آیات یہ ہیں :-

۲- اَلَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْكُمْ مِّنْ نِّسَآئِهِمْ مَّا هُنَّ اُمَّهٰتِهِمْ اِنْ اُمَّهٰتُهُمْ اِلَّا الّٰٓـِٔيْ وَلَدْنَهُمْ وَاِنَّهُمْ لَيَقُوْلُوْنَ مُنْكَرًا مِّنَ الْقَوْلِ وَزُوْرًا وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ○

(المجادلہ ۵۸- آیت ۲)

۲- تم میں سے جو لوگ اپنی بیبیوں کے ساتھ ظہار کرتے ہیں وہ (درحقیقت) کچھ ان کی مائیں تو ہیں نہیں اُن کی مائیں تو وہی ہیں جنہوں نے اُن کو جنا ہے- البتہ یہ لوگ ایک بیہودہ اور جھوٹ بات کہتے ہیں اور بے شک اللہ بڑا معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے-

(المجادلہ ۵۸- آیت ۲)

۳- وَالَّذِيْنَ يُظٰهِرُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا قَالُوْا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا ذٰلِكُمْ تُوْعَظُوْنَ بِهٖ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ○

(المجادلہ ۵۸- آیت ۳)-

۳- اور جو لوگ اپنی بیبیوں سے ظہار کرتے ہیں پھر لوٹ کر وہی کام کرنا چاہتے ہیں جس کو کہہ چکے ہیں کہ (نہیں کرینگے) تو ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے مرد کو ایک بردہ آزاد کرنا چاہیئے- مسلمانو! تم کو یہ نصیحت کی جاتی ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو- اللہ اس سے خبردار ہے- (المجادلہ ۵۸- آیت ۳)

۴- فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّتَمَآسَّا فَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَاِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا ذٰلِكَ لِتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (المجادلہ ۵۸ آیت ۴)

۴- اور جس کو بردہ میسر نہ ہو تو ایک دوسرے کو ہاتھ لگانے سے پہلے مرد دو مہینے کے روزے پے درپے رکھے اور جو یہ بھی نہ کر سکے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاوے یہ حکم اس لئے ہے کہ تم لوگ اللہ اور اُس کے رسول پر پورا پورا ایمان لے آؤ اور یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں اور منکروں کے لئے دردناک عذاب ہے- (المجادلہ ۵۸- آیت ۴)

اسلامی فقہ میں ظہار سے طلاق نہیں ہو سکتی - خواہ شوہر کی یہی نیت کیوں نہ ہو[1] - یہ کفارہ صرف بیہودہ جھوٹ بکنے کا ہے " اگر اس ممانعت کی خلاف ورزی کی جائے (یعنے کفارہ ادا کرنے سے پہلے مقاربت کی جائے) تو اس کے لئے کوئی زائد سزا نہ دی جائے گی[2] +

تیسری آخری طلاق -

۱۰۱- ایسی حالت میں جب کہ شوہر نہ تو اس بات پر راضی تھا کہ اپنی بی بی کو اپنے پاس رکھے - اور نہ وہ یہ چاہتا تھا کہ دوسرے اس سے شادی کریں - اور چونکہ طلاق اور عارضی مصالحت کی کوئی حد نہ تھی اس لئے وہ اسے طلاق دے دیتا اور پھر بُلا لیتا اور اسی طرح ایک مدت دراز تک یہی ہیر پھیر کرتا رہتا تھا - لہذا آنحضرت صلعم نے طلاق اور مصالحت کی تعداد دو تک محدود کر دی اور ہر ایک طلاق کے لئے مدت طویل غور کرنے کے لئے معین کی تیسری طلاق سوائے ایک ایسی حالت کے جو عربوں کی عزت و رشک کے خلاف ہے قطعی ہو جاتی تھی اور واپس نہیں ہو سکتی تھی +

۲۲۸- اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ ؕ
(البقرۃ ۲ - آیت ۲۲۸)

۲۲۸- طلاق دو مرتبہ ہے پھر دو طلاقوں کے بعد یا تو دستور کے مطابق زوجیت میں رکھنا یا حُسن سلوک کے ساتھ رخصت کر دینا چاہیئے - (البقرۃ ۲- آیت ۲۲۸)

لیکن اگر شوہر پھر وہی زبردستی کا معاملہ کریں یعنے اپنی بی بی کو تیسری طلاق دیدیں تو آپس کی رضامندی سے اس جھگڑے کو طے نہیں کر سکتے - جیسا کہ وہ اس سے پہلے کر سکتے تھے - اگر کوئی بی بی تیسری طلاق کے بعد کسی دوسرے سے شادی کر لے اور اسی کے تھوڑے ہی دنوں بعد بیوہ ہو جائے تو بھی وہ اپنے پہلے شوہر کے پاس واپس نہیں آ سکتی - البتہ اس صورت میں کہ وہ کسی دوسرے سے نکاح کر لے اور طلاق کے بارہ میں اس قدر نفرین موجود ہونے کے بعد بھی دوسرا شوہر اسے طلاق دیدے تو پھر پہلا شوہر اُس کے ساتھ جدید طور سے عقد کر سکتا ہے +

[1] ہدایہ گریڈی صفحہ ۱۱۰ مطبوعہ لندن سنہ ۱۸۷۰ء - [2] ہدایہ گریڈی صفحہ ۱۱۱ مطبوعہ لندن سنہ ۱۸۷۰ء +

۲۲۹- فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ٥ (البقرۃ۲- آیت ۲۲۹)

۲۲۹ پھر اگر (تیسری بار) عورت کو طلاق دیدی تو وہ عورت اس کے لئے حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرلے اب اگر دوسرا شوہر اس کو طلاق دیدے تو دونو میاں بی بی پر کچھ گناہ نہیں کہ پھر ایک دوسرے کی طرف رجوع کرلیں بشرطیکہ دونو کو توقع ہو کہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدوں کو قائم رکھیں گے اور یہ اللہ کی قائم کی ہوئی حدیں ہیں جن کو وہ ان لوگوں کے لئے بیان فرماتا ہے جو جاننے والے ہیں۔

یہ تدبیر خواہ کیسی ہی بھدی ہو مگر عارضی تھی اور اس سے عرب کی ناشائستہ رسم طلاق پر عجیب و غریب اثر پڑا۔ چونکہ یہ معاملہ شوہر اول کو بہت ناگوار ہوتا تھا۔ لہذا یہ نتیجہ ہوا کہ یہ بے تُکی طلاقوں کی مانع ہوئی اور اس سے قطعی طلاقوں کی تعداد میں کمی ہوگئی اور جب اس کا پورا عمل ہوگیا تو یہ شرط بھی اُٹھا دی گئی۔ (البقرۃ۲-آیت ۲۳۱-۲۳۲)۔

۱۱۱- طلاق کی صورت میں مہر کا ادا کرنا لازم ہے لیکن شرعی لحاظ سے مہر کی کوئی مقدار معین نہیں کی گئی ہے یہ بھی کثرت طلاق کے روکنے کے لئے ایک تدبیر تھی۔ مہر بھی من مانی طلاق کے خلاف ایک تدبیر تھی

۲۳۵- لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ ٥ (البقرۃ۲-آیت ۲۳۵)

۲۳۵- اگر تم نے عورتوں کو ہاتھ تک نہ لگایا ہو اور اُن کا نہ مہر ٹھیرایا ہو اور اس سے پہلے ان کو طلاق دیدو تو اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں ایسی عورتوں کے ساتھ کچھ سلوک کرو مقدور والے پر اپنی حیثیت کے موافق اور بے مقدور پر اپنی حیثیت کے موافق حسب دستور (سلوک کرنا چاہیئے) نیک لوگوں کے ذمہ ایک حق ہے {البقرۃ ۲ آیت ۲۳۵}

۲۳۶- وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَا الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ

۲۳۶- اور اگر ہاتھ لگانے سے پہلے عورتوں کو طلاق دیدو اور اُن کا مہر ٹھیرا چکے ہو تو جو کچھ تم نے ٹھیرایا تھا اُس کا آدھا دینا چاہیئے مگر یہ کہ عورتیں معاف کردیں یا وہ شخص معاف کردے جس کے ہاتھ میں عقد نکاح کا اختیار ہے وہ اپنا حق چھوڑ دے اور اگر اپنا

وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَ لَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ (البقرہ ۲- آیت ۲۳۶)

حق چھوڑ دو تو یہ پرہیز گاری سے قریب ہے اور آپس میں ایک دوسرے پر احسان کرنا نہ بھولو جو کچھ تم کرتے ہو بیشک اللہ اس کو دیکھتا ہے۔ (البقرہ ۲- آیت ۲۳۶)

۴۹- يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّوْنَهَا فَمَتِّعُوْهُنَّ وَسَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝ (الاحزاب ۳۳- آیت ۴۹)

۴۹- مسلمانو! جب تم مسلمان عورتوں کو اپنے نکاح میں لاؤ پھر اُن کو ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دیدو تو عدت میں بٹھانے کا تم کو اُن پر کوئی حق نہیں جس کا تم شمار کرو بلکہ اُن کے ساتھ کچھ سلوک کرو اور خوش اسلوبی کے ساتھ اُن کو رخصت کردو۔ (الاحزاب ۳۳- آیت ۴۹)-

۱۹- يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَاۗءَ كَرْهًا وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ۝ (النساء ۴- آیت ۱۹)

۱۹- اے مسلمانو! تم کو جائز نہیں کہ زبردستی عورتوں کے وارث بنو- اور اُن کو اس لئے بند نہ کر رکھو کہ کچھ اپنا دیا ہوا اُن سے چھین لو- ہاں اُن سے کھُلی ہوئی بدکاری سرزد ہو تو (بند رکھنے کا) مضایقہ نہیں اور بیبیوں کے ساتھ حُسن سلوک سے رہو سہو اور اگر تم کو بی بی ناپسند ہو تو عجب نہیں کہ تم کو ایک چیز ناپسند ہو اور اللہ اسی میں بہت سی خیر و برکت دے۔ (النساء ۴- آیت ۱۹)

۲۰- وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۝ (النساء ۴- آیت ۲۰)

۲۰- اور اگر تمہارا ارادہ ایک بی بی کو بدل کر اس کی جگہ دوسری بی بی کرنے کا ہو تو گو تم نے پہلی بی بی کو ڈھیر سارا مال دیدیا ہو تاہم اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لینا- کیا بہتان لگا کر اور صریح گناہ کرکے اپنا دیا ہوا اس سے واپس لیتے ہو- (النساء ۴- آیت ۲۰)

۲۱- وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا

۲۱- اور دیا ہوا کیسے واپس لے لوگے حالانکہ تم ایک دوسرے کے ساتھ صحبت کر چکے ہو اور بیبیاں نکاح کے وقت مہر و نفقہ وغیرہ

غَلِیۡظًا ٥ (النسا ۴-آیت ۲۱)

کا تم سے پکّا قول لے چکی ہیں۔ (النسا ۴-آیت ۲۱)

بغیر فتوے عدالت طلاق نہیں ہوسکتی

۱۱۲-شوہر کی بدسلوکی، عورت کی سرکشی، باہمی مناقشے اور آن بن کی صورت میں بھی قرآن مجید نے طلاق کی اجازت کو لازمی نہیں قرار دیا۔

۳۴-وَالّٰتِیۡ تَخَافُوۡنَ نُشُوۡزَهُنَّ فَعِظُوۡهُنَّ وَاهۡجُرُوۡهُنَّ فِی الۡمَضَاجِعِ وَاضۡرِبُوۡهُنَّ[1] فَاِنۡ اَطَعۡنَكُمۡ فَلَا تَبۡغُوۡا عَلَيۡهِنَّ سَبِيۡلًا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيۡرًا ٥ (النسا ۴-آیت ۳۴)

۳۴-اور تم کو جن بیبیوں سے نافرمانی کا اندیشہ ہو تو (پہلی دفعہ) ان کو سمجھا دو پھر ان کو بستر پر تنہا چھوڑ دو (اس پر بھی نہ مانیں تو) پھر ان کو مارو پس اگر وہ اطاعت کر لیں تو ان پر الزام کے پہلو نہ ڈھونڈو۔ بے شک اللہ برتر و بزرگ ہے (النسا ۴-آیت ۳۴)

۳۵-وَاِنۡ خِفۡتُمۡ شِقَاقَ بَيۡنِهِمَا فَابۡعَثُوۡا حَكَمًا مِّنۡ اَهۡلِهٖ وَحَكَمًا مِّنۡ اَهۡلِهَا اِنۡ يُّرِيۡدَاۤ اِصۡلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيۡنَهُمَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيۡمًا خَبِيۡرًا ٥ (النسا ۴-آیت ۳۵)

۳۵-اور اگر تم کو میاں بی بی میں ناچاقی کا اندیشہ ہو تو ایک ثالث مرد کے کنبے سے اور ایک ثالث عورت کے کنبے سے مقرر کرو یہ دونو ان میں میل کرا دینا چاہیں گے تو اللہ دونوں میاں بی بی میں موافقت کرا دے گا۔ اللہ واقف اور خبردار ہے۔ (النسا ۴-آیت ۳۵)

۱۲۸-وَاِنِ امۡرَاَةٌ خَافَتۡ مِنۡۢ بَعۡلِهَا نُشُوۡزًا اَوۡ اِعۡرَاضًا فَلَا جُنَاحَ

۱۲۸-اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی طرف سے مخالفت یا بے رغبتی کا اندیشہ ہو تو میاں بی بی میں کسی پر کچھ گناہ نہیں

[1] یہ اختیار قدیم حالت حکومت میں دیا گیا تھا جبکہ کوئی عدالت یا جج نہ تھے خاندان کا سردار ہی گھر کا جج تھا۔ یہ قدیم خاندانی حکومت کی خصوصیت تھی۔ لیکن جب یہ صورت بدل گئی اور جمہوری حکومت قائم ہوگئی تو زن و شو کو لازم ہوا کہ ججوں کے سامنے اپنا معاملہ پیش کریں اور ان کے فیصلہ پر عمل کریں۔ جیسا کہ بعد کی آیت میں حکم دیا گیا ہے۔ معتزلہ جو مسلمانوں کا ایک قدیم اور عقلی فرقہ ہے اس کی رائے ہے کہ طلاق کے لئے قاضی کا حکم ہر حال میں حاصل کرنا ضروری ہے اور یہی شرعی طلاق ہے۔ لہذا ایسی طلاق جو صرف شوہر یا بیوی کی طرف سے ہو وہ صحیح نہیں جب تک کہ حاکم شرع نے اس کو تسلیم نہ کیا ہو یا اس کے سامنے نہ دیا گیا ہو۔ کیونکہ معتزلہ کی رائے میں "یہ تمدن کے اصول کے بالکل خلاف ہے کہ مرد یا عورت کو اجازت دیدی جائے کہ وہ اپنی خوشی اور مرضی پر عقد نکاح کو توڑ ڈالیں"۔

(دیکھو "پرسنل لا آف دی محمڈنس" مولفہ مولوی سید امیر علی ایم اے۔ ال ال۔ بی صفحہ ۳۵)۔

عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ
خَيْرٌ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ وَاِنْ
تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ٥ (النساء ۴ - آیت ۱۲۸)

کہ اصلاح کی کوئی بات ٹھہرا کر آپس میں صلح کر لیں اور صلح (ہر حال میں) بہتر ہے اور حرص تو جان سے لگی ہوئی ہے اور اگر تم اچھا سلوک اور پرہیزگاری کرو تو خدا تمہارے ان نیک کاموں سے باخبر ہے۔ (النساء ۴ - آیت ۱۲۸)۔

۱۲۹۔ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا
بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ
فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَ
تَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ٥
(النساء ۴ - آیت ۱۲۹)

۱۲۹۔ اور تم (اپنی طرف سے) بہتیرا چاہو لیکن یہ تم سے ہرگز نہ ہو سکیگا کہ کئی بیبیوں میں پوری پوری برابری کر سکو (خیر) بالکل ایک ہی طرف نہ جھک پڑو اور دوسری کو اس طرح نہ چھوڑ بیٹھو کہ گویا بیچ میں لٹک رہی ہے اور اگر درستی سے چلو اور زیادتی کرنے سے بچے رہو تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے {النساء ۴ آیت ۱۲۹}

۱۳۰۔ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا
مِّنْ سَعَتِهٖ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا
(النساء ۴ - آیت ۱۳۰)

۱۳۰۔ اور اگر (صلح نہ ہو سکے) اور میاں بی بی جدا ہو جائیں تو اللہ اپنی وسعت (فضل) سے ہر ایک کو آسودہ رکھے گا اور اللہ گنجایش والا اور حکمت والا ہے (النساء ۴ - آیت ۱۳۰)

مصالحت کے متعلق آنحضرتؐ کی خاص تدابیر

۱۱۳۔ زن و شو کی مصالحت کی غرض سے خاص خاص تدابیر اختیار کی گئیں مثلاً شوہر بی بی کو زمانۂ طلاق میں گھر سے باہر نہیں نکال سکتا۔ انہیں وہیں رکھنا چاہیئے جہاں شوہر خود رہتا ہے۔

۱۔ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ
فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَاَحْصُوا الْعِدَّةَ
وَاتَّقُوا اللّٰهَ رَبَّكُمْ لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْۢ بُيُوْتِهِنَّ
وَلَا يَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ
مُّبَيِّنَةٍ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَمَنْ
يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ لَا

۱۔ اے پیغمبر (اور اے مسلمانو) جب تم بیبیوں کو طلاق دینی چاہو تو اُن کو اُن کی عدت (کے شروع ہونے) پر طلاق دو اور عدت کا حساب کرتے رہو اور اللہ سے جو تمہارا پروردگار ہے ڈرتے رہو (عدت میں) اُن کو اُن کے گھروں سے نہ نکالو اور وہ خود بھی نہ نکلیں مگر جب علانیہ بدکاری کریں اور یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں اور جس شخص نے اللہ کی مقرر کی ہوئی حدوں سے

تَدْرِي لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ أَمْرًا ۝ (الطلاق ۶۵ - آیت ۱)	قدم باہر رکھا تو اس نے آپ ہی اپنے اوپر ظلم کیا اے شخص تو نہیں جانتا شاید اس کے بعد اللہ کوئی نئی صورت پیدا کردے- (الطلاق ۶۵ آیت ۱)
۲- فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ فَارِقُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَّأَشْهِدُوا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنكُمْ وَأَقِيمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ذٰلِكُمْ يُوعَظُ بِهِ مَن كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَن يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا ۝ (الطلاق ۶۵ - آیت ۲)	۲- پھر جب عورتیں اپنی مدت پوری کر چکیں تو یا رجوع کر کے دستور کے مطابق اُن کو اپنی زوجیت میں رکھو یا دستور کے مطابق اُن کو رخصت کرو اور اپنے لوگوں میں سے دو معتبر آدمیوں کو گواہ کر لو اور (اے گواہی دینے والو قرب) خدا کے لئے ادا سے شہادت کرو- یہ نصیحت کی باتیں اُن لوگوں کو سمجھائی جاتی ہیں جن کو اللہ اور روز آخرت کا یقین ہے اور جو شخص خدا سے ڈرتا ہے اس کے لئے وہ کوئی راہ نکال دیگا
۶- أَسْكِنُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنتُم مِّن وُجْدِكُمْ وَلَا تُضَارُّوهُنَّ لِتُضَيِّقُوا عَلَيْهِنَّ وَإِن كُنَّ أُولَاتِ حَمْلٍ فَأَنفِقُوا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ وَأْتَمِرُوا بَيْنَكُم بِمَعْرُوفٍ وَإِن تَعَاسَرْتُمْ فَسَتُرْضِعُ لَهُ أُخْرٰى (الطلاق ۶۵ - آیۃ ۶)	۶- اُن مطلقہ عورتوں کو اپنے مقدور کے مطابق وہیں رکھو جہاں تم خود رہو اور اُن پر سختی کرنے کے لئے اُن کو ایذا نہ دو اور اگر حاملہ ہوں تو وضع حمل تک اُن کا خرچ اُٹھاتے رہو پھر اگر وہ تمہاری اولاد کو دودھ پلائیں تو اُن کو اُن کی دودھ پلائی کا حق ادا کرو اور آپس میں دستور کے مطابق اُجرت ٹھہرا لو اور اگر آپس میں کشمکش کروگے تو کوئی دوسری عورت اُس کے لئے بچہ کو دودھ پلا دے گی- (الطلاق ۶۵ - آیت ۶)

آنحضرتؐ نے زید کو اپنی بی بی کے طلاق دینے سے منع کیا-

۱۱۴- آنحضرت صلعم نے زید کو اپنی بی بی کے طلاق دینے سے منع کیا- اور قرآن میں اس کے متعلق صاف طور سے مذکور ہے کہ سب لوگوں کو اس مثال کی تقلید کرنی چاہیئے اور کوشش کرنی چاہیئے کہ طلاق دینے سے باز رہیں-

۳۷- وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ	۳۷- اور اے پیغمبر (اس بات کو یاد کرو) کہ جب تم اُس شخص کو سمجھاتے تھے جس پر اللہ نے اپنا احسان کیا اور تم نے بھی اس

زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ (الاحزاب ۳۳- آیت ۳۷)	پر احسان کیا کہ اپنی بی بی کو اپنی زوجیت میں رہنے دے اور اللہ سے ڈر۔ (الاحزاب ۳۳- آیت ۳۷) ؎

میں اس موقع پر آنحضرت صلعم کی مشہور حدیث جو احادیث دارقطنی سے بروایت معاذ ابن جبلؓ ہے نقل کرتا ہوں۔ (حدیث)

عن معاذ بن جبل قال قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا معاذ ما خلق اللہ شیئاً علی وجہ الارض احب علیہ من العتاق ولا خلق اللہ شیئاً علی وجہ الارض ابغض الیہ من الطلاق (رواہ الدارقطنی)	معاذ بن جبلؓ سے ہے کہا معاذ نے ارشاد فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے۔ اے معاذ! "دنیا میں کوئی شے خدا نے نہیں پیدا کی جس کو وہ زیادہ عزیز رکھتا ہو غلاموں کے آزاد کرنے سے اور اس نے کوئی شے نہیں مخلوق کی جس کو وہ زیادہ ناپسند کرتا ہو طلاق سے" (مشکوۃ کتاب النکاح باب طلاق فصل ۳) منقول از نسخہ قلمی کتب خانہ آصفیہ سرکار عالی۔

آنحضرت صلعم نے طلاق کو عام طور پر برا کہا۔

۱۱۵- ان رکاوٹوں اور نیز دیگر تدابیر اصلاح کی وجہ سے طلاق کے واقعات بہت کم ہو گئے۔ کامل طور سے غور کرنے کے لئے اس توقع پر کافی وقت دیا گیا کہ شاید کوئی خوش کن نتیجہ برآمد ہو (البقرۃ ۲- آیت ۲۲۸ و ۲۲۹- الطلاق ۶۵- آیت ۱ و ۴) علاوہ اس کے ایک بہت ناگوار قانون (اگرچہ وہ عارضی تدبیر تھی) جاری کیا گیا۔ (البقرۃ ۲- آیت ۲۳۰) جس سے عربوں کی نہایت مغرور و سریع الحس اور رشک کرنے والی طبائع پر بہت بڑا اثر پڑا اور یہ بغیر غور و فکر اور بے سوچے سمجھے طلاق کے لئے ایک بڑا اثر ضمانت ثابت ہوئی اور اس عرصہ میں شوہروں کو اپنی مطلقہ بیبیوں کو اپنے ساتھ ایک ہی گھر میں رکھنا

؎ جے۔ ایم آرنلڈ ڈی ڈی لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے زید کو طلاق دینے کی ترغیب دی (دیکھو اسلام اٹس ہسٹری کریکٹر اینڈ ریلیشن ٹو کرسچیانٹی از جان میوئی سین آرنلڈ ڈی ڈی مطبوعہ لندن ۱۸۷۴ء صفحہ ۱۱۰) ڈی ڈی آرنلڈ نے جس آیت کے حوالے سے ایسا لکھا ہے اس کی بالکل غلط اور جھوٹی تعبیر کی ہے۔

الاحزاب ۳۳- آیت ۳۷ میں صاف طور سے لکھا ہے کہ آنحضرت صلعم نے زید کو اپنی بیوی کے طلاق دینے سے منع کیا اور ان کو نصیحت کی کہ خدا کا خوف کریں اور اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھیں۔

پڑتا تھا۔ طلاق کی تصدیق کے لئے دو معتبر گواہ بلائے جاتے تھے اور عموماً شوہروں کو ہدایت کی جاتی تھی کہ وہ محبت و مہربانی اور رحم وعفو سے کام لیں اور خدا سے خوف کریں (النساء ۴۔ آیت ۲۳ و ۳۹ و ۱۲۷ و ۱۲۸) جب ان تمام رکاوٹوں سہل تدابیر اور عام اصول نے طلاق کی سہولتوں میں بہت کچھ کمی پیدا کر دی اور اسے تقریباً روک دیا تو عارضی رکاوٹیں جن سے بہت عمدہ نتائج پیدا ہوتے تھے رفتہ رفتہ اُٹھا دی گئیں اور اس لئے اس مسئلہ کے بارے میں قرآن کے آخری حکم سے یہ تدبیر کہ اگر مطلقہ عورت جسے تین بار طلاق دی گئی کسی دوسرے سے شادی کرلے اور پھر وہ اُسے طلاق دیدے تو اس حالت میں عورت اپنے پہلے شوہر کے پاس آسکتی ہے بالکل موقوف کر دیا گیا۔

۲۳۰۔ وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِتَعْتَدُوا وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ۝ (البقرۃ ۲۔ آیت ۲۳۰)	۲۳۰۔ اور جب تم عورتوں کو طلاق دیدو اور اُن کی عدت پوری ہو جائے تو دستور کے مطابق اُن کو زوجیت میں رکھو یا اُن کو اچھی طرح رخصت کر دو اور ضرر پہنچانے کے لئے اُن کو روک نہ رکھو کہ بعد کو اُن پر ظلم کرو اور جس نے ایسا کیا تو اس نے اپنے اوپر ظلم آپ کیا اور اللہ تعالے کے احکام کو ہنسی کھیل نہ سمجھو اور اللہ نے تم پر جو احسان کئے ہیں اُن کو یاد کرو اور (اس کا یہ احسان بھی) یاد کرو کہ اس نے تم پر کتاب اور عقل کی باتیں اُتاریں۔ تم کو اُن کے ذریعہ سے اللہ نصیحت کرتا ہے۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ سب کچھ جانتا ہے۔ (البقرۃ ۲۔ آیت ۲۳۰)
۲۳۱۔ وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ	۲۳۱۔ اور جب تم عورتوں کو طلاق دیدو اور وہ اپنی عدت کی مدت پوری کرلیں تو اُن کو دوسرے شوہروں کے ساتھ

يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُم
بِالْمَعْرُوفِ ذٰلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ
يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذٰلِكُمْ أَزْكٰى
لَكُمْ وَأَطْهَرُ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ٥

(البقرۃ ۲- آیت ۲۳۱)

نکاح کر لینے سے نہ روکو جب کہ دستور کے موافق وہ آپس میں راضی ہوں۔ یہ نصیحت اُس کو کی جاتی ہے جو تم میں اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو یہ تمہارے لئے بڑی پاکیزگی اور بڑی صفائی کی بات ہے۔ اور اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔

(البقرۃ ۲- آیت ۲۳۱)

یہی وجہ تھی کہ آنحضرت صلعم نے ان دونو شخصوں پر لعنت کی ہے۔ اس پر جو بیچ میں پڑتا ہے اور اس پر جس کے لئے یہ تدبیر کی جاتی ہے کہ قطعی مطلقہ عورت کا نکاح پھر شوہر اول سے جائز کر دیا جائے۔ یہ حدیث پیغمبر سے دارمی نے بروایت عبداللہ بن مسعود اور ابن ماجہ نے بروایت علی و ابن عباس و عقبہ بن عامر بیان کی ہے۔

تیسری طلاق

۱۱۶- یہ یاد رکھنا چاہیئے اور بہت کم ایسے لوگ ہیں جنہوں نے اس مضمون پر توجہ کی ہے کہ وہ عارضی تدبیر جس کا ذکر (البقرۃ ۲- آیت ۲۲۹) میں ہے یعنے یہ کہ تین طلاق دی ہوئی عورت کا ایک نکاح کرکے اور پھر بذریعہ طلاق اُس کا عقد شوہر اول سے کر دیا جائے کوئی ضروری شرط نہیں ہے جو اس مقصد کے لئے عمل میں لائی جائے۔ تین طلاقوں کے بعد جن میں ہر طلاق طویل مدت اور غور و خوض کے بعد دی جائے پھر زن و شو کا عقد ہونا بالکل ناجائز کر دیا گیا ہے تیسری طلاق کے بعد مصالحت کا کوئی موقع بجز اس صورت کے نہیں ہے کہ وہ مطلقہ عورت کسی دوسرے شخص سے نکاح کرلے اور یہ دوسرا شخص باوجود اُن تمام موانع کے جو طلاق کے لئے قرار دی گئی ہیں اُسے کسی وقت طلاق دیدے۔ شارع کی ہرگز یہ نیت نہ تھی کہ وہ کوئی ایسا قانون بنائے کہ جس کے ذریعہ سے عورتوں کو ایسا مکروہ اور ناگوار طریقہ اختیار کرنا پڑے اور ایک عارضی شوہر سے طلاق لے کر پھر شوہر اول سے نکاح کرلے۔ یہ طریقہ جو ناشایستہ اور خلاف آداب و اخلاق اور عورتوں کے لئے حیاسوز ہے کبھی جائز نہیں رکھا جا سکتا۔ یہ صرف حالات گرد و پیش پر منحصر تھا۔

پیروانِ اسلام کے لئے یہ کوئی ضروری شرط نہ تھی۔ یہ خوب معلوم تھا کہ اس قسم کی طلاق کے موقعے بہت ہی کم تھے کیونکہ شارع کی خاص نیت یہ تھی کہ طلاق کے رواج کو کم کیا جائے اور حتی الامکان اسے روکا جائے۔ اس لئے یہ ناممکن تھا کہ ایک عارضی شوہر کو خاص اس غرض سے مہیا کیا جائے کہ اس سے ایک مطلقہ کی شادی کر دی جائے تاکہ شوہر اوّل سے اس کے عقد کے لئے جواز پیدا ہو جائے۔

اسلامی قانون دیوانی دربارۂ طلاق۔

۱۷۔ گزشتہ فقرات میں جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے معلوم ہوگا کہ یہ خیال کرنا کہ آنحضرت صلعم نے طلاق کی سہولت کی عام اجازت دی یا نہایت آسان شرائط کے قائم کرنے سے طلاق کے رواج کو جاری رکھا سخت غلطی ہے۔ بلکہ برخلاف اس کے آپ نے اپنی طرف سے انتہا درجہ کی کوشش کی کہ جہاں تک ممکن ہو اس رواج کو روک دیا جائے آپ نے کبھی شوہر کو اجازت نہیں دی کہ بجز بد اطواری یا بغیر قانونی کارروائی یا عدالت میں مقدمہ پیش کئے اپنی بیوی کو طلاق دیدے۔ تمام قواعد اور قانون جو قرآن میں مذکور ہیں اور خصوصاً آخر زمانے کے، وہ اُن حالات کے متعلق ہیں جب کہ زن و شو کے خانگی جھگڑے انتہائی حالت کو پہنچ جائیں یا اُن میں سخت تنفر پیدا ہو جائے یا جب اُن کے آن بن کی نوبت یہاں تک پہنچ جائے کہ اُن کا مل جُل کر رہنا دشوار ہو جائے۔ یہ محمڈن سول لا (مسلمانوں کا قانون دیوانی) ہے جس نے اسلامی شرع کو اس بارے میں ایسا نازیبا بنا رکھا ہے۔ اگرچہ محمڈن سول لا طلاق کے متعلق یہ تسلیم کرتا ہے۔ کہ "دراصل اس کی ممانعت کی گئی تھی اور اب بھی یہ بڑی نظر سے دیکھی جاتی ہے لیکن ان برائیوں کے روکنے کے لئے اس کی اجازت دی گئی ہے جو طلاق سے زیادہ خوفناک ہیں[۱]" لیکن اس میں قرآن کے اس مقصد کا خیال نہیں رکھا گیا جو اس رواج کا مانع

[۱] بیلیز ڈائجسٹ آف محمڈن لا۔ فصل ۳۔ باب ۱ صفحہ ۲۶۰ سکنڈ اڈیشن مطبوعہ لندن ۱۸۷۵ء۔ یہ امر کہ طلاق کی سہولت پیدا کرنے سے ایسی خرابی پیدا نہیں ہوئی جیسا کہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے۔ ذیل کے (دیکھو صفحہ ۳۸)

ہے اور صلح کو ترجیح دیتا ہے۔ اور چونکہ اس قانون میں قرآن کی اس غایت کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔ لہٰذا عربی رسم و رواج کی وہ تمام خرابیاں اور بدعنوانیاں اس میں داخل ہیں جو آنحضرت ؐ سے قبل رائج تھیں اور شوہر بلا کسی وجہ اور کسی اصول کے اپنی بیبیوں کو طلاق دے سکتے ہیں[۱۵]۔

تعلیمِ حضرت مسیحؑ بابت طلاق اور ہمیشہ کی طلاق کی مذمت

۱۱۸ مسیحی مصنفین اکثر اس پر بحث کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت عیسےٰؑ نے طلاق کی ممانعت کر دی ہے۔ چنانچہ انجیل میں آیا ہے۔

"جو شخص سوائے وجہ زنا کے اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے وہ اُسے زانیہ بناتا ہے اور جو کوئی مطلقہ سے
"شادی کرتا ہے وہ زنا کا مرتکب ہوتا ہے۔ (متی باب ۵۔ آیت ۳۲)۔
"جو کوئی سوائے وجہ زنا اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے اور دوسری سے نکاح کرتا ہے وہ زنا کرتا ہے اور
"جو کوئی مطلقہ سے نکاح کرتا ہے وہ بھی زنا کرتا ہے۔ (متی باب ۱۹۔ آیت ۹)۔
"جو کوئی اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے دوسری سے شادی کرتا ہے وہ اس سے زنا کرتا ہے۔ اور اگر عورت

(بقیہ نوٹ صفحہ ۴۷) اقتباس سے واضح ہوگا:۔

"یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ کثرت ازدواج کا جواز اور طلاق کی ظاہرا سہولت خالص عدل کے مستحکم اصول کے مطابق نہیں لیکن اس کی بُرائی محض خیالی ہے اور عمل میں اس سے کوئی تکلیف نہیں ہوتی"۔

"زن و شو کے طلاق کا فتوےٰ ایسی سہولت سے دیدیا جاتا ہے جیسے اہل روما میں منگنی کے فسخ کا فتوےٰ دیا جاتا تھا۔ طلاق کے لئے کسی خاص وجہ کی ضرورت نہیں ہے محض خیال یا وہم کافی ہے۔ جہاں عزت اور صداقت کے خیالات بیوی کو بلا وجہ طلاق دینے کے زیادہ مانع نہیں ہیں وہاں دنیاوی رُکاوٹیں کچھ کم نہیں ہیں مثلاً طلاق دینے پر مہر طلب کیا جاتا ہے اور اسی روک کے لئے عموماً یہ قاعدہ ہو گیا ہے کہ مہر اس قدر بڑے بڑے باندھے جاتے ہیں کہ اُن کا ادا کرنا خاوند کی طاقت سے باہر ہوتا ہے (پرنسپلز وپریسیڈنس آف محمڈن لا) (اصول و نظائر شرع محمدی) (مولفہ ڈبلیو ایچ میک ناٹن اسکوائر بنگال سول سروس صفحہ ۲۲ و ۲۵)۔

۱۵ ابراہیم حلبی لکھتے ہیں کہ "شرع نے مرد کو ابتداءً نکاح کے فسخ کرنے کا اختیار دیا ہے جس حالت میں کہ عورت سرکش و بدمزاج یا بدچلن ہو اور زندگی تلخ کر دے لیکن جب تک قوی وجوہ نہ ہوں طلاق مذہب و شرع (قانون) کی نظر میں جائز نہیں ہو سکتی۔ اگر وہ محض وہم و خیال پر اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے تو وہ اپنے اوپر خدا کا غضب لیتا ہے کیونکہ پیغمبر ؐ نے فرمایا ہے "خدا اس پر لعنت کرتا ہے جو اپنی بیوی کو بلا وجہ نکال دیتا ہے"۔ (پرسنل لا آف محمڈنس مولوی سید امیر علی ایم۔ اے۔ ایل ایل بی مطبوعہ لندن ۱۸۸۰ء)۔

"وہ خاوند کو جدا کرتی اور دوسرے سے شادی کر لیتی ہے تو وہ زنا کرتی ہے۔ (مرقس باب ۱۰۔ آیت ۱۱ و ۱۲)
"جو شخص بیوی کو طلاق دیتا اور دوسری سے شادی کرتا ہے وہ زنا کرتا ہے اور جو کوئی مطلقہ سے شادی کرتا ہے
"وہ بھی زنا کرتا ہے۔ (لوقا باب ۱۶۔ آیت ۱۸)

میں سمجھتا ہوں کہ حضرت عیسےٰؑ نے اپنے ملک کی تمدنی اور سیاسی انتظام باشرع میں جو پہلے سے قائم تھی دخل دینے کا کبھی خیال نہیں کیا۔ اپنے سامعین کے سوال پر حضرت عیسےٰؑ نے طلاق کے ناجائز قرار دینے میں ہیرا ڈ انیٹی بیس کی بدنام طلاق اور شادی کے متعلق صرف عام رائے میں حصہ لیا۔ جس کو حضرت یوحنّا اس سے پہلے ناجائز قرار دے چکے تھے۔ اور جس کی عام طور پر لوگوں نے بہت کچھ مخالفت کی تھی۔

لیکن یہ حقیقی طلاق کا معاملہ نہ تھا جس کی بناء باہمی عدم اتحاد و مصالحت یا باہمی ناقابل برداشت منافرت یا فریقین کی ایسی حالت پر ہو کہ آپس میں مل جل کر رہنا ناممکن

ؔ طلاق کی قطعی ممانعت جس کی حمایت عیسائی آج کل بہت کچھ کرتے ہیں۔ ابتداء میں دراصل عیسائی قوموں پر بغرض رفاہ نہیں عائد کی گئی بلکہ عقد کو ایک امر مقدس خیال کر کے ایسا کیا گیا۔

دو کونسلوں نے جو بہت سے دوسرے معاملات میں سول لا سے اختلاف رکھتی تھیں طلاق کے متعلق یہ رائے ظاہر کی کہ وہ مطلق گناہ نہیں ہے۔ کانسٹین ٹائن نے اس میں تین جرموں کی قید لگائی یعنے تین جرم خاوند کی طرف کے اور تین بیوی کی طرف کے۔ لیکن اس کے قانون کے مقابلہ میں لوگوں کے عادات زیادہ قوی ثابت ہوئے قانون میں ایک دو تبدیلیوں کے بعد جسٹینین کوڈ میں طلاق کی کامل اجازت بحال کر دی گئی۔ عیسائی علماء کو ایسے طلاق کے مقدمہ میں کچھ تامل نہ ہوتا تھا جبکہ بیوی فعل زنا کی مرتکب ہو اس کے علاوہ باقی تمام صورتوں میں انہوں نے طلاق کو جرم قرار دے رکھا تھا اور جو عیسائی طلاق کے مسئلہ میں سول لا (قانون دیوانی) پر عمل کرتے تھے۔ ان کے لئے استغفار کی میعادیں مقرر کیں۔ صدہا سال تک اس قانون میں دوعملی جاری رہی۔ جاہلیت کی قانون کی رُو سے ان لوگوں پر جو اپنی بیویوں کو طلاق دیتے تھے سخت سخت جرمانے کئے جاتے تھے۔ شارلمین نے طلاق کو جرم قرار دیا لیکن اس کے لئے کوئی سزا مقرر نہ کی۔ بلکہ خود اس نے طلاق دی۔ اس کے برعکس کلیسا نے تکفیر کا رعب بٹھا رکھا تھا اور بعض صورتوں میں اُن لوگوں کے متعلق جو اس جرم کے مرتکب پائے گئے اپنا فتوےٰ جاری بھی کر دیا۔ آخر بارھویں صدی میں انہیں کامل طور پر کامیابی ہوئی اور سول لا نے کلیسا کے قانون کو اختیار کیا اور طلاق کی قطعی ممانعت کر دی۔ (لیکیز ہسٹری آف یوروپین مارلز جلد ۲ صفحہ ۳۵۲)۔

ہو گیا ہو اور وہ بھی وہ قوی وجوہ ہیں جس کی بنیاد پر قرآن نے تمام اخلاقی معاشرتی اور
قانونی مصالحت پیدا کرنے والی تدابیر کے بعد طلاق کی اجازت دی ہے اور نہ یہ معاملہ
موسےٰ کے قانون طلاق سے کچھ مختلف تھا جس کی رو سے ایک عورت کو صرف غلاظت
یا ننگے ہونے (عداوت) کی وجہ سے طلاق دی جاسکتی ہے۔ اس قانون کی دو تعبیریں
کی گئی ہیں۔ ہیل اور اس کے پیروؤں نے یہ معنی لئے ہیں کہ اگر شوہر کو بیوی سے
نفرت ہو جائے تو طلاق کا دینا جائز ہے۔ اور یہ لحاظ تعبیر یہ معنی صحیح ہیں۔ لیکن فرقہ شمی
نے اس کا مفہوم یہ بتایا ہے کہ طلاق صرف شرمناک بیحیائی کی حالت میں جائز ہے۔
یہ اخلاقاً تو صحیح ہے لیکن تعبیراً تو درست نہیں ہے اس طلاق کا واقعہ یہ ہے۔ کہ
ہیرڈ انیٹی پاس فرماں روائے گلیلی نے جو ایک بے قصور اور غیر مطلقہ زوجہ کے ساتھ
شادی کر چکا تھا فلپ کی خطا وار بیوی سے کہ وہ بھی غیر مطلقہ تھی بلا کسی عذر و حیلہ کے
محض شہوت کے زور میں عقد کر لیا۔ اینٹی پاس روما میں اپنے بھائی ہیرڈ فلپ کے
ہاں جو اس نام کے ایک حاکم کے سوا دوسرا شخص ہے مہمان تھا۔ یہ ہیرڈ ہیرڈ اعظم
اور مریم دختر شمعون باشندہ بوتھوسیا کا بیٹا تھا اور چونکہ باپ نے اسے محروم الارث
کر دیا تھا اس لئے وہ روما میں خانگی زندگی بسر کرتا تھا۔ یہاں ہیرڈ اینٹی پاس اپنے
بھائی فلپ کی بیوی ہیروڈیس کے دام میں پھنس گیا۔ اور اُس نے بھائی کی مہماں نوازی
کا یہ معاوضہ کیا کہ اس کی بیوی کو بھگا لے گیا۔ اس کے فعل سے غداری اور بیحیائی
اور احسان فراموشی ٹپکتی ہے۔ خاندان ہیرڈ میں باہمی شادی بیاہ اس حد تک بڑھ گیا تھا
جس کی نظیر صرف مشرق اور مقدونیہ کے انتہا درجہ کے ناپاک اور بد اخلاق خاندان امرا
میں پائی جاتی ہے۔ ہیروڈیس ارسٹوبیولس کی بیٹی ہونے کی وجہ سے نہ صرف اینٹی
پاس کی بھاوج تھی بلکہ اس کی بھتیجی بھی تھی۔ اس کے شوہر سے اس کی ایک بیٹی بھی
تھی جو اب خاصی جوان ہو گئی تھی۔ خود اینٹی پاس کی شادی ایک مدت ہوئی آرِی ناس

یعنے حارث امیر عرب کی بیٹی سے ہو چکی تھی۔ اور لطف یہ ہے کہ وہ کچھ ایسا جوان بھی نہ تھا۔ کہ جوش جوانی کا عذر تک پیش کرتا۔ اس کو ابھارنے والی خالی ہوس تھی۔ اور عورت کے مدنظر فضول جاہ طلبی تھی۔ جس نے اس کی شادی کو جہاں عیاشی اور زناکاری کا خوب موقع تھا اس زندگی پر ترجیح دی جو اُسے ہیرڈ عزلت نشین جیسے شخص کے ساتھ بسر کرنی پڑتی تھی جسے ایک چھوٹی گورنری حاصل ہونے کا بھی فخر نہ تھا۔ روما سے واپس ہونے پر ہیرڈ نے اسے اپنی بیوی بنانے کا وعدہ کیا اور اس نے اس سے یہ وعدہ لیا کہ وہ اپنی بے خطا بیوی کو جو امیر عرب کی بیٹی[1] تھی طلاق دیدے۔ تمام لوگوں کی رائے میں وہ دُہرا زناکار تھا۔ ایسا زناکار جس نے زناکار بیوی سے زناکاری کی شادی کی۔ حضرت عیسٰیؑ بھی عام رائے کے ہم خیال تھے اور انہوں نے بغیر نام لئے اس شادی کی مذمت بیان کی۔ اگر ایسا ہی کوئی معاملہ محمد صلعم کے سامنے پیش کیا جاتا تو وہ بھی اس عام رائے کے ساتھ اتفاق کرتے ٭

غلامی[2]

غلامی اور اُس کا بڑا ماخذ۔

۱۱۹۔ حضرت محمد صلعم کی بعثت کے وقت تمام عالم کے مہذب ممالک میں غلامی رائج تھی

---

[1] دیکھو ڈاکٹر فیرر کی لائف آف کرائسٹ (سیرت مسیح) پاپیولر اڈیشن مطبوعہ ۱۸۸۱ء صفحہ ۱۸۲۔ جوسوفس لکھتا ہے۔ "ہیرڈ ٹٹرارک (صوبہ کے چوتھائی حصہ کے حاکم) نے ارے ٹس کی بیٹی سے شادی کی اور ایک مدت تک اُسکے ساتھ رہا۔ لیکن ایک مرتبہ جب روما میں آیا تو ہیرڈ کے پاس آکر ٹھیرا جو اُس کا سوتیلا بھائی تھا کیونکہ یہ ہیرڈ بڑے پادری شمعون کی لڑکی کا بیٹا تھا۔ بہرحال اسے اس ہیرڈ کی بیوی ہیرڈیس سے عشق ہو گیا۔ یہ عورت اُن کے بھائی ارسٹوبوس کی بیٹی اور اگریپا اعظم کی بہن تھی۔ اس شخص نے اس سے شادی کی گفتگو کی۔ ہیروڈیس نے اُسے منظور کر لیا اور آپس میں یہ معاہدہ ہوا کہ ہیرڈ کے روما سے واپس جانے پر وہ تبدیل سکونت کرے اور اس کے پاس چلی آئے۔ ایک شرط اس شادی کی یہ بھی تھی کہ وہ ارے ٹس کی بیٹی کو طلاق دیدیگا۔" (تصانیف فلے دی اس جوسوفس "اینٹی کوی ٹیز آف دی جیوز" کتاب ۱۸۔ باب ۵۔ فقرہ ۱ صفحہ ۴۲۹) ٭

[2] اس مضمون پر آنریبل سید احمد خاں بہادر سی۔ ایس۔ آئی نے نہایت خوبی کے ساتھ بحث کی ہے اور احکام قرآن کے رُو سے غلامی کے موقوف ہونے پر الگ رسالہ لکھا ہے جو رسالہ تہذیب الاخلاق میں چھپا ہے ٭

آپ نے اکناف و اطراف کے تمام اقوام میں اُسے جاری دیکھا۔ ہر ملک و سلطنت کے قوانین و رسوم کے رُو سے غلامی جائز و بجا سمجھی جاتی تھی۔ قدیم فلاسفہ و مصلحین[۱] نے اس کے موقوف کرنے کے متعلق کبھی کوئی خیال ظاہر نہیں کیا۔ قدیم انبیاء علیہم السلام کہ حضرت موسےٰ اور عیسےٰ ع نے بھی اس کے خلاف قولاً یا فعلاً کبھی کچھ نہیں کیا۔ شریعت موسوی میں اس کی اجازت تھی اور عیسائی شہنشاہوں اور بادشاہوں نے اسے جائز رکھا۔ اور اپنے قوانین میں اس کے جواز کو داخل کیا۔ انبیا اور مصلحین میں سب سے پہلے اور سب سے آخر محمد رسول اللہ صلعم تھے جنہوں نے موجودہ اور آیندہ طریقہ غلامی اور اس کی تمام متعلقہ بُرائیوں کو جڑ سے اُکھاڑنے کے لئے کمر ہمت باندھی۔ غلامی کی رونق کا سب سے بڑا ذریعہ اسیران جنگ تھے۔ کشت و خون کے بعد جو لوگ بچ رہتے تھے وہ غلام بنائے جاتے تھے۔ آنحضرت صلعم نے از روے احکام قرآن صاف اور صریح طور سے یہ تاکید فرمائی کہ غلام یا تو بالکل آزاد کر دئے جائیں یا تاوان لیکر چھوڑ دئے جائیں۔ اور اس طرح قدیم اقوام کی اس وحشیانہ رسم یعنے جنگ کے قیدیوں کو قتل کر دینے یا غلام بنا لینے کو بالکل موقوف کر دیا +

قرآن کی وہ آیات جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آیندہ غلامی موقوف کر دی جائے۔ مفصلہ ذیل ہیں :-

۴۔ فَاِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا

۴۔ تو مسلمانو (جب لڑائی میں) کافروں سے تمہاری مُٹھ بھیڑ ہو تو دبے تال اُن کی) گردنیں مار چلو یہاں تک کہ جب خوب اچھی طرح اُن کا

[۱] "افلاطون نے اس بات پر زور دیا تھا کہ تمام یونانی قیدیوں کو معینہ معاوضہ ادا کرنے پر رہا کر دیا جائے (افلاطون کی کتاب ریپبلک کتاب ۵) اور سپارٹا کے جنرل کیلی کرٹے ٹی ڈس نے اس اصول پر اپنی شرافت سے عمل کیا۔ (گروٹا ہسٹری آف گریس جلد ۸ صفحہ ۲۲۴) لیکن اس کی مثال کی عموماً تقلید نہیں کی گئی۔ (لکیز ہسٹری آف یوروپین مارلز جلد ۲ صفحہ ۲۵۷) مگر ان دونو نے کبھی جنگ کے گرفتار کردہ قیدیوں کو بلا معاوضہ چھوڑنے کے متعلق کوئی خیال ظاہر نہیں کیا (چراغ علی) +

الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَآءً حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا ۝ (محمد ۴۷ - آیت ۴) -

زور توڑ لو تو (اُن کی) مُشکیں کَس لو (یعنی قید کر لو) پھر (قید کئے) پیچھے یا تو احسان رکھ کر چھوڑ دینا یا معاوضہ لیکر یہاں تک کہ (دشمن) لڑائی کے ہتھیار رکھ دیں۔ (محمد ۴۷ - آیت ۴) -

یہ آیات آزادی کی سند اور آیندہ غلامی کی استیصال کرنے والی ہیں۔ لیکن نہایت افسوس ہے کہ نہ تو مسلمانوں نے اس پر توجہ کی (یعنے عوام مسلمانوں) اور نہ غیر مسلموں خصوصاً یورپین مصنّفوں نے۔ یہ ایک فریق کی نادانی اور دوسرے کی جہالت ہے -

قرآن نے آیندہ ہر قسم کی غلامی کو موقوف کر دیا اس کے احکام۔

۱۲۰- آنحضرت صلعم نے صرف اتنا ہی نہیں کیا کہ آیندہ کے لئے غلامی کو موقوف کر دیا جو درحقیقت ایک بہت بڑا کارنامہ ہے۔ بلکہ آپ نے اخلاقی و قانونی اور مذہبی رُو سے ایسی تدابیر بھی اختیار کیں کہ جو غلامی اُس وقت رائج تھی وہ بھی موقوف ہو جائے +

(اول) اخلاقی - آپ نے اخلاقی طور سے تمام پیروان اسلام کو ہدایت کی کہ وہ اپنے قیدیوں[۱] یا غلاموں کو آزاد کریں کیونکہ غلام کا آزاد کرنا خدا کی نظر میں ایک بہت ہی نیک کام ہے -

۸- أَلَمْ نَجْعَل لَّهُ عَيْنَيْنِ ۝ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ ۝ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۝ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝ وَمَآ أَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝ أَوْ إِطْعٰمٌ فِى يَوْمٍ ذِى مَسْغَبَةٍ ۝ يَّتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝ (البلد ۹۰ - آیات از ۸ تا ۱۵) -

۸ - کیا ہم نے اُس کو (ایک چھوڑ) دو آنکھیں اور زبان اور دو ہونٹ نہیں دئے (بیشک دئے) اور اُس کو (نیکی اور بدی) کے دو نو رستے بھی دکھائے پھر بھی (وہ ان نعمتوں کے شکر یں) گھاٹی میں سے ہو کر نہ نکلا اور (اے پیغمبر) تم کیا سمجھے کہ گھاٹی کیا ہے۔ (گھاٹی سے مراد ہے) کسی کی گردن کا (غلامی یا قرض کے پھندے سے) چھڑا دینا۔ یا بھوک کے دن یتیم کو خاص کر جبکہ وہ اپنا رشتہ دار بھی ہو۔ یا محتاج خاک نشین کو کھانا کھلانا۔ (البلد ۹۰ - آیات از ۸ تا ۱۵) -

[۱] عبداللہ بن جدعان کے پاس مکّے میں بہت سے (۱۰۰) غلام تھے۔ جب آنحضرت صلعم نے غلاموں کی آزادی کا اعلان کیا تو اُن میں اس قدر جوش پھیلا کہ ان کو مکّہ سے نکال کر دوسری جگہ لے جانا پڑا۔

۱۷۶۔ لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ (البقرۃ۲۔ آیت ۱۷۶)

۱۷۶۔ نیکی یہی نہیں کہ نماز میں اپنا منہ (مشرق کی) طرف کرلو یا مغرب کی طرف کرو بلکہ (اصل) نیکی تو اُن کی ہے جو اللہ اور روز آخرت اور فرشتوں اور (آسمانی) کتابوں اور پیغمبروں پر ایمان لائے اور مال (عزیز) اللہ کی حُبّ پر رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو دیا اور (غلامی وغیرہ کی قید سے لوگوں کی) گردنوں (کے چھڑانے) میں دیا۔ (البقرۃ۲۔ آیت ۱۷۶)۔

(دوم) **قانونی**۔ آپ نے غلاموں کے مالکوں پر از روے قانون یہ فرض قرار دیا کہ غلام جس وقت آزادی چاہیں انہیں آزاد کردیا جائے۔

۳۳۔ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ (النور۲۴ آیہ ۳۳)

۳۳۔ اور جو لوگ نکاح (کرنے) کا مقدور نہیں رکھتے اُنکو چاہیئے کہ ضبط کریں یہاں تک کہ اللہ اُن کو اپنے فضل سے غنی کردے اور تمہارے ہاتھ کے مال (یعنی غلاموں) میں سے جو مکاتبت کے خواہاں ہوں تو تم اُن کے ساتھ مکاتبت کرلیا کرو بشرطیکہ تم اُن میں بہتری کے (آثار) پاؤ اور مال خدا میں سے جو اُس نے تم کو دے رکھا ہے اُنکو بھی دو۔ (النور۲۴ آیہ ۳۳)

آپ نے نادانستہ قتل انسان کے فدیہ میں بھی اس وقت کے موجودہ غلاموں کی آزادی کا حکم فرمایا۔

۹۲۔ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ (النساء۴۔ آیت ۹۲)

۹۲۔ اور جو مسلمان کو غلطی سے مار ڈالے تو ایک مسلمان بردہ آزاد کرے۔ (النساء۴۔ آیت ۹۲)۔

آپ نے مدّ زکوٰۃ سے غلاموں کے آزاد کرنے کے لئے ایک فنڈ قائم کیا تھا۔ اور بیت المال

سے رقم ادا کر کے غلام آزاد کیے جاتے تھے۔

۶۰۔ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰکِیْنِ وَالْعٰمِلِیْنَ عَلَیْھَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُھُمْ وَفِی الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِیْنَ وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِیْلِ ط فَرِیْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ ٥ (التوبہ ۹ آیت ۶۰)	۶۰۔ خیرات کا (مال) تو بس فقیروں کا حق ہے اور محتاجوں کا اور اس مال کے کارکنوں کا اور جن لوگوں کی تالیف قلب منظور ہے اور (غلاموں کی) گردنوں کے چھڑانے میں اور قرضداروں کے قرضہ میں اور خدا کی راہ میں اور مسافروں کی زادراہ میں یہ حقوق اللہ کے ٹھیرائے ہوئے ہیں اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ (التوبہ ۹- آیت ۶۰)۔

سوم۔ مذہبی۔ آپ نے یہ قاعدہ بھی قرار دیا کہ قسم کے کفارہ میں غلام آزاد کیے جائیں۔

۸۹۔ لَا یُؤَاخِذُکُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِیْٓ اَیْمَانِکُمْ وَلٰکِنْ یُّؤَاخِذُکُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَیْمَانَ فَکَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰکِیْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَھْلِیْکُمْ اَوْ کِسْوَتُھُمْ اَوْ تَحْرِیْرُ رَقَبَةٍ ط فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ ط ذٰلِکَ کَفَّارَةُ اَیْمَانِکُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ط وَاحْفَظُوْٓا اَیْمَانَکُمْ ط کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَکُمْ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ ٥ (المائدہ ۵ آیۃ ۸۹)	۸۹۔ تمہاری قسموں میں جو لغو ہیں خدا تم سے اُن کا کچھ مواخذہ نہ کریگا البتہ جو قسمیں واقعی ہیں اُن کا مواخذہ کریگا تو اُس کے (پورا نہ کرنے کا) کفارہ دس مسکینوں کو متوسط درجہ کا کھانا کھلا دینا ہے جیسا تم اپنے اہل وعیال کو کھلایا کرتے ہو یا اُن ہی دس مسکینوں کو کپڑے بنا دینا یا ایک بردہ آزاد کرنا اور جس کو بردہ میسر نہ ہو تو تین دن کے روزے یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب کہ تم قسم کھاؤ۔ پس اپنی قسموں کے پورا کرنے کی احتیاط رکھو۔ اس طرح اللہ اپنے احکام تم سے کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ تم اس کی شکر گزاری کرو۔ (المائدہ۔ ۵- آیت ۸۹)-

نیز ایک جھوٹی اور ناشایستہ بات کے کفارہ میں غلام آزاد کرنے کی ہدایت کی گئی جس کو اگر کوئی شوہر اپنی بیوی سے کہتا تو وہ عرب جاہلیت کے نزدیک بمنزلۂ طلاق کے

سمجھی جاتی تھی۔ جیساکہ مَیں فقرہ ۱۰۹ میں بیان کرچکا ہوں۔ یہ طریقہ بھی موقوف کیا گیا یعنے اس کو بے اثر قرار دیا گیا۔ اور اس جھوٹ بکنے کے کفارہ میں غلام آزاد کرنے کا حکم دیا گیا۔ اس بارہ میں جو آیات نازل ہوئیں وہ فقرہ (۱۰۹) میں درج ہو چکی ہیں۔

قرآن میں غلامی کے خلاف پولٹیکل (سیاسی) قانون اور مذہبی تدابیر۔

۱۲۱۔ آنحضرتؐ نے انسداد غلامی کے لئے جو مستقل یا عارضی تدابیر اختیار کیں اُن سب کا خلاصہ ذیل کے عنوانوں میں کیا جا سکتا ہے:۔

(الف) **سیاسی یا مبنی بر قوانین بین الاقوام**۔ قیدی یا تو یونہی آزاد کر دئے جائیں یا تاوان لے کر۔ اس میں قیدیوں کا تبادلہ بھی شریک ہے۔

(ب) **اخلاقی**۔ غلاموں کی آزادی ایک نیک اور پرہیزگاری کا کام بنایا گیا ہے (دیکھو البلد ۹۰۔ آیت ۱۳۔ و البقر ۲۔ آیت ۱۷۶)۔

(ج) **قانونی** (۱) غلام آزاد کئے جائیں۔ (النور ۲۴۔ آیت ۳۳)۔

(۲) نادانستہ قتل کے فدیہ میں غلام آزاد کئے جائیں۔ (النساء ۴۔ آیت ۹۲)۔

(۳) بیت المال کے مدّ زکوٰۃ سے روپیہ ادا کر کے غلام آزاد کئے جائیں۔ (التوبۃ ۹ آیت ۶۰)۔

(۴) طلاق کے ایک مذموم طریقہ کے کفارہ میں (ظہار سے مراد ہے) غلام آزاد کئے جائیں۔ (المجادلہ ۵۸۔ آیت ۳)۔

(د) **مذہبی**۔ قسم کے کفارہ میں غلام آزاد کئے جائیں۔ (المائدہ ۵۔ آیت ۸۹):۔

غلامی کے خلاف احادیث۔

۱۲۲۔ میں یہاں بعض منتخب احادیث جن کو میں نے تلاش کیا ہے نقل کروں گا۔ جس سے مجھے یہ امر دکھانا مقصود ہے کہ آنحضرت صلعم غلامی کو کس قدر بُرا سمجھتے تھے اور آپ نے ہر موقع پر کس کس طرح اس کی مذمت کی ہے۔ میں شاذو نادر ہی احادیث نقل کرتا ہوں کیونکہ مجھے اُن کی صحت پر زیادہ اعتقاد نہیں۔ اس لئے کہ وہ عموماً غیر مستند بے ثبوت اور ایک طرفہ ہوتی ہیں۔ لیکن ان لوگوں کی دلچسپی کے لئے جو حدیث کے

بہت شائق ہیں۔ ایسی احادیث کے تلاش کرنے کا کام بھی ہیں نے اپنے ذمہ لیا جو غلامی کو ناجائز قرار دینے میں قرآن کی ہم زبان ہیں۔ ان کے علاوہ وہ حدیثیں رد کر دینی چاہئیں جو غلامی یا اس کی متعلقہ خرابیوں کو تسلیم کرتی ہیں۔ کیونکہ وہ قرآن کے خلاف ہیں یا غلامی کی موقوفی سے پہلے کی ہیں۔ یا اُس وقت کی موجودہ غلامی کے متعلق ہیں جو بلاشبہ قرآن ہیں برائے نام نہ کہ درحقیقت تسلیم کرلی گئی تھی۔ اور اس لئے یہ احادیث اسلام ہیں آیندہ غلامی کے قائم رہنے کے لئے نظیر نہیں ہوسکتیں۔

حدیث اول ۱۲۳۔ (اول) امام شافعی۔ جو فقہ اسلام کے مذاہب اربعہ میں سے ایک مذہب کے بانی اور دوسری صدی کے آخری نصف سے تعلّق رکھتے ہیں (ولادت ۱۵۰ھ وفات ۲۰۴ھ) امام بیہقی ایک فاضل محدّث جو پانچویں صدی میں ہوئے (متوفی ۴۵۸ھ)۔ اور امام طبرانی نے جو چوتھی صدی کے ایک نامور محدّث ہیں (متوفی ۳۶۰ھ) دو مختلف اسناد اور جداگانہ سلسلے رواۃ سے بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلعم نے جنگ حُنین کے روز فرمایا کہ "اگر عربوں کا غلام بنانا جائز ہوتا تو آج بہت سے عرب اسیر ہوتے[1]"۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم غلامی کو ناجائز سمجھتے تھے۔ تاریخ سے بھی اس حدیث کی تصدیق ہوتی ہے۔ آنحضرت صلعم کے تمام سیرت نویسوں نے یہ بیان کیا ہے کہ آپ نے جنگ حُنین کے بعد[2] بنی ہوازن کے تمام قیدیوں کو رہا کر دیا تھا۔

میں جانتا ہوں کہ بعض مسلمان مصنّفین یہ بحث پیش کرتے ہیں کہ حدیث مذکورہ بالا کے

---

[1] وہو یشیر الی حدیث معاذ الذی اخرجہُ الشافعی والبیہقی ان النبی صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم قال یوم حنین لو کان الاسترقاق جائزًا علے العرب لکان الیوم انما ہو اسرے وفی اسنادہ الواقدی وہو ضعیف جدًا ورواہ الطبرانی من طریق اخری فیہا یزید بن عیاض اشد ضعفا من الواقدی . . . . . . پھر آگے چل کر اسی کتاب میں لکھا ہے کہ "وقول علی وفعلہ عند بعض البالغین من استرقاق ذکور العرب حجۃ" یعنی حضرت علیؓ کا قول اور عمل ان لوگوں کے نزدیک جو عرب کو غلام بنانا جائز نہیں سمجھتے حجت ہے۔ نیل الاوطار جلد ۷۔ صفحہ ۲۰۹ و ۲۱۰۔ مترجم۔

[2] میورز لائف آف محمد نیو اڈیشن صفحہ ۴۳۵۔

رواۃ میں واقدی اور یزید بن عیاض دو مشتبہ راوی ہیں۔ لیکن یہ شبہ نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے یہ حدیث بنائی یا وضع کی ہو۔ کیونکہ اگر وہ یہ حدیث وضع کرتے تو اس سے انہیں کیا حاصل تھا اور ان کی کون سی غایت اس سے پوری ہوتی تھی۔ اگر یہ حدیث غلامی کے جواز کی تائید کرتی تو البتہ واقدی اور یزید کا چال چلن اپنے اپنے سلسلے میں ناقابل اعتبار ہوتا۔ لیکن یہ راوی مثل دوسرے مسلمانوں کے عموماً اور خصوصاً غلامی کے حامی تھے اور چونکہ یہ حدیث عام خیالات کے خلاف ہے لہذا یہ شبہ کرنا کہ انہوں نے اس حدیث کے مضمون میں تصرف کیا ہے بالکل فضول ہے۔ علاوہ اس کے ہمیں صرف رُواۃ ہی پر اعتماد نہیں کرنا چاہیئے بلکہ حدیث کے مضمون پر بھی غور کرنا چاہیئے۔ قرآن سے بھی اس حدیث کے مضمون کی تائید ہوتی ہے جس کے رو سے آیندہ ہر قسم کی غلامی موقوف کر دی گئی ہے۔ (محمدؐ ۴۷۔ آیات ۴)

حدیث مذکورہ بالا کی تائید حضرت عمرؓ خلیفہ ثانی کے اس حکم سے بھی ہوتی ہے جو انہوں نے اپنے زمانۂ خلافت میں صادر فرمایا تھا کہ "کوئی عرب[1] غلام نہیں بنایا جا سکتا"۔ امام احمد بن حنبل نے حدیث مذکورہ بالا بیان کی ہے اور قرآن کریم نے بھی اپنی کتاب "تمدن مشرق" بعہد خلفا[2] میں اسے نقل کیا ہے۔

حدیث دوم

۱۲۴۔ (دوم) امام احمد بن حنبل (متوفی سنہ ۲۴۱ھ) اور ابن ابی شیبہ (متوفی سنہ ۲۳۵ھ) نے ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ "آنحضرت نے ان تمام غلاموں کو جو آپ کے پاس محاصرۂ طائف کے روز آئے آزاد کر دیا"[3و4]

---

[1] عن عمر قال لا یسترق عربی (الشافعی ق) کنز العمال ص جلد ۵ مطبوعہ حیدر آباد دکن۔
[2] دیکھو اڈنبرا ریویو نمبر ۳۱۸ بابت ماہ اپریل سنہ ۱۸۸۲ء صفحہ ۳۴۳۔
[3] دیکھو زرقانی شرح المواہب اللدنیہ للقسطلانی جلد ۳۔ صفحہ ۳۸۔
[4] عن ابن عباس قال اعتق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یوم الطائف کل من خرج الیہ من رقیق المشرکین (ش) نمبر حدیث ۵۶۱۹۔ ص ۳۰۷۔ ج ۵ کنز العمال۔ مطبوعہ حیدر آباد دکن۔ مترجم۔

جنگ حنین کے بعد جس کا ذکر گذشتہ فقرے میں کیا گیا ہے۔ دشمن کے مفرور لوگوں نے قلعہ طائف میں پناہ لی جس کا محاصرہ آنحضرت صلعم نے کر رکھا تھا۔ آپ نے یہ اعلان شائع کیا کہ جو غلام قلعہ سے آپ کے پاس آئے گا وہ آزاد کر دیا جائے گا۔[1]

سر ولیم میور زمانۂ محاصرہ طائف میں آنحضرت صلعم کے متعلق یہ تحریر کرتے ہیں:۔

"آپ نے محصورین کے پاس ایک اعلان بھیجا۔ جس سے وہ لوگ بہت ناراض ہوئے۔ اس "اعلان کا مضمون یہ تھا کہ اگر شہر سے کوئی غلام ہمارے پاس آئے گا تو وہ آزاد کر دیا جائے گا۔ "تقریباً بیس غلاموں نے اس اعلان سے فائدہ اُٹھایا اور وہ اپنے آزادی دینے والے کے "سچے اور بہادر پیرو ثابت ہوئے"۔[2]

بلاذری لکھتا ہے کہ:۔

"طائف کے بعض غلام آنحضرت صلعم کے پاس چلے آئے۔ اُن میں سے سب سے پہلے ابوبکرہ "بن مسروح (جس کا نام نفیع تھا) اور ایک رومی غلام ازرق آئے۔ اس کی اولاد ازارقہ "کہلاتی ہے۔ یہ ذات کا لوہار تھا۔ یہ نافع بن ازرق خارجی کے نام سے بھی مشہور ہے۔ یہ "لوگ آنحضرتؐ کے پاس آئے اور آزاد کر دئے گئے"۔[3]

آپ کے اس اعلان حریت نشان سے بہت سے غلاموں نے فائدہ اُٹھایا۔ بخاری کا بیان ہے کہ پیغمبر صلعم کے پاس تیئیس غلام آئے اور سب نے آزادی حاصل کی۔ ابوداؤد نے ایک اَور شخص کا نام بھی لیا ہے جو بعد میں معلوم ہوا اور جس کا نام ابوبکرہ (ٹوکری والا) پڑ گیا تھا۔ کیونکہ وہ ایک عجیب ترکیب سے قلعہ کی دیوار سے ٹوکری لٹکا کر نیچے اُتر آیا۔ واقدی نے ایسے غلاموں کی تعداد جنہوں نے آزادی حاصل کی نو بتائی ہے۔ اور مغلطائی نے تیرہ۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم غلامی کو جائز نہیں سمجھتے تھے ورنہ وہ دوسرے لوگوں کے غلاموں کو آزاد کرنے میں اپنے آپ

[1] زرقانی (ج ۳۔ ص ۳۷) میں یہ واقعہ بروایت ابن اسحٰق و واقدی وغیرہ درج ہے اور زاد المعاد (ج ۱۔ صفحہ ۴۴۶) مصنفہ حافظ ابن القیم میں بروایت ابن سعد۔

[2] میور ز لائف آف محمد۔ صفحہ ۴۴۳۔ نیو اڈیشن۔ [3] فتوح البلدان بلاذری مطبوعہ یورپ سنہ ۱۸۶۶ء۔ صفحہ ۵۵ و ۵۶۔ ہم نے اصل عربی سے ترجمہ کیا ہے۔ مترجم اُردو۔

کو کس طرح مجاز خیال کرتے۔ از روئے قانون عرب و فقہ اسلام ایک مفرور غلام یا ایسا غلام جو اسلام قبول کرلے آزادی کا حق نہیں رکھتا۔[1]

حدیث سوم

۱۲۵۔ (سوم) ابوداؤد (ولادت ۲۰۲ وفات ۲۷۵ ہجری) ترمذی (ولادت ۲۰۹ وفات ۲۷۹ ہجری) اور حاکم نیشاپوری (ولادت ۳۲۱ وفات ۴۰۵ ہجری) نے بیان کیا ہے کہ "جنگ حدیبیہ کے دن صلح سے پہلے دو غلام آنحضرت صلعم کے پاس آئے۔ ان کے مالکوں نے یہ عذر کیا کہ یہ غلام کچھ رغبت سے آپ کے پاس نہیں آئے ہیں بلکہ غلامی کے خوف سے بھاگ نکلے ہیں۔ حاضرین نے بھی اس کی تصدیق کی۔ لیکن آنحضرت صلعم نے اُن غلاموں کو واپس دینے سے انکار کیا اور فرمایا کہ "یہ خدا کے آزاد مرد ہیں"۔[2]

پہلی حدیث کی طرح اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلعم غلامی کو جائز خیال نہیں فرماتے تھے۔ لیکن فقہ اسلام اس کے بالکل خلاف ہے۔ حنفی یہ کہتے ہیں کہ اگر ایک غیر مسلم غلام مسلمان بھی ہو جائے تب بھی وہ اپنے آقا ہی کی ملک ہے۔[3]

۱۲۶۔ مسلمان فقیہ یہ کہیں گے کہ ایک غلام اپنے مالک سے سرکشی کرکے یعنے مالک کی بلا اجازت و منظوری بھاگ جانے اور دارالحرب سے پار ہو جانے یا اپنے مالک کے حدود ارضی سے باہر چلے جانے سے اپنا مختار یا بالفاظ دیگر خود اپنا مالک ہو جاتا ہے۔ اور یہ ایک ایسا حق ہے جو اُسے پہلے حاصل نہ تھا۔ لیکن ان میں سے کوئی سی وجہ بھی قوی نہیں

[1] دیکھو فتح القدیر شرح ہدایہ مؤلفہ ابن ہمام۔ جلد ۲۔ صفحہ ۴۲۷۔ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ۔ اور عنایہ شرح ہدایہ مصنفہ اکمل الدین (جلد ۲ صفحہ ۸۵۲۔ م کلکتہ)۔

[2] وعن علی قال خرج عبدان الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یعنی یوم الحدیبیۃ قبل الصلح فکتب الیہ موالیہم فقالوا واللہ یا محمد ما خرجوا الیک رغبۃ فی دینک وانما خرجوا ہربا من الرق فقال ناس صدقوا یا رسول اللہ ردہم الیہم فغضب رسول اللہ صلعم وقال ما اراکم تنتہون یا معشر قریش حتی یبعث اللہ علیکم من یضرب رقابکم علی ہذا وابی ان یردہم وقال ہم عتقاء اللہ عز وجل۔ (رواہ ابوداؤد) نیل الاوطار جلد ۷۔ صفحہ ۲۱۲۔ مطبوعہ مصر۔ مترجم۔

[3] دیکھو الغرۃ المنیفہ فی ترجیح مذہب ابی حنیفہ صفحہ ۲۷۔

ہے۔ کیونکہ نہ تو آنحضرت صلعم کے یہ خیالات تھے۔ اور نہ کبھی آپ نے ایسی تعلیم دی۔

پہلی وجہ میں یہ ضعف ہے کہ چونکہ غلام ایک دوسرے شخص کی مِلک ہے۔ اگر وہ اس کے پاس سے بھاگ جائے اور اس طرح آپ اپنا مالک بن جائے تو گویا وہ ایک دوسرے شخص کی ملک کو غصب کرتا ہے جو اس کا حقیقی مالک ہے۔ فقہ کی اصطلاح میں ایسا غلام کبھی اپنا مالک نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ غاصب ہے۔

دوسری وجہ بھی ضعیف ہے۔ کیونکہ اگر مفرور غلام کفار کی حدود سے نکل کر اسلامی حدود میں آجائے۔ یا اس کے برعکس کرے۔ تو اس فعل سے از روئے قانون اس پر سے مالکانہ حق زائل نہیں ہو سکتا۔ ایسی صورت میں فقہ کا حکم یہ ہے کہ :۔

"اگر غلام (کسی ضرورت سے) اپنے مالک (حربی) کی اجازت سے یا جبکہ مالک کے ساتھ
"امن سے رہتا ہو اسلامی کیمپ (دار الاسلام) میں آجائے (اور اسلام قبول کرلے) تو اُسے
"حق آزادی حاصل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ برخلاف اس کے وہ بیچ دیا جائے گا۔ اور اس کی قیمت
"بحق مالک (حربی) جمع کر دی جائے گی"۔[1]

اسی طرح اگر مسلمان مالک کا مسلمان غلام اسلامی حدود یا دار الاسلام سے نکل جائے تو اُسے آزادی کا حق حاصل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ وہ لاوارث کہلائے گا۔ اور جو شخص اس پر قابض ہو جائے گا وہی اس کا مالک ہو گا۔ امام ابو حنیفہؒ کے دونو شاگردوں کی فقہی رائے یہی ہے۔[2]

حدیث چہارم ۱۲۷۔ چہارم۔ حافظ ابو الحسن دارقطنی (ولادت ۳۰۶ وفات ۳۸۶ ہجری) اور امام احمد بن حنبل نے بیان کیا ہے کہ جب زید بن ارقمؓ کی ایک ام ولد نے حضرت عائشہؓ کو یہ اطلاع دی کہ اُس نے ایک غلام زید بن ارقم کے ہاتھ (۸۰۰) درہم اُدھار پر بیچا

[1] دیکھو رد المحتار۔ مطبوعہ مصر۔ جلد ۳۔ صفحہ ۳۸۱۔ جامع الرموز۔ صفحہ ۵۴۹۔ و چلپی بر مختصر شرح وقایہ۔
نوٹ۔ قوس میں جو الفاظ درج ہیں وہ اصل عربی رد المختار سے ترجمہ کئے گئے ہیں۔ ورنہ اصل اقتباس کتب محولہ کا مجموعی طور سے ماحصل ہے۔ مترجم۔
[2] ہدایہ مترجمہ سی ہملٹن جلد ۲۔ صفحہ ۱۸۸۔ ۱۹۰۔

ہے۔ اور پھر اسی سے (۶۰۰) درہم نقد ادا کر کے خرید لیا ہے تو حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا کہ اول تو اس کا بیچنا ہی بُرا تھا اور پھر دوبارہ اس کا خریدنا اس سے بھی بدتر ہوا۔ اور یہ حکم دیا کہ زید سے کہہ دو کہ جب تک وہ توبہ نہ کرے گا تو اس کے وہ تمام مساعی اکارت جائیں گی جو پیغمبرؐ کے ساتھ انجام دی ہیں[1]۔ غلامی کے خلاف یہ ایک بہت بڑی قوی دلیل ہے۔ حضرت عائشہ رضؓ نے بڑی سختی سے اس کی مذمت کی اور زید کو اطلاع دی کہ اس نے پیغمبر خدا کے ساتھ جتنی مساعی جمیلہ کی تھیں وہ سب اس کی اس بیع وشرے سے زائل ہو گئیں۔ کیونکہ وہ اس بارے میں پیغمبر خدا صلعم کے خیالات سے خوب واقف تھیں۔ جو فقہا یہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضؓ نے ایک شئے کو اُدھار بیچنے اور پھر اسی کو کم قیمت پر خرید لینے کی مذمت کی تھی اُن کا یہ عذر محض ایک عذر لنگ ہے۔ امام شافعی ایسی خرید و فروخت کی اجازت دیتے ہیں۔ اور اس کو بُرا کہنا قرین عقل بھی نہیں معلوم ہوتا۔

حدیث پنجم

۱۲۸۔ پنجم۔ بخاری (ولادت ۱۹۴۔ وفات ۲۵۶ ہجری) نے بیان کیا ہے۔ کہ پیغمبر خدا صلعم اپنی بیوی[2] ام سلمہ رضؓ کے پاس تشریف لائے۔ اس وقت ایک خواجہ سرا ام سلمہ رضؓ کے قریب بیٹھا ہوا ان کے بھائی سے یہ کہہ رہا تھا "اگر طائف کل فتح ہو گیا۔ تو بنت غیلان کو (میں بتاؤں گا اُسے) تم (اپنی لونڈی بنانے کے لئے) لے لینا۔ پیغمبر صلعم نے یہ سُن کر فرمایا کہ ایسے آدمی تمہارے پاس نہ آیا کریں"۔

اس سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلعم کو غلامی یا غلام لڑکیوں کا رکھنا کیسا ناگوار

---

[1] عن امراۃ ابی سفیان سالت عائشۃ فقلت بعت زید بن ارقم جاریۃ ابی العطاء بثمان مایۃ وابتغتہا منہ بستمایۃ فقالت عائشۃ رضؓ بئس واللہ ما اشتریت ابلغی زید بن ارقم انہ قد ابطل جہادہ مع رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم الا ان یتوب۔ کنز العمال کتاب البیوع ج ۲۔ صفحہ ۲۳۳۔ مطبوعہ حیدر آباد۔ مترجم۔

[2] ان فتح اللہ علیکم الطائف غداً فعلیک بابنۃ غیلان" فقال النبی صلعم لا یدخلن ہؤلاء علیکن۔ صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوہ طائف یا تیسیر الباری پارہ ۱۷۔ صفحہ ۵۷۔ مترجم۔

گذرتا تھا۔

تاریخ سے ہمیں یہ معلوم ہوا ہے کہ یہ خواجہ سرا ہمیشہ کے لئے خارج البلد کر دیا گیا تھا۔ اور وہ جنگلوں میں بسر کرتا تھا۔ اُسے ہفتہ میں صرف ایک بار جمعہ کے روز بھیک مانگنے کے لئے شہر میں آنے کی اجازت تھی۔ اور یہ اجازت بھی حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں اسکی ناتوانی وضعف پر رحم کھا کے دی تھی۔[1]

حدیث بست و ششم

۲۹ بست و ششم۔ بخاری نے ابو سعید خدریؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک روز وہ پیغمبر صلعم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک شخص آیا اور اُس نے لونڈیوں کے متعلق اپنی عادت کو بیان کیا۔ پیغمبر خدا نے (تعجب سے) فرمایا کہ "تم ایسا کرتے ہو؟ تمہیں تم پر لازم ہے کہ ایسا نہ کرو۔ کیونکہ جس جان کے لئے خدا نے یہ قرار دیا ہے کہ وہ باہر آئے تو وہ ضرور باہر آکر رہے گی۔"[2]

آنحضرت صلعم نے اس موقع پر صاف طور سے تسرّی اور تجارت غلامی کی مذمت فرمائی

---

[1] قسطلانی جلد ۶۔ صفحہ ۲۳۲۔ اس مخنث کا نام ہیت تھا۔

[2] عن ابی سعید الخدری ۔ ۔ ۔ قال انا نصیب سبیاً فکیف تری فی العزل فقال او انکم تفعلون ذلک لا علیکم ان لاتفعلوا ذلکم فانہا لیست نسمۃ کتب اللہ ان تخرج الا ہی خارجۃ۔

تشریح۔ قولہ لاعلیکم ان لاتفعلوا لیس عدم الفعل واجباً علیکم (لا علیکم ان لاتفعلوا) اس سے یہ مراد ہے کہ اس فعل کا ترک کرنا تم پر واجب نہیں ہے۔ وقال المبرد کلمۃ لا زائدۃ ای لا باس علیکم فی فعلہ۔ مبرد کا قول ہے کہ "تفعلوا" سے پہلے "لا" ایک کلمہ زائد ہے۔ پس اس کے یہ معنے ہیں کہ تمہارے لئے اس فعل کے کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ واما من لم یجوز العزل فقال لا نفی لما سئلوہ و علیکم ان لاتفعلوا کلام مستانف موکد لہ۔ لیکن جو عزل کو ناجائز کہتے ہیں ان کا قول ہے کہ "لا" بطور نفی سوال کے ارشاد ہوا ہے۔ اور "علیکم ان لاتفعلوا" ایک کلام مستانفہ بطور تاکید نفی فرمایا گیا ہے۔ دیکھو عینی مطبوعہ قسطنطنیہ۔ جلد ۵۔ صفحہ ۵۹۸۔ مترجم۔

(استدلال علامہ مصنف مرحوم) (۱) جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث مسئلہ عزل کے متعلق ہے "تو یہ الفاظ حدیث کے صریح خلاف ہے"۔ کیونکہ او انکم تفعلون ذلک اور لاتفعلوا سے ظاہر ہے کہ جس فعل کی سائل نے بالفعل کرنے کی خبر دی تھی اسی کو منع کیا گیا۔ اس نے یہی کہا تھا کہ "ہم لونڈیوں کے ساتھ سوتے ہیں۔ یہ نہیں کہا تھا کہ ہم عزل بھی کرتے ہیں۔ (۲) اگر "لا" کے بعد لفظ "حرج" مقدر تسلیم کیا جائے (دیکھو صفحہ ۵۴)

ہے۔ عام فقہا نے بڑا زور لگایا ہے کہ اپنے شوق تسرّی کو آنحضرت صلعم کے اس ارشاد کے مطابق ثابت کریں لیکن ان کی یہ زحمت بے فائدہ گئی۔ کیونکہ وہ اس حدیث کو کسی طرح مشتبہ نہیں ٹھیرا سکتے۔ جو احادیث کی سب سے صحیح اور معتبر کتاب صحیح بخاری میں درج ہے بعض فقہا کا یہ قول ہے کہ اس حدیث میں دوسرا "لا" زائد ہے۔ لیکن یہ ایک ضعیف استدلال ہے۔

حدیث ہفتم

۱۳۰- (ہفتم) ابوداؤد (ولادت ۲۰۲ وفات ۲۷۵ ہجری) نے بیان کیا ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے ایک جنگ میں ایک عورت کو حاملہ دیکھا۔ آپ نے اُس کے ساتھی کی طرف اشارہ کر کے ان لوگوں سے جو پاس کھڑے تھے پوچھا کہ "کیا اس شخص نے اس عورت کو اپنی لونڈی بنا کر یعنے سرّیہ کے طور پر رکھا تھا"؟ لوگوں نے جواب دیا "ہاں"۔ پیغمبر صلعم نے فرمایا "میں نے اس پر ایسی لعنت بھیجی ہے جو اس کے ساتھ قبر تک جائیگی۔ وہ کیونکر اپنی اولاد کو وارث قرار دے گا کیونکہ وہ اس کی جائز اولاد نہیں ہے؟ کیونکر اس سے کوئی کام لے گا۔ کیونکہ وہ اس کا جائز فرزند نہیں ہے"۔[1]

یہ سب سے زیادہ صاف اور صریح اور سب سے زیادہ سخت مذمّت غلامی اور تسرّی کی ہے۔

حدیث ہشتم

۱۳۱- ہشتم۔ امام احمد بن حنبل اور طبرانی نے بیان کیا ہے کہ ایک شخص زنبہ نامی نے اپنے غلام کے ساتھ بدسلوکی کی۔ غلام نے آنحضرت صلعم سے شکایت کی۔ آپ نے فوراً اُسے آزاد کر دیا اور کہا "جا تو آزاد ہے"۔ آزاد شدہ غلام نے پوچھا اب میرا سرپرست

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۳) تب بھی ہمارے مفید ہے "جس کا یہ مفہوم ہوگا کہ اس کا کرنا گناہ ہے" (۲) جو لوگ لا کو زائد مانتے ہیں "یہ صریح تحریف ہے اس لئے کہ ایک لفظ موجود ہے اور فرض کر لیتے ہیں کہ نہیں ہے"۔ نوٹ:- یہ استدلال مصنف کے ایک مضمون سے نقل کیا ہے جو اُن کی وفات کے بعد حیدر آباد کے رسالہ افسر میں طبع ہوا تھا۔

[1] عن ابی الدرداء ان رسول اللہ کان فی غزوۃ فرای امراۃ مجحاً فقال لعل صاحبھا الم بھا قال لقد ھممت ان العنہ لعنۃ تدخل معہ فی قبرہ کیف یورثہ وھو لا یحل لہ کیف یستخدمہ وھو لا یحل لہ - سنن ابوداؤد کتاب النکاح - باب وطی السبایا - صفحہ ۲۱۳ - مطبوعہ مصر -

کون ہوگا؟ آپ نے فرمایا "خدا اور اس کا رسول"۔ آپ نے تمام مسلمانوں سے فرمایا کہ اس شخص کی امداد کرو۔

حدیث نہم

۱۳۲۔ نہم۔ ابوداؤد اور ابن ماجہ نے شعبی سے روایت کی ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلعم کے پاس روتا ہوا آیا اور اپنے آقا کی بدسلوکی کی شکایت کی۔ آنحضرت صلعم نے آقا کو بلا بھیجا لیکن وہ نہیں آیا۔ تب آنحضرت ص نے غلام سے خطاب کر کے کہا "جا تو آزاد ہے"۔ آزاد شدہ غلام نے پوچھا "اگر میرے آقا نے پھر مجھے غلام بنا لیا تو میری مدد کون کرے گا"۔ آپ نے فرمایا "ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ تیری مدد کرے"۔

حدیث دہم

۱۳۳۔ دہم۔ مسلم نے ابومسعود البدری سے روایت کی ہے کہ وہ اپنے غلام کو پیٹ رہا تھا کہ اس نے پیچھے سے ایک آواز سنی۔ دیکھتا کیا ہے کہ پیغمبر خدا صلعم کہہ رہے ہیں "خدا تجھ سے کہیں قوی ہے جتنا کہ تو اس جوان شخص سے ہے" ابومسعودؓ نے جواب دیا "میں نے خدا کے لئے اسے آزاد کیا"۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا "اگر تو ایسا نہ کرتا تو دوزخ کی آگ تجھے جلاتی"۔[۱] اب اگر آنحضرت صلعم غلامی کو جائز سمجھتے تو کبھی دوسروں کے غلاموں کو آزاد نہ کرتے۔ ورنہ اس کے یہ معنے ہوتے کہ آپ دوسروں کے املاک کو تلف کرتے تھے۔

آنحضرت صلعم کو غلامی سے نفرت تھی۔

۱۳۴۔ یہ فقہا کا صرف حیلہ ہے جو وہ کہتے ہیں کہ جب غلام سے ظالمانہ سلوک کیا جائے تو وہ آزاد کر دیا جائے۔ یہ قید آنحضرت صلعم کے عام اصول اور عمل اور تعلیم کے منشا کے خلاف ہے۔ آپ نے تو یہاں تک تاکید فرمائی ہے کہ مالک اپنے غلام کے تھپڑ مارے تو اسے آزاد کر دیا جائے۔ ابوداؤد اور مسلم[۲] نے ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ اس نے

---

[۱] عن ابی مسعود الانصاری قال کنت اضرب غلاماً لی فسمعت من خلفی صوتاً اعلم ابامسعود للہ اقدر علیک منک علیہ فالتفت فاذا ھو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فقلت یا رسول اللہ ھو حر لوجہ اللہ فقال اما لو لم تفعل للفحتک النار (مسلم)
یہ حدیث بحار الانوار جلد ۱۶ صفحہ ۱۴۱ میں بھی درج ہے۔ اور اس کے علاوہ اسی مضمون کی ایک اور حدیث حضرت ابوعبداللہ سے بنی فہد کے ایک غلام کے متعلق درج ہے۔

[۲] عن ابن عمرؓ قال سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من ضرب غلاماً حداً لم یاتہ اولطمہ فان کفارتہ ان یعتقہ۔

پیغمبر خدا صلعم کو یہ کہتے سُنا کہ جو کوئی اپنے غلام کو تھپڑ مارتا ہے یا اُسے پیٹتا ہے تو اُس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ اس غلام کو آزاد کردے۔"

مسلم ابو داؤد اور ترمذی نے سوید بن مقرن سے روایت کی ہے کہ اس[1] نے کہا کہ "ہمارے خاندان مقرن کے پاس ایک باندی ہے۔ اور ہم میں سے ایک نے اس کے تھپڑ مارا اس کی خبر آنحضرت صلعم کو پہنچی۔ تو آپ نے حکم دیا۔ کہ اُسے آزاد کر دیا جائے۔

مذکورہ بالا دس احادیث سے ظاہر ہے کہ آنحضرت صلعم کو غلامی اور تسری سے سخت نفرت تھی۔

۱۳۵۔ علاوہ ان احادیث کے آنحضرت صلعم نے چند اور بھی ایسے جزئی قانون وضع کئے تھے جن کی رو سے بعض حالات میں غلاموں کو فوراً آزادی کا حق حاصل ہو جاتا تھا۔

دوسرے خفیف مگر ضروری تدابیر جو آنحضرت صلعم غلامی کے خلاف عمل میں لائے

ان میں سب سے مقدم غلامی اور تسری کی موقوفی کے متعلق ایک سخت تدبیر یہ تھی کہ آنحضرت صلعم نے یہ واجب قرار دے دیا تھا کہ اگر کوئی باندی اپنے مالک سے حاملہ ہو جائے یا اس سے کوئی اولاد ہو جائے۔ یا اسقاط ہی کیوں نہ ہو جائے۔ یا مُردہ بچہ ہی کیوں نہ پیدا ہو تب بھی وہ باندی اس واقعہ کے بعد فی الفور آزاد ہو جائے گی[2]۔

ابن ماجہ اور دارقطنی نے ابن عباس رضؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلعم نے ایک باندی ام ابراہیم کا حوالہ دے کر فرمایا کہ" اس کے بیٹے نے اُسے آزاد کرا دیا"۔ جس کے یہ معنے تھے کہ غلامی کی حالت میں اس کے مالک سے اس کے ایک بیٹا پیدا ہوا۔ اور اس لئے اُسے آزادی مل گئی[3]۔

بیہقی نے ام ابراہیم کے متعلق ایک اور حدیث بیان کی ہے۔ وہ لکھتا ہے۔ کہ

---

[1] عن سوید بن المقرن المزنی لقد رأیتنا سبع اخوۃ مالنا خادم الا واحدۃ فلطمہا احدنا فامرنا النبی صلعم ان نعتقہا۔ جامع ترمذی م دہلی جلد اول صفحہ ۱۸۶۔ مترجم۔

[2] ام الولد حرۃ وان کان سقطا۔ کنز العمال باب استیلاد۔ مطبوعہ حیدر آباد۔ مترجم۔

[3] عن ابن عباس رضؓ قال ذکرت ام ابراہیم عند رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فقال اعتقہا ولدہا۔ رواہ ابن ماجہ و الدارقطنی مطبوعہ مصر۔ جلد ۵۔ صفحہ ۲۷۲۔ مترجم۔

آنحضرت صلعم نے ام ابراہیم سے فرمایا کہ "تیرے بیٹے نے تجھے آزادی دلوائی"[۱]

ابتداءً یہ اسلامی قانون کسی قیود اور شرائط سے جکڑا ہوا نہ تھا۔ اور آنحضرت صلعم کے زمانے میں اس پر دوسری طرح عمل ہوتا تھا۔ لیکن آپ کے بعد اکثر صحابہ نے ایسی سریّہ (باندی) کا بیع و شراے ناجائز قرار دیا جس کے اولاد ہو چکی ہو۔ حضرت عمر رضؓ نے اپنے عہد میں اس کے متعلق بہت شدید احکام نافذ فرمائے۔ فقہ اسلامی میں یہ قانون اس شرط اور قید کے ساتھ درج ہے کہ ام ولد صرف مالک کی وفات کے بعد آزاد ہوتی ہے۔ لیکن مالک کی زندگی میں اُسی طرح اس کی غلام رہتی ہے۔ اگرچہ وہ اسے بیچ نہیں سکتا۔ لیکن یہ صورت آنحضرت صلعم کے قانون کے منشاء کے خلاف ہے۔ بعض احادیث کی نسبت یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ان میں یہ شرط پائی جاتی ہے کہ ام ولد اپنے مالک کی وفات کے بعد آزاد ہوتی ہے۔ یہ حدیثیں اُن لوگوں سے روایت کی گئی ہیں جو اس کے فروخت کو ناجائز خیال کرتے تھے۔ آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد صحابہ رضؓ میں ایک اُم ولد کے متعلق بحث پیش ہوئی۔ انہوں نے آنحضرت صلعم کے قول کو تو بھلا دیا اور بحث صرف اس مسئلہ پر آپڑی کہ اس کا مالک اسے فروخت کرسکتا ہے یا نہیں۔ کثرت راے سے آخری صورت پر فیصلہ ہوا۔ اور بعد ازاں یہی فقہی مسئلہ ہوگیا۔ اور یہ طے پایا کہ وہ مالک کی موت کے بعد ہی آزاد ہوتی ہے۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ صحابہ کی نہایت مسلمہ رائے اور خود آنحضرت صلعم کی اصل حدیث جس کا مقصد یہ تھا کہ بچّہ تولد ہوتے ہی سریّہ (باندی) فی الفور آزاد ہو جاتی ہے اب معرض بحث میں پڑ گئی ہے۔[۲]

غلاموں کی فوری آزادی۔

۱۳۶۔ پیغمبر خدا صلعم کا ایک اور قانون یہ تھا کہ جب کبھی کوئی غلام ایسے شخص کی ملک

[۱] ولہ طرق اخری رواہ البیہقی عن عبد اللہ بن جعفر ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم قال لام ابراہیم اعتقک ولدک۔ نیل الاوطار۔ مطبوعہ مصر۔ جلد ۵۔ صفحہ ۲۷۲۔ مترجم۔

[۲] دیکھو عینی مطبوعہ قسطنطنیہ باب ام ولد صفحہ ۲۱۷ سے صفحہ ۲۱۹ تک تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ نیل الاوطار جلد ۵ صفحہ ۲۷۲۔ مطبوعہ مصر۔

ہو جائے جو اس کا قریبی رشتہ دار ہو تو وہ فوراً آزاد ہو جاتا ہے۔ بخاری مسلم۔ ابو داؤد۔ ابن ماجہ اور ترمذی نے سمرہ[1] رضی اللہ عنہ سے اس کے متعلق ایک حدیث روایت کی ہے۔ اس مضمون کی ایک دوسری حدیث نسائی۔ ترمذی۔ ابن ماجہ اور حاکم نے بھی بروایت ابن عمرؓ بیان کی ہے۔

۱۳۷۔ فقہ اسلامی میں بعض صورتیں ایسی ہیں جن میں غلام خود بخود آزاد ہو جاتا ہے وہ حسب ذیل ہیں:۔

(۱) اگر کوئی غلام مطلق (قِنّ) خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم اور خواہ مسلم کی ملک ہو یا غیر مسلم کی + اسلامی ملک سے بھاگ کر مخالفین اسلام کی حدود ارضی میں چلا جائے تو بوجہ تبدیل حدود ارضی آزاد ہو جاتا ہے[2]۔ امام ابو حنیفہ کی رائے میں اگر کسی مسلمان کے مفرور غلام کو غیر ملک والے پکڑ لیں تو وہ آزاد ہو جاتا ہے۔ لیکن ان کے دونو شاگرد اس مسئلہ میں امام صاحب سے متفق نہیں ہیں۔ ان کی رائے میں جو غلام اس طرح پکڑ لیا جائے۔ وہ پکڑنے والے کی ملک ہو جاتا ہے۔

(۲) اگر کوئی مُستامن (وہ غیر شخص جو اسلامی ملک میں پناہ گزین ہو) کسی مسلمان غلام کو اسلامی ملک میں خرید لے اور اُسے اپنے ملک یعنی کفار مخالفین اسلام کے حدود میں لے جائے تو یہ غلام تبدیل حدود ارضی کے ساتھ ہی آزاد ہو جاتا ہے[3]۔ یہ امام ابو حنیفہ کی رائے ہے۔ مگر اُن کے شاگرد اس مسئلہ میں بھی اُن سے متفق نہیں ہیں۔

---

[1] عن سمرۃ بن جندب قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من ملک ذا رحم محرم فهو حرٌ۔ بخاری۔
وقال الترمذی عن سمرۃ من ملک ذا رحم محرم فهو حرٌ۔
قال النسائی عن سمرۃ من ملک ذا رحم محرم فهو حرٌ۔
وقال ابن ماجہ عن سمرۃ بن جندب من ملک ذا رحم محرم فهو حرٌ۔
قال ابن حزم ہذا خبر صحیح تقوم بہ الحجۃ کل من رواہ ثقات۔
عینی جلد ۶۔ مطبوعہ قسطنطنیہ صفحہ ۲۲۲۔ وجامع ترمذی مطبوعہ دہلی جلد ۱ صفحہ ۱۶۳۔ مترجم۔

[2] لظہور یدہ علی نفسہ بالخروج من دارنا فلم یبق محلا للملک۔ متن رد المحتار مطبوعہ مصر۔ صفحہ ۳۸۰۔ مترجم۔

[3] وعتق عبد مسلم او ذمی۔ ۔ شراہ مستامن ہہنا ادخلہ دارہم اقامۃ لتباین الدارین مقام الاعتاق۔ متن رد المحتار صفحہ ۳۸۰ مطبوعہ مصر [illegible] صفحہ ۲۸۸ - مترجم

(۳)[ل] جب مسلمان کسی اسلامی ملک میں بزور شمشیر داخل ہوں اور کسی مسلم یا غیر مسلم غلام کو پکڑ لے جائیں اور اس کے بعد وہ غلام کسی غیر اسلامی حدود میں بھاگ جائے تو وہ بوجہ تبدیل ملک آزاد ہو جاتا ہے۔

(۴) جب کوئی غیر مسلم غلام کسی غیر ملک میں اسلام قبول کرے اور پھر اسلامی ملک میں چلا آوے تو وہ بھی آزاد ہے۔

(۵) اگر کوئی ایسا غلام اسلامی فوج میں شریک ہو جائے تب بھی آزاد ہو جاتا ہے اگرچہ اُس کا یہ فعل مخالفین اسلام کے ملک میں ہی کیوں نہ واقع ہوا ہو۔

(۶) اگر کسی ایسے غلام کو مسلم یا غیر مسلم ذمی یا حربی مخالفین اسلام کے ملک میں خریدے تو وہ بھی آزاد ہو جاتا ہے۔ کیونکہ مالک اس کے فروخت کرنے سے اپنے حق مالکانہ سے دست بردار ہو جاتا ہے۔ اور غلامی دراصل اصول اسلام کے خلاف ہے۔ لہذا غلام آزاد ہو جاتا ہے۔ یہ امام ابو حنیفہ رضؓ کی رائے ہے۔ لیکن ان کے شاگردوں کی رائے میں یہ تو مسلم مسلمان خریدار کی ملک ہو جائے گا۔

(۷) اگر ایک ایسا ہی غلام فروخت کرنے کے لئے پیش کیا جائے۔ لیکن بیع عمل میں نہ آئے۔ تو وہ بھی بوجہ مذکورہ بالا آزاد ہے۔

(۸) اگر کوئی غلام دار الحرب میں اسلام قبول کرے اور مسلمان اس ملک کو فتح کر لیں تو وہ بھی آزاد ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ وہ اسلامی حفاظت میں آگیا ہے۔

(۹) اگر کوئی غلام اپنے ذی محرم رشتہ دار کی ملک ہو جائے۔ تو وہ بھی فوراً آزاد

[ل] وہ کل صورتیں جن میں غلام خود بخود آزاد ہو جاتا ہے۔ رد المحتار شرح درّ مختار میں تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہیں بنظر اختصار صرف متن کی عبارت درج کی جاتی ہے۔

کعبد لهم اسلم ثمه فجاء نا الی دارنا او الی عسکرنا ثمه او اشتراه مسلم او ذمی او حربی ثمه او عرضه علی البیع و ان لم یقبل المشتری (بحر) او ظهرنا علیهم ففی هذه التسع صور یعتق العبد بلا اعتاق ولا ولاء لاحد علیه لان هذا عتق حکمی (درر) متن رد المحتار صفحہ ۳۸۱ مطبوعہ مصر۔ نیز دیکھو غایۃ الاوطار صفحہ ۴۸۸ مترجم۔

ہو جاتا ہے[1]۔

(۱۰) استیلاد۔ اگر کسی سریّہ کے اولاد ہو جائے تو وہ مالک کے انتقال پر آزاد ہو جاتی ہے[2]

(۱۱) جب کوئی سریّہ آزاد ہو جائے تو جو بچّہ اس کے بطن میں ہے وہ بھی آزاد ہو جائیگا[3]

(۱۲) اگر کسی سریّہ سے کوئی بیٹا پیدا ہو۔ اور مالک اُسے اپنا بیٹا بھی تسلیم کرے۔ تو وہ بھی آزاد ہو جاتا ہے۔

(۱۳) اگر کسی شخص کی منکوحہ سریّہ ام ولد ہو جائے۔ اور وہ اُسے اُس کے مالک سے خرید لے۔ تو وہ بھی اُس کے انتقال کے بعد آزاد ہو جاتی ہے[4]۔

غلامی میں اضافہ کا ایک دوسرا ذریعہ۔

۱۳۸۔ ایک دوسرا بڑا ذریعہ جس سے غلامی کو سرسبزی اور شادابی حاصل ہوتی ہے وہ سرایا (باندیوں) کی اولاد ہے۔ ایک سریّہ کی اولاد جو غلام سے ہو۔ یا کسی ایسے حرّ (آزاد شخص) سے ہو جو اس باندی کا مالک نہ ہو۔ یا خود مالک کے صلب سے ہو مگر وہ اس کو اپنی اولاد تسلیم نہ کرتا ہو۔ تو اس قسم کی اولاد پر بھی خط غلامی جاری ہوتا ہے۔ جو اولاد باندی کے بطن اور غلام کے صلب سے پیدا ہوئی ہو۔ خواہ یہ غلام باندی کے آقا کا مملوک ہو یا کسی دوسرے شخص کا۔ اور یا اولاد کسی آزاد شخص سے پیدا ہوئی۔ ان سب صورتوں میں وہ باندی کے مالک کی ملک ہوگی۔ فقہ کا یہ مسئلہ رومن[5] لا سے لیا گیا ہے کہ اولاد بلحاظ غلامی ماں کی حالت کے تابع ہوتی ہے[6]۔ اس کے علاوہ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جو بچّہ ماں کے پیٹ میں ہے اس کی حالت بھی ماں کی حالت کے مطابق ہوتی ہے۔ یہ ایک کمزور قانون ہے

---

[1] دیکھو فقرہ ۱۳۶۔ اور اردو در مختار مسمی بہ غایۃ الاوطار صفحہ ۲۹۱۔

[2] دیکھو فقرہ ۱۳۵۔ [3] در مختار اردو صفحہ ۲۸۷۔

[4] غایۃ الاوطار باب استیلاد۔ صفحہ ۳۲۰۔

[5] رومن لا میں لفظاً "قانونی" کے ایک خاص مفہوم کے مطابق غلام شادی کرنیکے مجاز نہ تھے۔ باندی کی اولاد لازمی طور سے غلام ہوتی تھی ہینڈ بُز انسٹیٹیوشنز آف جسٹینین صفحہ ۱۴۔ لیکیز ہسٹری آف یورپین مارلز۔ جلد ۱۔ صفحہ ۳۰۳۔

[6] ہدایہ باب العتاق مترجمہ ہملٹن جلد ۱۔ در مختار باب عتاق۔ جامع الرموز باب جہاد۔ رد المحتار جلد ۳ صفحہ ۱۲ اور ۲۴۶۔ تحفۃ المحتاج اور بیلیز ڈائجسٹ آف محمدن لا صفحہ ۳۶۳۔

اور کوئی معقول دلائل اس کے تائید میں نہیں ہیں۔ بلکہ خلاف عقل اور قانون قدرت کے مخالف ہے۔ اس کے ضعف کی دو وجوہ ہیں۔ پہلی وجہ یہ ہے کہ فقہ کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ "اولادِ آدم فطرۃً حُر ہے"[1]۔ اور یہ کہ "غلام قانون ملکیت کے لحاظ سے اپنے مالک کا مملوک ہے نہ کہ ازروئے قانون قدرت"[2] (اسلامی قانون بین الاقوام ہیں) انسان کی حفاظت جان اُس کے تبدیل مذہب پر مبنی نہیں ہے بلکہ اُس کی ایذا دہی فطرۃً ناجائز ہے"[3] اور یہ کہ ایک آزاد مسلمان اور ایک آزاد ذمی پر کسی کی ملکیت جاری نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ وہ فطرۃً مصئون و مامون ہے"[4]۔ اور نیز یہ کہ "عصمت مؤثمہ (وہ فطری استحقاق حفاظت جان جس سے تعرض کرنا گناہ ہے) کا تعلق اسلام سے نہیں بلکہ انسان سے ہے"[5]۔ اور یہ حفاظت انسانیت کی حمایت میں ہے[6]۔ ان سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ باندی یا غلام کی اولاد فطرۃً آزاد ہونی چاہیئے۔

غلاموں کی اولاد غلام نہیں ہو سکتی

۱۳۹۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ اصول کہ "جنین کی حالت ماں کی حالت کے تابع ہے" ایک قانونی سفسطہ ہے۔ یہ بچہ ماں کا جز نہیں ہے بلکہ اس سے الگ ہے۔ خصوصاً پیدا ہونے کے بعد تو وہ ماں کا جزو ہو ہی نہیں سکتا۔ اور نہ اس کی حالت ماں کی حالت کے تابع ہو سکتی ہے۔ کیونکہ فقہ خود اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ سریّہ (باندی) کے جنین کی حرّیت قانوناً جائز ہے اور وہ قبل تولد بھی آزاد ہو سکتا ہے[7]۔ لہٰذا ماں کی وجہ سے

---

[1] ہدایہ کتاب ۹ باب غنیمت مترجمہ ہملٹن جلد ۲۔ صفحہ ۱۷۱۔

[2] بیلیز ڈائجسٹ آف محمڈن لا۔ صفحہ ۳۶۳۔

[3] ہدایہ مترجمہ ہملٹن جلد ۲ صفحہ ۱۷۲

[4] ایضاً 〃 〃 ۱۸۸

[5] ایضاً 〃 〃 ۲۰۱

[6] ایضاً 〃 〃 ۲۱۷۔ یہ بحث اسی کتاب کے حصہ اول فقرہ (۲۱) میں مفصل آچکی ہے۔ مترجم۔

[7] ہدایہ میں لکھا ہے کہ "اگر مالک صرف جنین کو آزاد کرے اور ماں کو نہ کرے تو صرف جنین آزاد ہوگا (جنین دلجاظ آزادی غلام) ماں سے جدا ہے۔ ہدایہ جلد ۱۔ صفحہ ۴۳۵۔ مطبوعہ مصطفائی۔

اسے غلام تصور کرنا غلط ہے۔ وہ اصولاً اور فطرۃً آزاد ہے۔

رومن لا اور شرع اسلامی کا مقابلہ

۴۰ ا۔ فقیہوں نے اس مسئلہ میں رومن لا کی پیروی کرنے میں بہت بڑی غلطی کی ہے۔ رومن لا نے غلاموں کی شادی کو ناجائز قرار دیا ہے اور اس لئے سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ سریّہ (باندی) کی بدقسمت اولاد بھی غلام رکھی جائے۔ بخلاف اس کے فقہ اسلام نے غلاموں کی شادی جائز قرار دی ہے۔ ایک آزاد مرد یا عورت کی شادی باندی یا غلام کے ساتھ جائز ہے پس ایسی حالت میں اس کی ضرورت نہیں ہے کہ سریّہ کی اولاد ایک عیب دار انسان یا کسی غلط اصول کے تابع کی جائے۔ شادی بیاہ اور طلاق کے مسئلہ میں غلام اور آزاد دونو برابر ہیں[1]۔ لہذا غلام اور سریّہ دونو کی اولاد قانوناً اور فطرۃً آزاد تسلیم کرنی چاہیئے۔

۴۱ ا۔ اس مسئلہ سے کہ اولاد اپنی ماں کی حالت کے تابع ہوتی ہے بہت سے نتائج مستنبط ہوتے ہیں۔ مفصلہ ذیل صورتوں میں باندیوں کی اولاد ماں کی حالت کے تابع ہوتی ہے:۔

۱۔ حق مالکانہ۔

۲۔ اسیری یا غلامی۔

۳۔ حرّیت۔

۴۔ عتاق۔ (غلامی سے آزادی پانا)۔

۵۔ کتابت۔ (غلام سے معاوضہ لے کر آزاد کرنا)۔

۶۔ تدبیر۔ (مالک کا اپنی وفات کے بعد آزادی کو مشروط کرنا)۔

۷۔ استیلاد۔ (سریّہ کا امّ ولد ہونے کے بعد آزاد ہونا)۔

۸۔ رہن۔

[1] غلاموں کی شادی کے متعلق قرآن کے احکام فقرہ ۱۵۲ میں درج کئے گئے ہیں۔

٩۔قرضہ۔

١٠۔استرداد۔

١١۔سریان ملک۔

ایک آزاد شخص کی اولاد جو باندی سے ہو کسی طرح غلام نہیں ہو سکتی۔ اس قاعدہ کے مطابق کہ جہاں دو مخالفوں میں مصالحت دشوار ہو تو کم زور ہی کو مغلوب ہونا پڑتا ہے لہذا جہاں آزاد اور غلام کی اولاد کے بارے میں غلامی اور آزادی کا مقابلہ آ پڑے۔ تو آزادی کا غلبہ ہونا چاہیئے۔کیونکہ آزادی قوی ہے۔

ازروئے قرآن اسلام اور غلامی کا اجتماع ناممکن ہے۔

١٤٢۔فقہ اسلامی کے لئے یہ بڑی شرم ناک بات ہے کہ وہ غلامی کے طوق کو ایک ایسے مسلمان سے جدا نہیں کرتا جو بدقسمتی سے اسلام قبول کرنے سے قبل غلام تھا۔ پھر اسلام سے کیا حاصل اگر وہ غلامی کی خیالی ظالمانہ اور جابرانہ آفت سے بھی اپنے پیروؤں کو نہ بچا سکے۔ فقہ اسلام کا ایک اصول یہ ہے کہ کوئی مسلمان فطرۃً غلام نہیں بنایا جا سکتا[١] لیکن فقہ اس بات کو جائز رکھتا ہے کہ ایک ایسا شخص جو بحالت غلامی اسلام لایا ہو۔ وہ خود تمام عمر اور اُس کی اولاد نسلاً بعد نسلٍ غلام رہے۔

"ایک مسلمان (اصلاً تو نہیں لیکن) دوسرے شخص کی زبردستی سے غلام ہو سکتا ہے" (ہدایہ ترجمہ ہملٹن جلد ا صفحہ ١٧١) اگر مسلمان کا ایک کافر غلام مسلمان ہو جائے تو وہ آزاد نہیں ہوتا۔ خواہ یہ صورت غیر اسلامی ملک میں واقع ہو یا اسلامی ملک میں۔

یہاں تک کہ ازروئے فقہ ایک مسلمان غلام کو جو کسی اسلامی ملک میں بھاگ کر چلا آئے۔ پناہ نہیں دی جا سکتی۔ جب تک کہ وہ اپنے مالک سے لڑ کر علانیہ مخالفت سے نہ چلا آیا ہو۔ صرف اُس کا زبردستی اپنے مالک کی اطاعت سے نکلنا اور دار الحرب سے چلا

[١] ایک شخص جو ابتداءً مسلمان ہے غلام نہیں ہو سکتا۔کیونکہ اسلام میں اس کی ممانعت ہے۔ہدایہ مطبوعہ مصطفائی جلد٢۔صفحہ ٥٥١۔ و ہدایہ ہملٹن جلد٢۔صفحہ ١٧٠۔

آنا ہی اس کو آزاد کر سکتا ہے نہ یہ کہ اسلام قبول کرنے سے وہ آزادی کا مستحق ہوتا ہے

فقہ میں صرف اس قدر رعایت ہے کہ اگر ایک غیر ملک کا غلام مسلمان ہو جائے اور اپنے مالک کی مرضی کے خلاف اسلامی ملک میں چلا آئے یا اسلامی لشکر میں آجائے یا اگر مسلمان اس کے ملک کو فتح کرلیں تو وہ ان صورتوں میں آزادی کا مستحق ہو جاتا ہے لیکن یہ سب شرائط فضول ہیں۔ خود اسلامی فقہ کے رو سے اسلام ایسے غلام کو جو مسلمان ہو گیا ہے محض قبول اسلام کی وجہ سے آزادی نہیں دے سکتا۔ جب تک کہ قبول اسلام کے ساتھ دیگر حالات جو اسلام سے زیادہ قوی ظاہر کئے جاتے ہیں شریک نہ ہوں[1]۔

اس کے علاوہ فقہ نے مسلم کو غیر مسلم کا غلام یا ملک ہونا جائز رکھا ہے۔ اگر کوئی مالک اپنے غلام کے ساتھ ہے۔ یا وہ اپنے غلام سے پہلے اسلام قبول کر چکا ہے۔ تو اس صورت میں کسی غلام کا مخالف کے ملک سے نکل کر اسلامی ملک میں آنا اور اس کے ساتھ ہی اسلام قبول کر لینا اُس کی آزادی کا سبب نہیں ہو سکتا۔ باوجود تغیر مذہب و ملک غلام ہر حالت میں غلام کا غلام ہی رہے گا۔

اقتباس از سر ولیم میور و تحدید۔

۳۱۴ - سر ولیم میور لکھتے ہیں کہ :-

"احکام قرآن کے رو سے کفار کے خلاف جنگ کرنا چاہیئے۔ لڑنے والے مرد تو قتل کر دئے جائیں
"اور عورتیں اور بچے غلام بنا لئے جائیں۔
"کفار کے خلاف جنگ کے ساتھ غلامی کی ایسی بلا لگی ہوئی ہے جو اگرچہ بہت نرم اور مشروط شکل میں ہے لیکن اسکی
"مہلک گرفت مغرور مالک اور بدنصیب غلام دونوں کے لئے کچھ کم سخت نہیں ہے اور جب تک جنگ و جدال باقی ہے
"نہ صرف موجودہ غلاموں کی کثیر جماعت اور انکی اولاد کے ذریعہ سے یہ بلا قائم و دائم رہیگی بلکہ انکی جماعت میں ہمیشہ اضافہ ہوتا
رہیگا۔ قرآن کا وحشیانہ اور غلامانہ جوش گو یورپ کے طعن و تشنیع کے سامنے دب جاتا ہے مگر مرا نہیں[2]"

---

[1] مذہب ظاہریہ کے رو سے جب غلام مسلمان ہو جاتا ہے تو خواہ کفار کے ملک سے آئے یا نہ آئے وہ آزاد ہو جاتا ہے۔ دیکھو فتح القدیر شرح ہدایہ جلد ۲ صفحہ ۳۸۳۔ مطبوعہ نول کشور لکھنؤ۔ ظاہریہ مذہب کا بانی ایک شخص داؤد تیسری صدی میں ہوا ہے اور آٹھویں صدی میں یہ مذہب معدوم ہو گیا۔

[2] قرآن اٹس کمپوزیشن اینڈ ٹیچنگ اینڈ دی ٹسٹی منی اٹ بیرز ٹو دی ہولی سکرپچرز مولفہ سر ولیم میور کے سی۔ ایس۔ آئی۔ ال ال ڈی صفحہ ۵۷ و ۵۹ مطبوعہ لندن ۱۸۷۸ء۔

سرولیم میور کا یہ بیان اور یہ الزام قرآن کے خلاف نہ صرف صداقت ہی سے خالی ہے بلکہ اُس کی صاف وصریح تعلیم کے بالکل خلاف ہے۔ کیونکہ قرآن نہایت سادہ اور بیّن اور روشن الفاظ میں یہ حکم دیتا ہے کہ جنگ کے قیدی یا تو مطلق آزاد کردئے جائیں یا تاوان لیکے چھوڑ دئے جائیں۔ قرآن نے یہ کہیں حکم نہیں دیا کہ لڑنے والوں کو قتل کر دیا جائے اور عورتوں بچّوں کو غلام بنا لیا جائے۔ میں سرولیم میور کو تحدیہ (چیلنج) کرتا ہوں کہ وہ سارے قرآن میں سے اپنے بیان کی تائید میں کوئی ایک آیت ہی پیش کریں۔ میں اس سے پیشتر فقرہ (۱۱۹) میں سورۂ محمد ۴۷ کی چوتھی اور پانچویں آیت نقل کر چکا ہوں۔ اور اب پھر وہی آیتیں آسانی کے خیال سے قرآن کے مختلف انگریزی ترجموں سے لکھتا ہوں۔

"جب تمہارا کفار سے مقابلہ ہو تو تم ان کے سر قلم کر دو یہاں تک کہ تم اُن میں بڑا کُشت وخون کرو
" اور باقیوں کے بیڑیاں ڈالدو"۔ (آیت ۴ مترجمہ ریورنڈ راڈول)
" اور بعد ازاں آزادی بلاتاوان یا تاوان لیکر دی جائے یہاں تک کہ جنگ اپنا بوجھ ڈال
" دے۔ اسی طرح کرو"۔ (آیت ۵ مترجمہ ریورنڈ راڈول)
"جب تمہارا مقابلہ ان سے ہو جو ایمان نہیں لائے تو ان کے سر کاٹ ڈالو یہاں تک کہ تم
" اُن کو قتل کر ڈالو اور مضبوط بیڑیاں ڈال دو"۔
"پھر یا تو بالکل بغیر تاوان کے آزاد کر دو یا تاوان لے کر۔ یہاں تک کہ جنگ اپنا بوجھ ڈالدے
" (مترجمہ ہنری پامر)
"جب تم کفار سے مقابلہ کرو تو اُن کے سر کاٹ ڈالو یہاں تک کہ تم ان میں خوب کشت وخون کرو
" اور اُن کو بیڑیاں باندھو۔ اور پھر یا تو بلاتاوان آزادی بخش دو یا تاوان لیکر۔ یہاں تک کہ
" جنگ اپنے ہتیار رکھ دے"۔ (مترجمہ جارج سیل)

میں خیال کرتا ہوں یا تو سرولیم میور ان آیات سے بالکل ناواقف تھے جو ایک ایسے نکتہ چین کے لئے جو قرآن کے متعلق اس قدر وسیع علم ظاہر کرتا ہے بہت ہی نامناسب ہے، یا انہوں نے جان بوجھ کر اُن پر پردہ ڈال دیا ہے جو جہل سے بدتر ہے۔ لیکن قرآن پر ایسا توہین آمیز الزام قائم کرنا تو اُس سے بھی بدتر ہے۔ میں جانتا ہوں کہ حنفی اور شافعی فقہا میں اس کے متعلق اختلاف ہے لیکن وہ اختلاف آیات کے معانی میں نہیں بلکہ

اس کے منسوخ ہونے یا نہ ہونے کی نسبت ہے - اور اس بحث کا تعلق فقہی فرقوں سے ہے - سر ولیم میور حنفی یا شافعی رایوں کے متعلق بحث نہیں کر رہے تھے - بلکہ اُن کی بحث کا موضوع قرآن اور صرف قرآن تھا - انصاف اور ایمان کے معنے یہ ہیں کہ انہیں ہرگز یہ لازم نہ تھا کہ وہ ان آیات پر پردہ ڈال دیتے اور نہ اُنہیں یہ چاہیئے تھا کہ قرآن پر باطل اور بے بنیاد الزامات قائم کرتے -

آنحضرت صلعم کی تمام لڑائیاں اپنی حفاظت کے لئے تھیں

۱۴۴ - سر ولیم میور یہ کہتے ہیں کہ اسلام میں غلامی جنگ کے ساتھ ساتھ ہے - لیکن در اصل آنحضرت ؐ کے تمام غزوات کی غرض اپنی اور اپنے تابعین کی حفاظت تھی - ان بیکسوں پر قریش نے طرح طرح سے مظالم توڑے - اُنہیں اُن کے گھروں سے بے گھر کیا' یہ لڑائیاں اُس وقت لڑی گئیں جب کہ مکہ کی سرزمین سے اُن کا حق توطن - حق آزادی - حق ایمان - اور حق حفاظت جان و مال چھینا گیا - اور جب کہ قریش کے دیکھا دیکھی بدوی قبائل بھی اُن کی مخالفت پر اُٹھ کھڑے ہوئے - اور مسلمانوں کے مامن یعنی مدینہ پر حملے کرنے لگے - بلکہ درحقیقت اس پر فوج کشی کی اور اس کا محاصرہ کر لیا - تو یہ معرکہ آرائیاں محض بغرض حفاظت کی گئیں - اور کامل غور و فکر اور تنقیح کے بعد معلوم ہوگا کہ ان جنگوں کے قیدیوں میں سے ایک متنفس بھی غلام نہیں بنایا گیا - بلکہ بخلاف اس کے یا تو تاوان لیکے چھوڑ دئے گئے - جیسا کہ جنگ بدر میں ہوا - یا بلا کسی شرط و تاوان کے آزاد کر دئے گئے - جیسا کہ غزوات مریسیع - بطن - مکہ اور حنین وغیرہ میں واقع ہوا - میں نے اپنی ایک دوسری کتاب میں جس کا نام "آل وارس آف محمد ورڈی فنسیو (محمد صلعم کی تمام لڑائیاں مدافعانہ تھیں) ہے[1] غزوات اور اسیران جنگ کی آزادی کا ذکر بالتفصیل لکھا ہے -

اخیر میں میں اپنے بے تعصب ناظرین کی خدمت میں سوال کرتا ہوں کہ آیا سر ولیم میور

[1] یہ کتاب تھیکر سپنک اینڈ کمپنی مقام کلکتہ کے ہاں زیر طبع ہے - چراغ علی - یہ کتاب زمانہ ہوا چھپ چکی ہے اور امعان نظر اور تحقیق حق میں اپنا نظیر نہیں رکھتی - مولوی عبد اللہ خاں صاحب پبلشر کتاب ہذا کی فرمایش سے اس کا اردو ترجمہ بھی رفاہ عام سٹیم پریس لاہور میں زیر طبع ہے - اُردو ترجمہ کا نام "تحقیق الجہاد" ہے - مترجم -

اپنے اس قول میں حق بجانب ہیں کہ "قرآن کا وحشیانہ اور استبدادانہ جوش یورپ کے طعن و تشنیع کے آگے دب جاتا ہے"۔ یا یہ بات حق بجانب ہے کہ قرآن نے ساتویں صدی عیسوی میں اُس وقت غلامی کی بیخ کنی کی جب کہ تمام یورپ اور ساری مسیحی دنیا میں غلامی جاری اور جائز سمجھی جاتی تھی۔

آنحضرت صلعم نے سورۂ محمد ۴۷ کی چوتھی اور پانچویں آیت پر ہمیشہ عمل کیا۔ اور اس کی پوری پوری پابندی کرتے رہے۔ جب سے یہ آیتیں نازل ہوئیں کبھی کوئی اسیر جنگ غلام نہیں بنایا گیا۔ آپ تاوان کے مقابلہ میں غیر مشروط آزادی کو ہمیشہ ترجیح دیتے تھے۔ اور کبھی تاوان لینے پر زور نہیں دیتے تھے۔ چونکہ قران میں آیندہ غلاموں کی آزادی اور خلاصی کا حکم بلا کسی شرط و تاوان کے آچکا تھا۔ لہذا تاوان کے مقابلہ میں غیر مشروط آزادی کو زیادہ ترجیح و تقدیم حاصل تھی۔

"ابو عبیدہ نے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلعم نے جنگ بدر کے بعد کبھی تاوان کا روپیہ نہیں لیا
"یا تو آپ قیدیوں کو آزاد کر دیتے تھے یا تبادلہ کر لیتے تھے"۔
"سہیلی نے بیان کیا ہے کہ آپ کا یہ عمل قرآن کے ان الفاظ پر تھا کہ 'تم چاہتے ہو مال دنیا کا الخ
"(الانفال ۸ آیت ۶۸) یعنے تاوان اگرچہ یہ بھی جائز تھا لیکن اس کے بعد آپ کا جو عمل درآمد رہا وہ
"یہ تھا کہ یا تو بلا تاوان آزادی دیدی جاتی تھی یا تبادلہ میں قیدی دے دئے جاتے تھے یہی عمل
"سب سے زیادہ قابل ترجیح ہے۔ کیا تم نص قرآن میں نہیں دیکھتے کہ 'یا تو احسان رکھ کر چھوڑ دو یا
"تاوان لے کے آزاد کردو' چونکہ آیت میں 'تحریر بالمن' کا ذکر 'تحریر بالفدیہ' سے پہلے کیا گیا ہے۔
"لہذا پیغمبر خدا بلا تاوان چھوڑنے کو ترجیح دیتے تھے"[1]

غلامی کے موقوف کرنے میں محمد صلعم کا درجہ سب سے اعلیٰ ہے۔

۱۴۵۔ ریورنڈ مسٹر ٹی۔ پی۔ ہیوز کا مفصلہ ذیل خیال بالکل صحیح نہیں ہے۔

"غلامی تعلیم اسلام کے عین مطابق ہے لیکن مذہب عیسوی کو غلامی سے تنفر ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ
"محمد صلعم نے عرب کی جاہلیت کی غلامی میں کچھ اصلاح کی لیکن اس میں بھی شبہ نہیں کہ شارع عرب کا منشا
"غلامی کو ہمیشہ قائم رکھنے کا تھا"[2]

[1] دیکھو زرقانی کی شرح مواہب اللدنیہ جلد ۲۔ صفحہ ۴۴۳ و ۴۴۵۔ مطبوعہ مصر۔
[2] نوٹس آن محمد ازم۔ مولفہ ریورنڈ ٹی۔ پی۔ ہیوز بی۔ ایم۔ ایس سکنڈ اڈیشن صفحہ ۱۹۵۔

یہ صرف کل کی بات ہے کہ مذہب عیسوی غلامی کو نفرت کی نگاہ سے دیکھنے لگا ہے۔ حالانکہ اُنیسویں صدی تک تمام عیسائی دنیا میں غلامی جائز سمجھی جاتی تھی۔ وہ صرف اسلام یا قرآن ہے جس نے غلامی کا قلع وقمع کیا۔ اس کے اصلی سرچشمے یعنی اسیران جنگ کے استرقاق کو مسدود کیا۔ قبل اسلام کے فلاسفہ، انبیا اور معلمین میں سے کسی کا نام نہیں بتایا جاسکتا جن کے دل میں آیندہ انسداد غلامی تک کا خیال بھی آیا ہو۔ یا اُس وقت کی موجودہ غلامی میں کچھ اصلاح ہی کی ہو۔ حضرت موسےٰ ؑ نے صرف غلامی کی اجازت ہی نہیں دی بلکہ اُسے عین مطابق احکام الٰہی قرار دیا۔ حضرت عیسےٰ ؑ نے کبھی ایک لفظ اس کے خلاف میں نہیں کہا۔ اور سینٹ پال نے بھی اس کے جواز کو تسلیم کیا[1]۔ یہ صرف محمد صلعم تھے جنہوں نے ساتویں صدی عیسوی میں غلامی کو موقوف کیا۔ اور اس وقت کی موجودہ غلامی کی حالت میں اصلاح کی۔ بلکہ ایسی ایسی سیاسی قانونی، اخلاقی، مذہبی اور عملی تدابیر اختیار کیں (دیکھو فقرات ۱۲۰-۱۲۲) جن کی رو سے آیندہ کی غلامی فوراً موقوف ہو جائے۔ اور موجودہ غلاموں کی تعداد رفتہ رفتہ بالکل کم ہو جاوے آپ نے غلامی کی ہر شاخ کے متعلق ایسے سیاسی، قانونی، اخلاقی اور مذہبی قوانین جاری کیے جن کے رو سے موجودہ غلاموں کو آزادی و رہائی مل سکے۔ لیکن آپ نے کوئی ایسا قانون نہیں بنایا جس کی مدد سے نئے غلام بنائے جاسکیں۔

عملی طور سے بھی آپ نے جنگ کے تمام قیدیوں کو جو آیندہ[2] غلام بننے والے تھے آزاد

---

[1] "جتنے غلام جوئے کے نیچے ہیں وہ اپنے اپنے مالکوں کو کمال عزت کے لائق جانیں تاکہ خدا کا نام اور تعلیم بدنام نہ ہو اور جن کے مالک ایمان دار ہیں تو وہ اپنے آقا کو بھائی ہونے کی وجہ سے حقیر نہ جانیں۔ بلکہ اس لئے زیادہ تر اُن کی خدمت کریں کہ فائدہ اُٹھانے والے ایماندار اور عزیز ہیں۔ ان باتوں کی تعلیم دیں اور نصیحت کریں۔" تمو تھی پہلا خط باب ۶۔ درس ۱ و ۲ "اے غلامو جو جسم کی رو سے تمہارے مالک ہیں سب باتوں میں اُن کا حکم مانو۔" کلوسیوں باب ۳۔ ورس ۲۲۔

[2] کتاب مقدس میں غلاموں کی سے لئے لفظ سَروِی (یعنے غلام اور اس لفظ کے ابتدائی معنے زندہ رہنے کے ہیں) استعمال کیا گیا ہے اس لئے کہ سردار ان لشکر اپنے اپنے قیدیوں کو بیچ دینے کا حکم دیتے تھے اور اس طور سے ان کو زندہ رہنے دیتے تھے اور ہلاک نہیں کرتے تھے۔ نیز غلاموں کے لئے لفظ مَن سی اَپی (بردہ) بھی آیا ہے کیونکہ وہ دشمن سے بزور حاصل کئے گئے ہیں۔ دی انسٹی ٹیوٹس آف جسٹینین بای تھامس کولٹ سینڈرس ایم اے مطبوعہ لندن سنہ ۱۸۷۴ء۔

کر دیا۔ اور اکثر کو بلا کسی شرط کے آزادی عطا فرمائی۔ اور صرف دو ایک موقعوں پر قیدیوں کے تبادلہ کی صورت میں تاوان لیا۔ آپ نے کبھی کسی اسیر جنگ کو غلام نہیں بنایا اور نہ آپ نے کبھی کوئی غلام خریدا۔ لہذا یہ کہنا کہ آپ کا یہ منشا تھا کہ "غلامی کا نظام دواماً قائم رہے" ہرگز صحیح نہیں ہے۔

قرآن نے غلامی کو موقوف کیا

۴۶۔ مسٹر ہیوز نے اس مضمون کی ایک حدیث نقل کی ہے کہ ایک شخص نے اپنی وفات کے وقت اپنے چھ غلاموں کو آزاد کیا۔ اس کے پاس سوائے ان غلاموں کے اور کوئی ملک نہ تھی۔ مگر آنحضرت صلعم نے حکم دیا کہ دو تو آزاد کر دئے جائیں اور باقی چار ویسے ہی غلام رہیں۔ اس حدیث کو اگر صحیح بھی مان لیا جائے۔ کیونکہ میں نے اُس کے رُوات کے حالات اور چال چلن کی تنقیح نہیں کی ہے۔ تو اس سے یہ کیسے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کا یہ منشا تھا کہ "غلامی کا نظام دواماً قائم رکھا جائے"۔ کیونکہ آیندہ غلامی کی بیخ کنی تو قرآن (سورہ محمد۔ ۴۷) کے صاف وصریح الفاظ میں قطعاً ہو چکی ہے۔

صرف اس وقت کی موجودہ غلامی کی رواداری کی گئی اور وہ بھی نہایت ہی کم اور شاذ مواقع پر۔ یہاں تک کہ بعض تدابیر ایسی اختیار کی گئیں جن سے اس وقت کی موجودہ غلامی بھی رفتہ رفتہ بالکل موقوف ہو جائے۔ ریورنڈ مسٹر ہیوز نے جابرؓ سے یہ نقل کیا ہے کہ اس نے کہا کہ "ہم پیغمبر خدا اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں اُمہات الاولاد کو (ایسی باندیاں جن کے مالک سے اولاد ہوئی ہو) بیچ دیا کرتے تھے۔ لیکن حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ میں اس کی ممانعت کر دی"۔ اس واقعہ کو اس دعوے سے کیا تعلق کہ پیغمبر اسلام کا یہ منشا تھا کہ "غلامی دواماً قائم رکھی جائے"۔ ممکن ہے کہ جابرؓ اپنے نیچے بھی بیچ دیتا ہو مگر یہ آنحضرت صلعم کی اجازت اور منظوری سے نہ تھا۔ کیونکہ انسداد غلامی کی سب سے مقدم تدابیر میں سے ایک یہ تدبیر بھی تھی کہ آپ نے اُن سراریا (باندیوں) کے فروخت کرنے کی ممانعت کر دی تھی جو اپنے مالکوں سے اُم ولد ہو چکی ہوں۔ ممکن ہے کہ جابرؓ نے یہ فعل چوری چھپے سے کیا ہو اور آپ کی سرزنش

سے بچ گیا ہو۔ اور حضرت عمرؓ نے اس قانون کی تعمیل میں سختی اور تشدد کیا ہو۔ مسٹر میور نے اخلاق جلالی سے بھی سند پیش کی ہے کہ خدمت کے لئے مرد آزاد سے غلام قابل ترجیح ہے۔ مگر یہ کوئی مستند سند نہیں ہے۔

مذہب عیسوی نے غلامی کو اُبھارا ہے

۱۴۷۔ ریورنڈ مسٹر ٹی پی ہیوز لکھتے ہیں کہ:۔

"اگرچہ غلامی مذہب عیسوی کے پہلو بہ پہلو رہی ہے۔ لیکن اس میں بھی کچھ شبہ نہیں کہ یہ ہمارے خداوند کی تعلیم کے خلاف ہے۔ کیونکہ انہوں نے دنیا کو عام اخوۃ کی اعلےٰ تعلیم دی ہے۔"[۱]

میں نہیں خیال کرتا کہ حضرت عیسےٰؑ نے غلامی کے خلاف کبھی ایک لفظ بھی کہا ہو۔ یا کبھی آپ کے دل میں اس کا خیال بھی آیا ہو۔ اور سینٹ پال نے تو برخلاف اس کے غلام اور آقا کے فرائض کے متعلق یک طرفہ فیصلہ کیا ہے (دیکھو کالوشینز باب ۳۔ آیت ۲۲۔ ٹموتھی خط اول باب ۶۔ آیت ۱ و ۲)۔

ریورنڈ مسٹر ہیوز اور لیکی۔

۱۴۸۔ ریورنڈ مسٹر ہیوز نے لیکی سے ایک عبارت نقل کی ہے جو یہ ہے:۔

"اس بارہ میں مذہب عیسوی کی خدمات تین قسم کی تھیں۔ ایک تو اس نے تعلقات کا ایک نیا سلسلہ قائم کیا۔ جس میں مختلف طبقات کا کوئی امتیاز نہ تھا۔ اس نے طبقہ غلامان میں ایک اخلاقی شان پیدا کر دی۔ اور آزادی کے خیال میں بے نظیر اعانت کی"۔

لیکن مسٹر ہیوز لیکی کی ایک دوسری عبارت لکھنی بھول گئے۔ جہاں وہ کہتا ہے کہ:۔

"غلامی جو یہودی الیسی نیز کی ایک خاص خصوصیت تھی اس کی ممانعت یا موروثی غلامی کا عدم جواز مذہبی تعلیم میں شریک نہیں تھا۔ مذہب عیسوی نے غلامی کو صاف و صریح اور باضابطہ طور پر تسلیم کیا ہے کسی مذہب نے اطاعت اور مطلق العنان فرماں برداری کی عادت کو اس قدر تقویت نہیں دی جتنی کہ مذہب عیسوی نے۔ بے شبہ بزرگان دین انسان کی فطری مساوات۔ غلاموں کی مواخاۃ اور جبر و ظلم کی مذمت میں بہت کچھ فرماتے تھے لیکن یہ باتیں کم از کم اسی زور کے ساتھ سنیکا اور اپک ٹی ٹس بھی کہہ چکے تھے۔ اگرچہ وہ اس قدر دور دور تک نہیں پھیلی تھی۔ ان غیر مسیحی مصنفین نے تمام انسانوں کی ابتدائی آزادی کا بارہا اعتراف اور ذکر کیا ہے"۔[۲]

---

[۱] نوٹس آن محمڈن ازم مؤلفہ ریورنڈ ٹی پی ہیوز سی۔ ایم۔ ایس دوسرا ایڈیشن صفحہ ۱۹۶ و ۱۹۷۔ [۲] (ملاحظہ ہو صفحہ ۷۱)

اسلام کی غلامی کے متعلق باسورتھ اسمتھ کی رائے۔

۱۴۹ مسٹر باسورتھ اسمتھ اسلام کی غلامی کے متعلق حسب ذیل تحریر کرتے ہیں :-

"اب ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ غلامی کی نسبت اسلام نے کیا کیا؟ اس میں بھی بلاشبہ ترقی اور اصلاح ہوئی۔ اس کی ترقی اور اصلاح بہ نسبت عورتوں کی اصلاح کے زیادہ قطعی تھی۔ محمد صلعم نے غلامی کو بالکل موقوف نہیں کیا۔ کیونکہ اس وقت عربوں کی حالت ایسی تھی کہ نہ تو ایسا کرنا ممکن تھا اور نہ مناسب لیکن آپ نے لوگوں کو غلاموں کے آزاد کرنے کی ترغیب دلائی۔ آپ نے یہ اصول قرار دیا کہ جو قیدی اسلام قبول کرے وہ آزاد ہے۔ اس سے زیادہ قابل تعریف یہ بات کی۔ کہ اگر آزاد شدہ عزت و ایمانداری کی زندگی بسر کرتا ہے۔ تو وہ ذلیل نہ سمجھا جائے۔ اور غلاموں کے بارے میں آپ نے یہ ہدایت کی کہ ان سے مہربانی اور نرمی کا برتاؤ کیا جائے[۱]۔ آپ نے اپنے خطبہ منیٰ میں جو وفات سے ایک سال قبل دیا تھا فرمایا کہ دیکھو غلاموں کو وُہی کھانا کھلاؤ جو خود تم کھاتے ہو اور ویسا ہی کپڑا پہناؤ جو خود تم پہنتے ہو۔ کیونکہ وہ بھی خدا کے بندے ہیں۔ ان کو کوئی ایذا نہ دینی چاہیئے +

"ایک غلام جس کی قانوناً اور مذہباً اس طرح حفاظت کی گئی ہو وہ زمانہ حال کے مفہوم غلامی کی رو سے غلام نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں یہ امر قابل غور ہے کہ قرآن میں یہ لفظ تک کہیں نہیں آیا۔ بلکہ اُس سے جو جملہ "تمہارے دائیں ہاتھ کی ملک" استعمال ہوا ہے۔ اس کے معنے جائز اسیران جنگ اور محروم الحریت اشخاص ہیں۔ ایسے قیدی مسلمان ہو جانے کی صورت میں آزاد کر دئے جاتے تھے۔ اور اگر وہ اپنے مذہب پر قائم رہتے۔ تب بھی وہ آنحضرت صلعم کی اس تعلیم کے بموجب جو انہوں نے اپنے پیروؤں کو دی اُن کے بھائی خیال کئے جاتے تھے کہ جو مالک اپنے غلاموں سے مہربانی کا برتاؤ کرے گا وہ خدا کا برگزیدہ بندہ ہے۔ اور جو کوئی اپنی قوت کو بُری طرح استعمال کرے گا وہ جنت میں داخل نہ ہونے پائے گا۔ آنحضرت صلعم سے کسی نے پوچھا "اگر کوئی نوکر مجھے ناخوش کرے تو مجھے کتنی دفعہ اُسے معاف کرنا چاہیئے"۔ آپ نے جواب دیا۔ "دن میں ستر بار"۔ مثل ہر نیم شایستہ قوم کے سردار کے محمد صلعم نے بھی قیدی عورتوں کو باندیاں بنانے کی اجازت دی ہے۔ لیکن جو باندی اپنے مالک سے ام ولد ہو جاتی نہ تو وہ اپنی اولاد سے جدا کی جاتی تھی۔ اور نہ دوبارہ فروخت کی جا سکتی تھی۔ بلکہ مالک کے انتقال پر آزاد ہو جاتی تھی یہ ہمدردانہ شرائط اُسی قسم کے ہیں جیسی حضرت موسےٰ ؑ کی شریعت میں پائی جاتی ہیں۔ لیکن یہ شرائط بہت سی باتوں میں موسےٰ ؑ کی شریعت سے زیادہ قابل ترجیح ہیں۔ اور ان میں زیادہ اصلاح اور

(نوٹ صفحہ ۷۰) یہ امر قابل غور ہے کہ قدیم بزرگان مذہب عیسوی نے نیز زمانہ حال کے حامیان غلامی نے غلامی کا جواز حام کی لعنت سے استخراج کیا ہے۔ دیکھو اُن عبارات کو جو مولر نے اپنی کتاب "عیسائیت و غلامی" (فرنچ اڈیشن) میں درج کی ہیں۔ ہسٹری آف یوروپین مارلز مصنفہ ولیم ایڈورڈ ہارٹ پول لیکی ایم۔ اے مطبوعہ لندن ۱۸۷۷ء صفحہ ۶۶ +

[۱] النور ۲۴۔ آیت ۳۴ و ۵۷ -

"ترقی کا خیال رکھا گیا ہے۔ بلکہ ایسی ہیں کہ کسی یوروپین یا امریکن بردہ فروش سلطنت نے کبھی اپنے مجموعہ
"قوانین میں اُس وقت تک درج نہیں کیں جب تک کہ تمام عیسائی ممالک سے غلامی بالکل موقوف ہوگئی"[۱]

مجھے اب صرف اس قدر کہنا باقی ہے کہ قرآن نے آیندہ غلامی کے موقوف کرنے اور اس وقت کی موجودہ غلامی میں جو اصلاح کی وہ نہ صرف اس قانون سے زیادہ قطعی اور مستحکم ہے جو عورتوں کے لئے وضع کیا گیا بلکہ اُس وقت غلامی کے متعلق جس قدر قدیم سیاسی اخلاقی۔ اور مذہبی قوانین موجود تھے، اسے ان سب پر تفوق حاصل ہے۔ آپ نے جس قدر مفید اور عمدہ تدابیر غلاموں کی بہتری اور بہبودی کے لئے اختیار کیں وہ سب اس وقت کی موجودہ غلامی کی فلاح و اصلاح کے لئے تھیں۔ اور آپ کا آیندہ غلامی کو موقوف کر دینا بنی نوع انسان پر ایک ایسی رحمت اور برکت ہے جس کی وجہ سے وہ بنی آدم کے تمام مقننون، مصلحوں اور محسنوں پر گوے سبقت لے گئے۔ اور افسوس ہے کہ مسٹر باسورتھ اسمتھ کو اس کا کچھ علم نہیں ہے۔

ریورنڈ اسٹیون کی رائے غلامی پر

۱۵۰۔ ریورنڈ مسٹر ڈبلیو۔ آر۔ ڈبلیو اسٹیون لکھتے ہیں کہ :۔

"مثلاً غلامی کی حالت کو لیجیے۔ قرآن میں غلاموں سے جو مروت اور مہربانی کے سلوک کی ہدایت کی گئی
"ہے اور جیسا کہ اسلامی ممالک میں عمل ہوتا ہے۔ لوگ اسے دیکھ دیکھ کر حیرت کرتے ہیں۔ لیکن وہ یہ بھول
"جاتے ہیں کہ قرآن نے غلامی کو تمدن کا ایک ضروری جزو تسلیم کیا ہے۔ مسلمانوں کے غلام یہودیوں
"کے غلاموں کی طرح ساتویں سال اپنی خلاصی کی توقع نہیں کر سکتے۔ قرآن اگرچہ عام الفاظ میں
"مہربانی اور نرمی کی ہدایت کرتا ہے۔ لیکن اس میں نہ ایسی متواتر اور مؤثر تنبیہیں موجود ہیں جیسی
"توراۃ میں غلاموں اور نوکروں پر ظلم کرنے کے خلاف میں پائی جاتی ہیں۔ اور نہ ایسی صاف و صریح
"اور تفصیلی تدابیران کی بہبودی اور فلاح کے لئے ہیں"[۲]۔

میں نہایت ادب سے یہ ظاہر کرنا چاہتا ہوں کہ قرآن نے غلامی کو کبھی از روے قانون تمدن کا ضروری جزو نہیں تسلیم کیا۔ البتہ غلامی اہل عرب کے تمدن کا ایک ضروری جزو تھا۔

---

[۱] محمد اینڈ محمدن ازم۔ مؤلفہ آر باسورتھ اسمتھ ایم۔ اے مطبوعہ لندن ۱۸۷۶ء۔ صفحہ ۲۴۳۔ ۲۴۵۔

[۲] کرسچیانٹی اینڈ اسلام۔ دی بائبل اینڈ دی قرآن۔ فور لیکچرز از ریورنڈ مسٹر اسٹیون۔ مطبوعہ لندن ۱۸۷۷ء
صفحہ ۱۰۴۔ ۱۰۵۔

لیکن محمد صلعم نے حتیّٰ الامکان آیندہ غلامی کے انسداد میں بہت کچھ سعی کی۔ جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔

ڈاکٹر مارکس ڈاڈس کی رائے غلامی پر

۱۵۱۔ ڈاکٹر مارکس ڈاڈس لکھتے ہیں کہ :۔

"محمد صلعم بہت شفیق اور رحم دل شخص تھے۔ اور بلاشبہ آپ کا یہ منشا تھا کہ غلاموں کی حالت میں اصلاح و "فلاح کریں۔ اگر آپ فی الفور غلاموں کی آزادی کا خیال بھی کرتے تب بھی اس کو عمل میں لانا غالباً ناممکن "پاتے۔ لیکن آپ نے " اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ " کا اعلان کر کے بتدریج اس مقصد کے حاصل کرنے "کے لئے ایک ایسا یقینی ذریعہ سوچا جو آپ کے اختیار میں سب سے بہتر ذریعہ تھا۔ اس کے ساتھ ہی آپ "نے موجودہ غلاموں سے نیک برتاؤ کی بھی ہدایت کی۔ اس بارے میں آپ کی آخری نصیحت ایسی اہم "اور وقیع ہے کہ اس سے قطع نظر نہیں ہو سکتی۔ آپ نے فرمایا کہ' اب رہے تمہارے غلام! سو دیکھو جو تم "کھاتے ہو وہی ان کو کھلاؤ۔ جیسا کپڑا تم پہنتے ہو ویسا ہی انہیں پہناؤ۔ اگر وہ کوئی ایسا قصور کریں جو تم "نہیں معاف کر سکتے تو انہیں فروخت کر دو۔ کیونکہ وہ خدا کے بندے ہیں۔ اور انہیں ایذا نہیں دینی چاہئیے۔ "لوگو! میری بات سنو! اور اسے خوب سمجھو۔ جان لو کہ مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ تم سب مساوی ہو۔ اور تم سب "ایک برادری ہو[۱]۔ اس بات کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ آپ کی تلقین کردہ انسانی مساوات کی عملی مثالیں تو "بعض ممالک میں نظر آتی ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ عیسائی ممالک میں اس پر عمل نظر نہیں آتا حضرت عمرؓ "اپنے اونٹ کی نکیل پکڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اور اُن کا غلام اونٹ پر سوار ہے۔ اور آپ کی گوشۂ جگر فاطمہؓ "اپنی باندیوں کے ساتھ باری باری سے چکی پیستی نظر آتی ہیں۔ یہ وہ نمونے ہیں جن میں آپ کی تعلیم کی مکمل "مثال ملتی ہے۔ اگرچہ آپ کی نیت غلاموں کے متعلق کیسی ہی کریمانہ اور شفیقانہ کیوں نہ ہو۔ اور اس اولوالعزمانہ "اسلامی مساوات کے اعلان سے کیسے ہی مفید نتائج کیوں نہ مرتب ہوئے ہوں۔ مگر قرآن نے جواز تسرّی "سے ان سب پر پانی پھیر دیا۔ اس میں کوئی چھپانے کی بات نہیں ہے کہ اس کے جواز سے غلاموں کی تجارت "اپنے مشہور خوفناک نتائج اور سیہ کاریوں کے ساتھ قائم رہی۔ یہ وہ نظام ہے جس کی قرآن نے صریح اجازت "دی ہے اور جس پر خود پیغمبرؐ نے عمل کیا ہے۔ اور یہی جواز اس ذلّت و خواری کا ذمّہ دار ہے جو عمر بھر ان بدنصیب "لڑکیوں کو بھگتنی پڑتی ہے جو حبشی غلاموں[۲] کے ظلم و ستم سے دریائے نیل کے پار اُتار دی جاتی ہیں۔ خود روشن خیال "مسلمان[۳] اس خرابی اور ذلّت سے شرماتے ہیں۔ اور یہاں تک کہتے ہیں کہ پیروان پیغمبرؐ کے لئے یہ ایک "دوامی ذلّت ہے"۔ کہ " غلامی خرید و فروخت اور دیگر ذرائع سے قائم رکھی گئی ہے[۴]"۔ اور یہ کہ اب مسلمانوں کو "علی الاعلان یہ کہہ دینا چاہئیے کہ " یہ اس بڑے اور شریف پیغمبر پر ایک جھوٹا الزام ہے۔ اور یہ کہ مذہب

[۱] میور باب ۴ صفحہ ۲۳۹۔

[۲] لین ماڈرن اجپٹ باب ۱ صفحہ ۲۳۶۔

[۳] سید احمد صفحہ ۲۵۔

[۴] سید امیر علی صفحہ ۲۵۹۔

"اسلام غلامی کا دشمن اور فقہ اسلام غلامی کا مانع ہے"۔ ہم ان کی اس خواہش کی عزت کرتے ہیں کہ مذہب کو
"اس دھبہ سے پاک کر دینا چاہیئے۔ لیکن ہم تمام اُمت اسلامی کو اس بات پر کیونکر آمادہ کر سکتے ہیں کہ وہ اس
"بڑے اور شریف پیغمبر کے اس فتوے کو رد کریں۔ اور اس جواز کو ممنوع ٹھیرادیں جس کے قواعد قرآن میں
"موجود ہیں؟ غلامی اس وقت موقوف ہو سکتی ہے جب تسری موقوف کی جائے۔ اور جب تسری موقوف
"ہو جائے گی تو اسلام کی خصوصیات اور خاص کر پیغمبر اسلام اور مسلمانوں کی مقدس کتاب کے متعلق بھی ضرور
"خیالات میں تبدیلی واقع ہوگی"۔[1]

اس میں کچھ شبہ نہیں کہ اُس وقت کے تمام موجودہ غلاموں کو آزاد کر دینا ناممکن تھا۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی امر واقعی ہے کہ آپ نے قرآن (سورہ محمد ۴۷) کے احکام کے رُو سے مطلق غلامی کو بالکل موقوف کر دیا۔ اور آپ نے تسری کی کبھی اجازت نہیں دی۔ صفحات ذیل سے بخوبی معلوم ہوگا کہ آپ نے اس رسم کو اہل عرب سے بالکل موقوف کر دیا تھا۔

تسری

۱۵۲۔ آنحضرت صلعم نے باندیوں (تسری) کا رواج اہل عرب کے تمدن میں جاری وساری پایا۔ ممکن ہے کہ ایک مدت تک آپ نے اس کی ممانعت نہ کی ہو۔ لیکن آخر کار آپ نے اس کی طرف توجہ فرمائی۔ اول اول آپ نے اس وقت کی موجودہ باندیوں کو قانوناً نہیں بلکہ بطور ایک واقع کے تسلیم کیا ہے۔ مسلمانوں کو ہدایت کی کہ وہ اپنی باندیوں کی شادی کر دیں اور انہیں مثل سراریا کے نہ رکھیں۔ آپ نے باندیوں کی شادی کو کچھ زیادہ پسند نہیں کیا۔ بلکہ اس پرانے رواج کو صرف اس خیال سے بنظر مسامحت دیکھا کہ وہ بالواسطہ اور بالآخر انسداد تسری وغلامی کا ایک ذریعہ ہے۔ آپ نے لوگوں کو تسری کی طرف سے نفرت دلائی۔ اور مرد عورت کے تعلق کے لئے صرف نکاح ہی کو ایک جائز صورت قرار دی۔ اور باندیوں سے عقد کرنے کی اجازت خاص خاص حالات میں دی۔ تسری کو قرآن نے تسلیم نہیں کیا۔

(۱) وَمَن لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنكُمْ طَوْلًا | (۱) اور تم میں سے جس کو مسلمان بیبیوں سے نکاح

[1] محمد بدھا اور عیسےٰ۔ فور لیکچرز آن نیچرل اینڈ ری ویلڈ ریلیجن۔ مصنفہ مارکس ڈاڈس۔ ڈی۔ ڈی۔ مطبوعہ لندن ۱۸۷۸ء۔

اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ
فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ
فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ
بِاِيْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ
فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَ
اٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ
مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ
اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ
اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ
مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ
ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ
وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (النّساء ۴- آیت
۲۵)-

کرنے کا مقدور نہ ہو تو خیر مسلمان لونڈیوں سے نکاح کرلو جو تمہارے داہنے ہاتھ کا مال ہوں- اور اللہ تمہارے ایمان کو خوب جانتا ہے - تم ایک دوسرے کے ہم جنس ہو- پس ان کے مالکوں کی اجازت سے اُن کے ساتھ نکاح کرلو- اور دستور کے مطابق اُن کے مہر اُن کے حوالے کرو- مگر (شرطیہ ہے) کہ وہ پاکدامن ہوں- نہ تو علانیہ بدکار ہوں اور نہ پوشیدہ-

(۲) پھر جب وہ قید نکاح میں آجائیں اور اس کے بعد اور کوئی علانیہ بدکاری کریں تو جو سزا بی بی کی ہے اس کی آدھی سزا ان کی ہے یہ (لونڈیوں سے نکاح کرنے کی) اجازت اسی کو ہے جس کو تم میں سے گناہ کر بیٹھنے کا خوف ہو اور صبر کرو تو تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہے اور اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے- (النّساء ۴- آیت ۲۵)

(۳) يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَ
يَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ
يَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ
(النّساء ۴- آیت ۲۶)-

(۳) اللہ چاہتا ہے کہ (انبیاء وصلحا) جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں ان کے طریقے تم سے کھول کھول کر بیان کرے اور تم کو انہیں طریقوں پر چلائے اور تم پر مہر کی نظر رکھے اللہ جاننے والا حکمت والا ہے- (النّساء ۴- آیت ۲۶)-

(۴) وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ
عَلَيْكُمْ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ
الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا

(۴) اللہ چاہتا ہے کہ تم پر مہر کی نظر رکھے اور جو لوگ نفسانی خواہشوں کے پیچھے پڑے ہیں اُن کا مطلب یہ ہے کہ تم راہ راست سے بھٹک کر بہت دور ہٹ جاؤ- اللہ چاہتا ہے

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا (النساء۴۔ آیۃ ۲۹)	کہ تم پر سے بوجھ ہلکا کرے کیونکہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔ (النساء ۴۔ آیت ۲۹)۔

ان آیات سے صاف ثابت ہے کہ آنحضرت صلعم کے خیالات تسرّی کے متعلق یہ تھے کہ:۔

(۱) آپ نے تسرّی کو جائز تسلیم نہیں کیا۔

(۲) آپ نے مرد و زن کے تعلق مباشرت کے لئے صرف نکاح کو ایک جائز طریقہ تسلیم کیا ہے۔

(۳) آپ مرد و زن کے دوسرے قسم کے تعلقات مباشرت کو زنا خیال کرتے تھے۔

(۴) سرایا (باندیوں) سے عقد کرنے کی اجازت صرف انہیں مردوں کو دی گئی تھی جو آزاد (حرہ) عورتوں سے عقد نہیں کر سکتے تھے اور نہ بغیر شادی کے رہ سکتے تھے۔

(۵) بلکہ آپ نے ان کو یہ نصیحت کی کہ وہ سرایا (باندیوں) سے عقد ہی نہ کریں اور ذرا صبر کریں۔ کیونکہ آپ غلامی ہی کو سرے سے (کم از کم قانوناً) موقوف کرنے والے تھے۔ اور اس لئے مسلمانوں کو یہ ترغیب دینا نہیں چاہتے تھے کہ وہ باندیوں سے عقد کریں۔

(۶) سب سے آخر آپ نے تمام مسلمانوں کو متنبہ کیا کہ جو لوگ اس حکم سے تجاوز کرتے ہیں وہ اپنی خواہشات نفسانی کے غلام اور "راہ راست سے بہت دور ہٹ جانے والے ہیں"۔ یہ نصیحت تسرّی کے موقوف کرنے کے لئے بہت کافی ہے۔

اس مضمون کی قرآن کی آیات

۱۵۳۔ اور جن آیات کا حوالہ دیا گیا ہے وہ اس مسئلہ میں قرآن کی سب سے آخری آیتیں ہیں۔ اور بعض آیتیں اس سے پہلے کی بھی ہیں (مثلاً المعارج ۷۰۔ آیات ۲۹ و ۳۱۔ المومنین ۲۳۔ آیت ۵ و ۷۔ النساء ۴۔ آیات ۳۔ ۲۸۔ ۲۹)۔ ان آیتوں میں تسرّی پر بایں حیثیت نظر مسامحت ڈالی گئی ہے کہ وہ زنا سے ایک کم درجہ کی خرابی ہے۔ ایک ایسے مصلح کے لئے جو رفتہ رفتہ تسرّی کو بالکل مٹانا چاہتا ہو اُس کا یہ طرز عمل بالکل ایک نیچرل

رفتار ہے۔لیکن مجھے تو اس میں بھی شبہ ہے کہ آیا مذکورۂ بالا آیات سے تسرّی کا جواز کسی طرح نکلتا بھی ہے یا نہیں۔

المعارج (آیات ۲۹ تا ۳۱)۔ اور المومنین (آیات ۵ تا ۷) کی آیتیں بالکل متحد ہیں۔ یہ آیات مکّہ میں نازل ہوئیں۔ ان میں ان لوگوں کی تعریف کی گئی ہے جنھوں نے آزاد یا غلام عورتوں سے شادی کی اور ان کی مذمّت کی گئی ہے جو زنا کرتے ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ ان آیات میں تسرّی کو زنا پر ترجیح دی گئی ہو۔لیکن مدنی سورۃ (النسا ۴) کے روسے جو آخر میں نازل ہوئی تسرّی بالکل موقوف کرائی گئی۔ آیات یہ ہیں :-

وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِفُرُوْجِھِمْ حٰفِظُوْنَ ۙ اِلَّا عَلٰۤی اَزْوَاجِھِمْ اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُھُمْ فَاِنَّھُمْ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ ۚ فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْعٰدُوْنَ ۚ (المعارج ۷۰۔ آیہ ۲۹ تا ۳۱۔ المومنین ۲۳ آیہ ۵ تا ۷)

اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کی بچاؤ رکھتے ہیں مگر اپنی بیبیوں اور اپنے داہنے ہاتھ کے مال یعنی لونڈیوں سے پس ان پر کچھ الزام نہیں۔ہاں جو لوگ ان کے علاوہ اور کے طلبگار ہوں تو ایسے ہی لوگ حد سے بڑھ جانے والے ہیں۔ (المعارج ۷۰۔ آیت ۲۹ تا ۳۱۔ اور المومنین ۲۳۔ آیت ۵ تا ۷)۔

سورۂ نساء کی تیسری آیت سے تسرّی کا جواز نہیں نکلتا۔

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَۃً اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ ؕ ذٰلِکَ اَدْنٰۤی اَلَّا تَعُوْلُوْا ؕ وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِھِنَّ نِحْلَۃً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَکُمْ عَنْ شَیْءٍ

اور اگر تم کو اس بات کا اندیشہ ہو۔کہ یتیم لڑکیوں کے حق میں تم انصاف نہ کروگے تو اپنی مرضی کے مطابق دو دو تین تین اور چار چار عورتوں سے نکاح کرو۔لیکن اگر تم ڈرو کہ (متعدد بیبیوں میں) برابری نہ رکھو گے تو بس ایک ہی (بی بی کرو)۔یا جو لونڈیاں تمہارے قبضہ میں ہوں۔اس طرح ناانصافی سے بچنے کے قریب تر ہوگے۔اور عورتوں کو اُن کے مہر خوشی سے دے دو۔

مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـئًا مَّرِيْٓـئًا ۝ (النساء۴-آیت ۳-۴)-

پھر اگر وہ اپنی خوشی سے کچھ تم کو چھوڑ دیں تو اُسے کھاؤ پیو نوش جان۔ (النساء۴-آیت ۳-۴)۔

قرآن میں ایک اور جگہ بھی سراپا سے عقد کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ۭ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ (النور ۲۴- آیت ۳۲)-

تم میں سے جو بے شوہر عورتیں اور بے زوجہ مرد ہوں اُن کا اور اپنے نیکبخت لونڈیوں اور غلاموں کا نکاح کردو۔ اگر یہ لوگ محتاج ہوں گے تو اللہ اپنے فضل سے اُن کو غنی کردے گا اور اللہ گنجائش والا اور جاننے والا ہے۔ (النور۲۴- آیت ۳۲)۔

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ (النور۲۴- آیت ۳۳)

اور جو لوگ نکاح کرنے کا مقدور نہیں رکھتے۔ اُن کو چاہیئے کہ نیک چلن رہیں یہاں تک کہ اللہ ان کو اپنے فضل سے غنی کردے۔ (النور ۲۴- آیت ۳۳)۔

النساء۴ آیت ۲۸

۱۵۴- سورۂ نساء کی اٹھائیسویں آیت میں اگرچہ سراپا کا ذکر ہے لیکن اُس سے تسری کی اجازت نہیں نکلتی۔ چھبیسویں اور اٹھائیسویں آیت میں اُن مختلف رشتوں کی کئی عورتوں کا ذکر کیا گیا ہے جن سے مسلمانوں کو عقد کرنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ ان میں منکوحہ عورتیں بھی شامل ہیں۔ عربوں میں قدیم سے یہ دستور چلا آتا تھا کہ اگر کوئی منکوحہ عورت جنگ میں پکڑی آتی۔ یا غیر ملک میں غلام بنالی جاتی تو دوبارہ اُس کی شادی ہوسکتی تھی۔ اور اُن عورتوں کا پہلا عقد کالعدم سمجھا جاتا تھا۔ یہ عربوں اور دیگر نیم وحشی قبائل کا ایک مسلّمہ نظام تمدّن تھا۔ لیکن جب آنحضرت صلعم نے غلامی کا استیصال کیا تو اس کی بھی جڑ کاٹ ڈالی۔

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۔ (النساء۴ آیت ۲۴)-

اور وہ عورتیں بھی حرام ہیں جو دوسروں کی قید نکاح میں ہوں مگر وہ جو کافروں کی لڑائی میں قید ہو کر تمہارے قبضہ میں آئی ہوں۔ (النساء۴- آیت ۲۴)۔

اس آیت سے تسرّی ثابت نہیں ہوتی - اس میں صرف اس بحث کا تصفیہ کیا گیا ہے کہ کن عورتوں سے شادی کی جاسکتی ہے اور کن سے نہیں -

محمد صلعم نے تسری کی ممانعت کی ہے

۱۵۵ - جو کچھ اُوپر بیان کیا گیا ہے اس سے ناظرین کو معلوم ہوا ہوگا کہ آنحضرتؐ نے کبھی تسرّی کی اجازت نہیں دی - بلکہ برخلاف اس کے عربوں کو اس سے منع کیا مسلمانوں اور نیز دوسرے لوگوں کو اجازت تھی کہ وہ اپنی سرایا (باندیوں) سے شادی کر سکتے ہیں مرد و زن کی باہمی مباشرت کا کوئی دوسرا طریقہ سوائے دائمی عقد کے قانوناً جائز نہیں رکھا گیا - یعنی نکاح کرنا اور عصمت سے رہنا اور زنا سے بچنا - آنحضرتؐ کے زمانہ میں عربوں میں امتیاز کے لئے دو قسم کی عورتیں تھیں - ایک آزاد دوسری غلام اور عقد نکاح بھی اُن کا ایک دُنیاوی تعلق تھا - تسرّی و زنا کی سخت مذمّت و ممانعت کی گئی ہے - مگر تاہم آجکل کے بہت سے یورو پین مصنّف متعصّب مسلمانوں اور فقہ کی وجہ سے دھوکا کھا کر یہ خیال کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے تسرّی کو احکام الٰہی کی رُو سے جائز رکھا ہے -

از روئے شرع محمدی موجودہ غلامی اور تسری ممنوع ہے لیکن اُن کے جاری رکھنے کے لئے بعض حیلے گھڑے گئے ہیں -

۱۵۶ - تسرّی کی نسبت کہا گیا ہے کہ :-

"چونکہ عورتوں کی غلامی تسرّی کے جواز کے لئے ایک ضروری شرط ہے - لہٰذا مسلمان کبھی دلی جوش اور اتحاد کے ساتھ اس کے مٹانے کی کوشش نہ کریں گے" [1]

یہ سچ ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی سچ ہے کہ مسلمان فقیہ ان لڑکیوں کو سرایا بنانے کی اجازت نہیں دیتے جو جارجیا افریقہ اور وسط ایشیا سے لائی جاتی ہیں - فقہی غلامی کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے - اور وہ اُس وقت حاصل ہوتا ہے جب کہ امام جائز کے حکم سے اُن کفار کے ساتھ شرعی لڑائی کی جائے جو مذہب اسلام کے خلاف جنگ کریں - جنگ کے خاتمہ پر مال غنیمت کا خمس جس میں قیدی اور دوسرا مال و اسباب ہوتا ہے - اغراض پبلک کے لئے الگ کر دیا جاتا ہے باقی مال اور غلام سپاہیوں میں تقسیم کر دئے جاتے ہیں - تقریباً اُن تمام اسلامی ممالک میں جہاں

[1] لائف آف محمد مصنّفہ سر ولیم میور صفحہ ۳۴۷ - جدید اڈیشن -

جہاں مختلف بندرگاہوں سے غلام لائے جاتے ہیں۔ یہ دو نو فقہی صورتیں معدوم ہیں۔ یعنے نہ تو غلام ایسی جنگ کے ذریعہ حاصل کئے جاتے ہیں جو امام جائز کے حکم سے کسی ایسے مخالف ملک سے کی گئی ہو جہاں کے باشندے اسلام کے خلاف جنگ کرتے ہوں۔ اور نہ مال غنیمت بعد وضع خمس اغراض ملک کے لئے بیت المال میں داخل ہوتا اور جائز و شرعی طور سے تقسیم کیا جاتا ہے۔ بلکہ برخلاف اس کے اب جن غلاموں کی تجارت کی جاتی ہے وہ مسلمانوں کے بچے ہوتے ہیں جن کو غلاب مختلف اسلامی بندرگاہوں سے چُرا لاتے ہیں۔ جو کسی طرح پر شرعی غلام اور جائز ملک نہیں ہو سکتے۔ بالاتفاق قدیم عُلما کی یہی رائے تھی۔ اور وہ مسلمانوں کو ایسی عورتوں کے سراریا بنانے سے منع کرتے تھے جو ترکی و ہندوستان اور ترکستان سے لائی جاتی تھیں[1]۔ لیکن عمل تسرّی کے عدم جواز سے بچنے کے لئے اُنہوں نے بعض ایسے حیلے گھڑ لئے ہیں جن میں اگرچہ ہوشیاری اور چالاکی کی گئی ہے تاہم وہ مہمل اور ضعیف ہیں۔

سلطان سلیمان اور سلیم ثانی کے زمانہ میں مفتی ابوسعود آفندی شیخ الاسلام سے جو (۹۵۲-۹۸۲ سنہ ہجری) ایسی لونڈیوں کی تسرّی کے متعلق فتوے طلب کیا گیا جو سپاہیوں سے خریدی جاتی تھیں اور از روے شرع منقسمہ غنیمت کا جُزنہ تھیں شیخ الاسلام نے جواب دیا۔ کہ ہمارے زمانے میں غنیمت کی تقسیم شرعی نہیں ہے لیکن سنہ ۹۴۸ ہجری میں عام تنفیل ہوئی اور اس لئے بعد وضع خمس جو کچھ باقی رہا اس میں شروع سے کچھ شُبہ نہیں[2]۔

حیلہ اول یعنے تنفیل کی بحث

۱۵۷ تنفیل کے معنے ہیں اُس عطیہ کے جو سپاہیوں کو حصہ غنیمت سے زیادہ دیا جائے لیکن امام یا سلطان وقت کی عام تنفیل صرف ایک سال رہتی ہے۔ یا اس وقت تک جب تک

---

[1] دیکھو تحفۃ المحتاج فی شرح المنہاج مؤلفہ امام نووی حصہ چہارم صفحہ ۱۵۴۔

[2] "وفی معروضات للمفتی ابی السعود ھل یحل وطئ الاماء المشتراۃ من الغزاۃ الآن حیث وقع الاشتباہ فی قسمتہم بالوجہ المشروع فاجاب لاتوجد فی زماننا قسمۃ شرعیۃ لکن فی سنۃ ۹۴۸ وقع التنفیل الکلّی فبعد اعطاء الخمس لا یبقٰی شبہۃ ابتداءً" (متن درمختار۔ ماخوذ از شرح موسوم بہ رد المحتار۔ جلد ۳۔ صفحہ ۳۷۳۔ مطبوعہ مصر۔ نیز دیکھو غایۃ الاوطار جلد دوم صفحہ ۴۸۵)۔

کہ فوج لڑائی سے واپس آئے۔ بشرطیکہ سلطان کا انتقال نہ ہو جائے۔ یا وہ معزول نہ کر دیا جائے نہیں تو تنفیل اسی وقت ختم ہو جاتی ہے[1]۔ اب سنہ ۹۴۷ ہجری کی قانونی تنفیل بھی سلطان سلیمان کے ساتھ گئی۔ اور اُس زمانے میں مال غنیمت کا خمس اغراض پبلک کے لئے بیت المال میں محفوظ رکھنا بھی بے سُود ہے۔ کیونکہ اول تو آج کل جو غلام لائے جاتے ہیں وہ مسلمانوں کے مسروقہ بچے ہوتے ہیں جو کسی حالت مین غلام نہیں ہو سکتے۔ دوسرے نہ مال غنیمت کی تقسیم کسی ایسی جائز جنگ کے بعد جو امام یا سلطان وقت کے حکم سے ہوئی ہو شرعی طور پر ہوتی ہے اور نہ اغراض پبلک کے لئے بیت المال میں خمس جمع کیا جاتا ہے۔ علاوہ اس کے تنفیل کی صورت میں خمس کا وضع کرنا ضروری نہیں ہے مفتی مذکور نے احتیاطاً یہ حیلہ اس لئے گھڑا کہ تسرّی کے مقبول رواج کا جواز نکل سکے۔ جو درحقیقت آج کل فقہ کی رو سے بھی جائز نہیں۔

۱۵۸۔ ردالمحتار علے الدر المختار کا مصنّف مفتی ابو سعود کے فتوے مذکورہ بالا کے متعلق۔ کہتا ہے کہ عام تنفیل کی صورت میں یہ ضرور نہیں ہے کہ خمس نکالا جائے اور اس زمانہ میں نہ قسمت ہے نہ خمس۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خمس کے نکالنے کو ضروری قرار دے کر جیسا کہ مفتی صاحب نے بیان کیا ہے یہ شبہ کیونکر رفع کیا جائے۔ برخلاف اس کے شبہ باقی رہتا ہے۔ کیونکہ ہمیں اس کا علم نہیں کہ آیا سلطان وقت نے عام تنفیل کی اجازت دی ہے یا نہیں اور ہم یقین کے ساتھ اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ جب آجکل قسمت نہیں ہے تو تنفیل بھی نہیں ہونی چاہیئے۔ علاوہ اس کے اس زمانہ کی فوجیں مال غنیمت کو اپنے تصرّف میں لے آتی ہیں یہاں تک کہ بلاد اسلامی کے لُوٹ کا بھی یہی حشر ہوتا ہے۔ اور اگر کوئی مسلمان مالک اپنے مال کا دعوےٰ کرتا ہے تو اُس کا مال واپس نہیں کیا جاتا بلکہ اُس کی قیمت دلا دی جاتی ہے۔ اسی طرح ہمارے وقت کے حکّام اور سپہ سالار افواج تنفیل و تقسیم کو عمل میں نہیں لاتے۔ جس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ جو مال غنیمت ہاتھ آتا ہے

[1] دیکھو ردالمحتار یا شامی جلد سوم صفحہ ۲۷۳۔ مطبوعہ مصر۔

اُس کا شمار غلول یعنی خفیہ تصرف میں ہوتا ہے[1]۔

۱۵۹۔ ایک دوسرا حیلہ[2] جو جوازِ تسرّی کے لئے عمل میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ باندیوں کو سلطان یا امام وقت سے خرید ا جاتا ہے۔ کیونکہ اُسے دشمن کے ملک سے باہر لے جانے سے قبل مالِ غنیمت کے فروخت کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ اس صورت میں فروخت کنندہ پر لازم ہوگا کہ قیمت فروخت ہی میں سے خمس نکالے۔ اور اس طرح خریدار کے لئے بغیر خمس نکالے تسرّی جائز ہو جائے گی۔ لیکن اس قسم کی بیع دُشمن کے ملک میں امام کی طرف سے ہونی چاہیئے قبل اس کے کہ مالِ غنیمت اسلامی حدود میں جائے یا شرعی تقسیم عمل میں آئے۔ مگر ایسی صورت کہیں نہیں پائی جاتی۔ لہٰذا اس میں کچھ شُبہ نہیں کہ ایسی صورت میں جب کہ غلام باہر سے لاکر پبلک میں بیچے جاتے ہیں یہ ناممکن ہے۔ نہ تو بائع اس کی پابندی کرسکتا ہے نہ خریدار۔

۱۶۰۔ تیسرا حیلہ از روئے فقہ[3] تسرّی کا جواز ثابت کرنے کے لئے یہ ہے کہ پکڑے ہوئے غلام بیت المال کے وکیل یا افسر خزانہ سے برائے نام خرید لئے جائیں لیکن اس زمانہ میں کسی اسلامی ملک میں بیت المال نہیں ہے۔ اور اگر کہیں ہے بھی تو غلاموں کی گرفتاری اور اُن کی برائے نام خریداری ناجائز ہے۔ کیونکہ ایسا مال "غلول" کے تحت میں آجائے گا اور کسی حیلہ سے بیت المال سے خریدا نہیں جاسکتا۔ کیونکہ اس مال کی نوعیت فوجی لُوٹ کی سی ہوگی۔ اور اس صورت میں اُسے سلطان المسلمین کے سامنے آنا چاہیئے جو اُسے ازروے شرع و انصاف اپنے

ردمحتار کا حوالہ

---

[1] لا یلزم اعطاء الخمس فی التنفیل العام ... ان الواقع فی زماننا عدم القسمۃ وعدم اعطاء الخمس بل الشبھۃ باقیۃ من حیث انا لا نعلم ان سلطان زماننا ھل نفل تنفیلا عاما ام لا و لا یقال ان عدم القسمۃ دلیل علی وجود التنفیل لان جیوش زماننا یاخذون ما تصل الیہ ایدیھم سلبا ونھبۃ حتی من بلاد الاسلام ولو ظفروا بما ملکہ المسلم لا یدفع الیہ الا بثمنہ ولذا حکام ھذا الزمان وامراء الجیوش لا ینفلون لا یقسمون ولا یخمسون فالظاھر ان ما یوخذ من الغنائم الیوم حکمہ حکم الغلول" (ردالمحتار جلد ۳ صفحہ ۲۷۳ مطبوعہ مصر)

[2] وفی حاوی الزاھدی اشتری جاریۃ ماسورۃ لم یؤد منھا الخمس من الاسیر ینفذ ویحل وطؤھا وانما حل فی بیع الاسیر بناء علی ان لہ البیع قبل الاحراز کما مر ویؤدون الخمس واجبا فی الثمن لا فیھا فیحل وطؤھا (ردالمحتار جلد ۳ صفحہ ۲۷۴ مطبوعہ مصر)۔

[3] اذا اراد التسری بجاریۃ شراھا ثانیا من وکیل بیت المال (ردالمحتار جلد ۳ صفحہ ۲۷۴ مطبوعہ مصر)۔

سپاہیوں میں تقسیم کرے اور اس کا ایک خمس اغراض پبلک کے لئے رکھے۔ اگر کوئی مسلمان مال غنیمت کا کچھ حصّہ اپنے تصرّف میں لائے تو وہ سنگین جرم کا مرتکب اور جسمانی سزا کا مستوجب ہے۔ امام زاہدی (متوفی ۶۵۸ھ) نے اس خاص بارے میں حاوی میں یہ فتوےٰ دیا ہے[ے]

"چونکہ نہ تو تنفیل ہے (یعنے سپاہیوں کو سلطان کی بیا جازت کہ وہ جو کچھ جنگ میں لوٹیں اُن کا مال ہے) نہ قسمت یعنے مالِ غنیمت کی شرعی تقسیم) اور نہ شرا (یعنے سپہ سالار سے غنیمت کی خریداری) لہذا باندیوں کی تسرّی کسی طرح جائز نہیں ہو سکتی"۔[1]

چوتھا حیلہ خارج از بحث ہے۔

۱۶۱۔ چوتھا حیلہ جو عموماً تسرّی کے جواز کے لئے کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ خریدار باندی سے شرعی عقد کرلے۔ اس صورت میں یہ بحث تسرّی کی بحث نہ رہی۔ تاہم ایک خرید کردہ باندی سے ایسی صورت میں نکاح کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ وہ مالِ غنیمت کا حصہ ہے جو پبلک کی ملک ہے اور اس میں سب شریک ہیں۔ لہذا نکاح جائز نہ ہوا۔[2]

۱۶۲۔ پانچواں حیلہ جواز تسرّی کا یہ ہے کہ جو غلام اس طرح پکڑے جاتے ہیں وہ بیت المال کی ملک ہیں۔ کیونکہ نہ تو اس زمانہ میں بیت المال ہی ہے اور نہ مسلمانوں کا بادشاہ (امام ہو یا سلطان) اس قسم کے مال اور ریاست کی دوسری آمدنی میں مساوی تقسیم شرعی کا پابند ہے۔ لہذا جو شخص غلاموں کو پکڑتا ہے وہی اُن کا مالک بھی ہے۔ اس لئے کہ بادشاہ بیت المال سے اُسے کوئی حصّہ نہیں دیتا۔[3] یہ قیاس بالکل بودا اور ناروا ہے۔ اور درحقیقت ملکی آمدنی کی لوٹ مار اور غارتگری و غصب کو جائز کرتا ہے۔ شیخ عزالدین ابن عبدالسلام (متوفی ۶۶۱ہجری) نے اسے بالکل ناجائز بتایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "مسلمانوں کی پبلک پر قبضہ کرنا ناجائز ہے"۔[4]

ے کتاب قنیۃ المنیۃ علے مذہب ابی حنیفۃ تالیف امام ابی الرجاء نجم الدین مختار محمود الزاہدی

[1] فاذا لم یوجد تنفیل ولا قسمۃ ولا شراء من امیر الجیش لا یحل الوطء بوجہ اصلاً (رد المحتار جلد ۳ صفحہ ۳۷ مطبوعہ مصر)

[2] دیکھو رد المحتار کتاب النکاح جلد دوم۔ اور کتاب الجہاد جلد سوم صفحہ ۳۷۴ مطبوعہ مصر۔)

[3] قنیہ میں امام وبری سے منقول ہے کہ ان من لہ حظ فی بیت المال ظفر بمالہ وجہ لبیت المال ولہ ان یاخذ ہ دیانۃ یعنے جس شخص کو بیت المال سے حق پہنچتا ہے وہ اگر کسی ایسی چیز کو لے لے جو بیت المال سے متعلق ہے تو وہ از روے دیانت اُسی کی ہے۔ کتاب الجہاد رد المحتار جلد سوم صفحہ ۳۷۴ مطبوعہ مصر قنشی یہ لفظ "دیانت" لفظ "قضاً" کی ضد ہے۔

[4] دیکھو تحفۃ المحتاج فی شرح المنہاج تالیف امام نووی حصہ سوم۔ صفحہ ۸۲۔

(متوفی ۶۵۸ھ) نہایت ناقابل اعتماد ہے۔ اگرچہ خود مصنف بہت مستند آدمی ہے[1]۔

۱۶۳۔ مسٹر میک ناٹن (بنگال سول سروس) نے اپنی کتاب اصول نظائر شرع محمدی میں[2] ایک فتوے سے استرقاق کے کئی طریقے نقل کئے ہیں۔ جن میں سب کے سب سوائے ایک کے ناقابل اعتماد اور از روے فقہ غیر صحیح ہیں۔ کیونکہ اول تو جو غلام مسلمان پکڑیں گے وہ مال غنیمت سمجھے جائیں گے۔ اور اس لئے فقہ کی پابندی لازم آئے گی۔ یعنے یہ کہ امام یا سلطان بعد وضع خمس باقی مال کو سپاہیوں میں تقسیم کرے گا۔ ورنہ بصورت دیگر یہ مال غنیمت ناجائز تصور کیا جائیگا۔ دوسرے ممکن ہے کہ چوری چھپے پکڑ کے غلام بنا لئے جائیں۔ تو ایسی صورت میں ایسے مال یا غلام کی شرا ناجائز خیال کی جائیگی۔ امام نووی لکھتے ہیں کہ:۔

"اگر یہ یقین ہو کہ غلام کا پکڑنے والا مسلمان ہے اور اس نے چوری چھپے سے غلاموں کو پکڑا ہے تو اُن کی شرا ناجائز ہو گی۔"[3]

خاتمہ

۱۶۴۔ اس حصے میں میں نے قرآن کے صاف و صریح الفاظ اور مستند احادیث سے پورے طور پر یہ ثابت کر دیا ہے کہ جو باتیں اسلام کی تمدنی خرابیوں کے نام سے مشہور ہیں یعنے تعدد زوجات۔ سہولت طلاق۔ غلامی اور اُس کی متعلقہ تسری کی خرابیاں قرآن میں کہیں ان کی اجازت نہیں دی گئی۔ بلکہ برخلاف اس کے اسلام نے۔ جس سے میری مراد وہ پاک اور ٹھینٹ اسلام ہے جو پیغمبر عرب محمد صلے اللہ علیہ وسلّم نے ہمیں قرآن میں بتایا ہے۔ ان تمدنی خرابیوں کی اصلاح کی ہے۔ اسلام نے عام طور پر عورتوں کی حالت میں ترقی و اصلاح کی رُوح پھونکی۔ اور ایسے اخلاقی و تمدنی نظام کی بنیاد ڈالی جو نہ صرف عرب کے لئے بلکہ تمام عالم کے لئے باعث برکت و رحمت ہے۔ اس میں شُبہ نہیں کہ مسلمان پیغمبر صلعم کی تعلیم سے بھٹک گئے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ امر فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ انہیں اپنی تمدنی و سیاسی اصول کے اصلاح کا احساس ہے جنہیں وہ ان تغیرات سے مطابق کر سکتے ہیں جو شب و روز انکے گرد و پیش واقعہ ہو رہے ہیں۔ فقط

[1] دیکھو حاجی خلیفہ کی کتاب کشف الظنون اور طحطاوی درمختار کی شرح میں لکھتے ہیں کہ "قنیہ مذہبی کتابوں میں ناقابل اعتماد ہے"۔
[2] پرنسپلز اینڈ پریسیڈنٹس اوف محمڈن لا۔ بیان ابتدائی۔ صفحہ ۳۳ و ۳۴ فٹ نوٹ۔
[3] تحفۃ المحتاج فی شرح منہاج جلد ۴ صفحہ ۱۵۴۔